اسلام اور رواداری

حصہ دوم

از

رئیس احمد جعفری (ندوی)

رفیق ادارہ ثقافت اسلامیہ

لاہور

یکے از مطبوعات

ادارہ ثقافت اسلامیہ

کلب روڈ - لاہور

طبع اول اگست ۱۹۵۷ء

مطبوعہ نقوش پریس لاہور

قیمت فی جلد روپے

ابتدائیہ

اسلام اور رواداری کا دوسرا حصّہ حاضر ہے۔ پہلا حصّہ توقع سے زیادہ مقبول ہوا، اس کتاب پر ہر مکتبِ فکر اصحابِ قلم نے تبصرہ کیا کسی نے تقریظ سے کام لیا، کسی کی نکتہ چینی، علمی حدود کی شائستگی سے تجاوز کر گئی۔ خاکسار مؤلف سب کا ممنون ہے،

اسلام اور رواداری جلد اوّل کی اشاعت کے بعد ایک روز مجھے ایک طویل مکتوب موصول ہوا، اس خط میں نہایت بلند حوصلگی اور عالی ظرفی کے ساتھ، مؤلف کی تحقیق اور محنت کی داد دی گئی تھی، یہ خط جناب نعیم صدیقی مدیر ترجمان القرآن لاہور و چراغ راہ کراچی کا تھا، موصوف جماعت اسلامی کے رکن رکین ہیں، جماعت کی اور ادارہ کی راہ الگ الگ ہے، مؤلف کتاب اور صاحب مکتوب کے افکار و خیالات میں بھی اختلاف ہے، پھر بھی بغیر کسی ذہنی تحفظ کے انہوں نے جی کھول کر داد دی، اس طرح کی داد پا کر میں بہت متاثر ہوا، خط اگر نجی نہ ہوتا، تو شاید میں اسے اس دیباچہ میں شائع کر دیتا مجھے مسرت ہے، اور فخر ہے کہ مجھ سے ایک ایسی خدمت بن آئی جس کی ستائش میری امید سے زیادہ ہوئی۔

دوستوں سے التدعا کرتا ہوں کہ وہ اس دوسرے حصّہ پر بھی نگاہِ نقد ڈالیں اور میری خامیوں سے مجھے مطلع کریں۔

رئیس احمد جعفری

۳۰ دسمبر ۱۹۵۶ء

فہرست

بلا تبصرہ

واقعات کی داستان حقائق کی زبان سے

مسلمان عربوں نے اپنے دینی عقاید، طرزِ کلام حتیٰ کہ اپنے جسمانی خد و خال کے اعتبار سے بھی غیر قوموں کے افراد کی جتنی تعداد کو اپنے اندر جذب کر لیا تھا، اتنی بڑی تعداد میں کوئی قوم آج تک جذب نہ کر سکی، ۔۔۔۔۔۔۔۔۔

سر ٹامس آرنلڈ کا بیان ہے: "اسپین کے عیسائیوں نے جن پر کیتھولک فرمانرواؤں کے زمانہ میں نکبت اور فقر و شدت کی حکومت تھی، مسلمانوں کی حکومت میں جو مذہبی رواداری میں مشہور تھے، بہت سے تمدنی حقوق حاصل کرتے تھے۔ اسلام کی عالمگیر مساوات، رواداری اور انسانی آزادی کے احترام کی وجہ سے سب سے پہلے ان غلاموں نے اس کا خیر مقدم کیا جو صدیوں سے پستی کی حالت میں تھے۔ اس کے بعد بہت سے بت پرستوں نے اس کی تقلید کی اور کثرت سے مسلمان ہو گئے۔"

یونان کے فلاسفر نے نوعِ انسانی کو دو قسموں میں تقسیم کیا تھا، پیدائشی آزاد، پیدائشی غلام انکے خیال میں دوسری قسم صرف پہلی جنس کی خدمت کے لیے پیدا کی گئی ہے۔ ارسطو نے غلامی کا رواج سوسائٹی کے لیے ضروری قرار دیا تھا۔ اس کا زاویۂ نگاہ تھا کہ ریاست (STATE) کے قیام کی حقیقی غرض یہ ہے کہ وہ ہیئت اجتماعی یا سوسائٹی کی زندگی کو بہتر سے بہتر بنا سکے۔ اس مقصد کے لیے ناگزیر ہے کہ غلاموں کا وجود بھی ہو تاکہ ریاست کے سخت جسمانی کام غلام انجام دے سکیں، جنہیں سوسائٹی نہیں کر سکتی یا نہیں کرنا چاہتی۔ اس غرض کے لیے یونانی ان لوگوں کو غلام بنا لیتے تھے، جنہیں وہ جنگوں میں گرفتار کرتے تھے اور سوسائٹی کے ذلیل کام ان سے لیتے تھے، اور یونانی خود ریاست کے بڑے بڑے عہدوں پر فائز ہوتے اور دستوری مجلسوں کے فرائض رکنیت انجام دیتے تھے۔

رومیوں کا عقیدہ تھا کہ تمام لوگ آزاد پیدا ہوئے ہیں، مگر اس عقیدے کے باوجود ان کی نظر میں وہ لوگ جو جنگ میں قیدی بنا لیے جائیں، یا ان کے والدین غلام ہوں یا جو لوگ اپنا قرض ادا نہ کر سکتے ہوں، یا لشکر سے بھاگ گئے ہوں، یہ سب لوگ غلامی کی زندگی کے مستحق تھے۔

یہودیوں میں غلاموں کی دو قسمیں تھیں، ایک تو وہ یہودی تھے جنہیں کسی مذہبی جرم یا قرض کی عدم ادائیگی کی وجہ سے غلام بنا لیا جاتا تھا، دوسرے غیر اقوام کے وہ اشخاص تھے جنہیں جنگوں میں گرفتار کیا جاتا تھا۔ یہ غلام گھروں کا کام، محلوں کے چھوٹے کام اور کاشت کاری وغیرہ کیا کرتے تھے اور ان کی حیثیت میں کاموں کے اختلاف سے کوئی فرق نہ پیدا ہوتا تھا، یہ لوگ سوسائٹی میں نہایت ذلت سے اپنی زندگی کے دن پورے کرتے تھے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے غلامی کا رواج مٹانا تو کجا، اس حیوانیت سے فروتر طبقہ کی سطح زندگی بلند کرنے کے لیے بھی کوئی قدم نہ اٹھایا تھا۔

فان ربنرگ نے غلاموں کے ساتھ مسلمانوں کے برتاؤ کا خاکہ ان الفاظ میں پیش کیا ہے: "اسلام نے غلاموں کے لیے اس قسم کے قوانین بنائے ہیں، جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور ان کے پیروکاروں کو انسانی احترام کا کتنا احساس اور شعور تھا، ان قوانین میں، ان قوانین کے مقابلہ میں صدہا خوبیاں نظر آتی ہیں جو تہذیب و تمدن کی علمبردار قوموں نے اپنی ماتحت قوموں کے لیے بنائے ہیں۔ اسلام نے غلامی کے نظام کو اگرچہ باطل نہیں کیا لیکن اس میں غیر معمولی اصلاحات کیں اور غلاموں کی حیثیت محض قیدیوں کی رہ گئی، جن سے اخلاق و نرمی کے برتاؤ کا حکم دیا گیا[1]۔"

---

[1] الاسلام وروح المدنیۃ - ص ۴۲۱

اسلام میں ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان کو اسیر کرنا اور اسے غلام بنانا مطلق جائز نہ تھا، لیکن غیر مسلم جب جنگوں میں گرفتار کیے جائیں تو انہیں غلام بنانے میں کوئی مضائقہ نہ تھا۔ اس وقت عربی نسل اور غیر عربی النسل میں بھی کوئی امتیاز نہ تھا۔

شریعت[1] اسلامی میں کسی مسلمان کو کسی حالت میں بھی غلام بنانا جائز نہیں ہے، صرف جہاد کے (جو خدا کے نام اور دین کی سربلندی کے لیے کیا گیا ہو) اسیران جنگ غلام بنائے جا سکتے ہیں۔ اس وقت یہ ضروری تھا کہ غیر مسلموں نے مسلمانوں پر حملہ کرنے میں پیش قدمی کی ہو، لیکن جو غیر مسلم قومیں مسلمانوں سے برسرپیکار نہ ہوں انہیں امام مالکؒ امام شافعیؒ اور امام احمدؒ (ایک روایت میں) ابو حنیفہ کے نزدیک غلام بنانا بالکل ناجائز ہے۔

---

[1] آیت ۳ سورہ حجرات ۔۔

اسلام نے غلامی کو ایک عارضی چیز قرار دیا اور غلاموں کے لیے اپنی آزادی کو حاصل کرنے کے لیے بہت وسیع میدانِ عمل پیدا کر دیا۔

" اگر تمہارے لونڈی غلام تم سے مکاتبت کی درخواست کریں تو تم انہیں مکاتب بنا دو۔"

(آیت ۳۳ - سورہ نور)

مکاتبت کا مفہوم یہ ہے کہ آقا سے غلام ایک معین مقدار، محدود مدت میں ادا کرنے کا معاہدہ کر لے، یہ رقم ادا کر دینے کے بعد وہ آزاد خیال کیا جاتا تھا۔ ادائیگی کی اس مدت میں غلام تجارت، خرید و فروخت اور دوسرے تصرفات کر سکتا تھا، جن سے وہ مال فراہم کر سکے۔

اسلام نے غلاموں کی آزادی کے لیے متذکرہ صدر وسائل کے علاوہ اور اسباب بھی پیدا کر دیے۔ مثلاً صرف زکوٰۃ میں مکاتب غلام کی مالی امداد کرنا بھی داخل ہے اور صدقات کے مال سے غلام خرید کر آزاد کیے جا سکتے تھے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم نے ایک بار دور سے ابن مسعودؓ کو اپنے غلام کو کوڑے مارتے دیکھ لیا۔ آپؐ نے وہیں سے انہیں ڈانٹا اور قریب آکر نہایت غصّہ سے فرمایا " خدا اس سے زیادہ تم پر اقتدار رکھتا ہے۔ جتنا تم اس غلام پر رکھتے ہو "

آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہُ سوار ہے اور اس کا غلام پیچھے پیچھے دوڑتا جا رہا ہے، آپ نے فرمایا " خدا کے بندے! اسے بھی اپنے ساتھ بٹھا لے، یہ تیرا بھائی ہے، تیری طرح اس میں بھی جان ہے "

ایک دفعہ ابن سویدؓ نے حضرت ابوذر غفاریؓ اور
ان کے غلام کو ایک ہی قسم کا لباس پہنے دیکھا تو حیرت سے
دریافت کیا۔ حضرت ابوذر نے جواب دیا، آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم نے فرمایا ہے، تمہارے غلام، تمہارے
بھائیوں کی حیثیت رکھتے ہیں، تمہیں چاہیئے کہ جو تم کھاؤ
وہی انہیں کھلاؤ، جو تم خود پہنو وہی اُنہیں پہناؤ....

اسیرانِ جنگ کی خبر گیری مہمانوں کی طرح کی جاتی

جنگ بدر میں جو قیدی مدینہ منورہ میں چند روز

تک مسلمانوں کے پاس اسیر رہے۔ ان میں سے ایک

کا بیان ہے۔ خدا مسلمانوں پر رحم کرے۔ وہ اپنے

اہل و عیال سے اچھا ہم کو کھلاتے تھے اور اپنے

کنبے سے پہلے ہمارے آرام کی فکر کیا کرتے تھے۔ "

من قتل معاهداً
لم یرح رائحة الجنة
وان ریحها یوجد من
مسیرة اربعین
عاماً له

اگر کوئی مسلمان کسی غیر مسلم معاہد رعایا
شخص کو قتل کرے گا تو وہ بہشت کی
خوشبو بھی نہ سونگھنے پائے گا ۔ حالانکہ
بہشت کی خوشبو چالیس سال کی
مسافت سے آنے لگتی ہے ۔

لا فضلٌ لعربیٍ علیٰ
عجمی ولا لعجمی علے
عربیٍ ولا بیضٌ علےاسودٌ
ولا لاسودٍ علےا بیضٌ
الاّ بالتّقویٰ لـہ

عرب کے کسی باشندہ کو عجم کے کسی باشندہ
پر اور عجم کے کسی شخص کو عرب کے کسی
شخص پر۔ گورے رنگ والے کو کالے
آدمی پر اور کالے کو گورے پر کوئی فضیلت
نہیں ہے۔ فضیلت کا ذریعہ تو صرف
"خدا ترسی ہے"

لا ینہٰکم اللہ عن الذین
لم یقاتلوکم فی الدین
ولم یخرجوکم من دیار
کم ان تبرّوھم و
تقسطوا الیھم ان اللہ
یحبّ المقسطین ۰
الممتحنہ (۶۰) آیت ۸

خدا تمہیں ان لوگوں کے سامنے مہربانی
کرنے سے منع نہیں کرتا جنہوں نے تم
پر مذہب کی وجہ سے چڑھائی نہیں
کی ہے، یا جنہوں نے تمہیں گھروں
سے نکال باہر نہیں کیا ہے۔ بیشک
خدا ان سے محبت کرتا ہے جو عدل و
انصاف کا برتاؤ کرتے ہیں ۔

(۱)	لَا اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ قَدْ تَبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ (سورہ بقرہ رکوع ۳۴)	دین کے بارے میں کسی پر جبر نہیں کیونکہ ہدایت اور گمراہی اچھی طرح ظاہر ہو چکی ہے ۔
(۲)	وَلَوْ شَاءَ رَبُّكَ لَآمَنَ مَنْ فِي الْأَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِيْعًا اَفَاَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتّٰى يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ (سورہ یونس)	اگر تیرا پروردگار چاہتا تو زمین پر سب کے سب باشندے ایمان لے آتے۔ کیا تو ان لوگوں کو مجبور کرنا چاہتا ہے کہ سب ایمان لے آئیں ۔
(۳)	اِنَّكَ لَا تَهْدِيْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَاءُ (سورہ قصص رکوع ۶)	تم اسے ہدایت نہیں دے سکتے جس سے محبت کرتے ہو مگر اللہ جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے ۔
(۴)	فَذَكِّرْ اِنَّمَا اَنْتَ مُذَكِّرٌ لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ ۵ (سورہ غاشیہ پ ۳۰)	نصیحت کرتا رہ ۔ کیونکہ تو نصیحت کرنے والا ہی ہے ان پر داروغہ نہیں ہے ۔

آنحضرتؐ وعظ اور تبلیغ کے لیے طائف تشریف لے گئے ۔ وہاں کے باشندوں نے آپؐ پر کیچڑ پھینکی ۔ آوازے کسے اتنے پتھر مارے کہ آپؐ لہو سے تر بہ تر اور بے ہوش ہو گئے ۔ پھر بھی فرمایا کہ میں ان لوگوں کی ہلاکت نہیں چاہتا کیونکہ اگر یہ ایمان نہیں لاتے تو امید ہے کہ اُن کی اولاد مسلمان ہو جائے گی[1] ۔

حضرت محمدؐ کی وفات کے بعد ایک صدی کے اندر ہی آپ کے پیرو ایک ایسی وسیع و عریض سلطنت کے مالک بن گئے تھے جو رومیوں کو ان کے انتہائی عروج کے وقت بھی نصیب نہیں ہوئی تھی ، اس سلطنت کے دامن اگر ایک طرف خلیج بسکے (BISCAY) سے دریائے سندھ اور چین کی سرحدوں تک پھیل گئے تھے ، تو دوسری طرف بحیرۂ خوارزم اور دریائے نیل کے شمالی آبشاروں کو انہوں نے اپنے اندر سمیٹ لیا تھا ، ——— ! "

داعیِ اسلام کا سلوک غیر مسلموں سے

"اسلام اور رواداری" کے پہلے حصہ میں ہم بسط و تفصیل کے ساتھ بتا چکے ہیں کہ غیر مسلموں، ـــــ کافروں، مشرکوں، منافقوں، ـــــــــــــــ حتیٰ کہ دشمنوں اور معاندوں تک کے ساتھ اسلام کا برتاؤ ـ کتنا فراخ دلانہ، اور روادارانہ رہا ہے، اس سلسلہ میں، قرآن کریم کے آیات، حدیث نبوی کے روایات اور فقہائے امت کے اجتہادات سے استدلال کرکے ہم اپنا مدعا ثابت کرچکے ہیں، زیر نظر کتاب اسلام اور رواداری کا حصہ دوم ہے، اس میں، ہم یہ بتانا چاہتے ہیں کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد جو لوگ، مسند نبوی پر جلوہ آرا ہوئے، انہوں نے اپنے رسول؟ اور اپنی دینی کتاب کے احکام و ہدایات کی کہاں تک پیروی کی ؟ خلافت راشدہ کے بعد اگرچہ، "خلافت کا نام قائم رہا، لیکن درحقیقت، اسم اور مسمّٰی میں کوئی مناسبت نہیں تھی، اب سچّی خلافت کا دور ختم ہو چکا تھا اور ملوکیت قیصریت، اور بادشاہت کی فرماں روائی تھی، اب نہ وہ تقشف تھا، نہ اخلاص، جو اسلام کے صدر اوّل کا طغرائے امتیاز تھا، اب بادشاہت تھی، ملوکیت تھی، اب قرآن کی حکومت نہیں نفس کی فرماں روائی تھی، ـــ الا ما شاء اللہ !

لیکن، بایں ہمہ، اس دورِ ملوکیت میں، خالص اسلامی نقطۂ نظر سے خواہ کتنی ہی اور کیسی ہی کوتاہیاں، اور لغزشیں عالم وجود میں آئی ہوں، لیکن غیر مسلموں کا جہاں تک تعلق ہے، ان کے ساتھ، ان سفاک اور خون آشام مسلمان فرماں رواؤں نے بھی کوئی زیادتی نہیں کی، جن کی تلواروں سے ہمیشہ ان کی قوم (مسلمان) کا خون ٹپکتا رہا۔ یہ تاریخ کا بہت عجیب واقعہ ہے، لیکن واقعات بہر حال جھٹلائے نہیں جا سکتے اور اگر ایسا کیا جائے، تو بھی ان کی حقیقت پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

لیکن قبل اس کے کہ ہم اپنے اصل موضوع پر گفتگو کریں، اور خلافت راشدہ، پھر بعد کے دور ملوکیت پر ایک نظر ڈالیں کہ اس عہد میں غیر مسلموں کے ساتھ مسلم حکومت کا کیا برتاؤ رہا؛ ضروری ہے کہ ایک مرتبہ، مختصر طور پر، پھر عہد نبوی پر ایک نظر ڈال لی جائے، اس سلسلہ میں، میں نے اس کا پورا لحاظ رکھا ہے کہ مسائل اور واقعات کے بیان میں، تکرار اور اعادہ سے گریز کروں، اس باب میں جو معلومات پیش کئے گئے ہیں، ان کا بڑا حصہ، بالکل جدید ہے، یعنی، اسلام اور رواداری کے حصہ اول میں یہ معلومات پیش نہیں کئے گئے تھے، حقیقت یہ ہے کہ اس موضوع جمیل پر، سیرت نبوی میں اتنے واقعات ہیں کہ ضخیم ترین کتاب میں بھی، ان سب کا استقصا ممکن نہیں لہذا، تکرار اور اعادہ کا (بجز مخصوص صورت کے) سوال ہی نہیں پیدا ہوتا، بہر حال عہد نبوی کے چند خاص واقعات ذیل میں پیش کیے جاتے ہیں ان کے مطالعہ کے بعد زیادہ صحت کے ساتھ، عہد خلافت راشدہ اور عہد ملوکیت کے واقعات کا اندازہ ہو سکے گا۔

(۱)

ذمی کا مسلمان قاتل

کُتِبَ عَلَیْکُمُ الْقِصَاص کی تفسیر میں، ابوبکر جصاص نے یہ ثابت کیا ہے کہ، اگر

کوئی مسلمان، کسی ذمی (کافر) کو قتل کردے گا، تو، وہ بھی قتل کیا جائے گا، اس معاملہ میں مسلمان کو، ذمی پر کس قسم کا تفوق اور ترجیح نہیں حاصل ہے۔ قرآن سے، اپنا مقصود ثابت کرنے کے بعد موصوف نے سنت نبوی پر توجہ کی ہے، اور اس سلسلہ میں بھی بہت سے دلائل، اپنی تائید میں پیش کئے ہیں، فرماتے ہیں:

ومن جهة السنة ما روى عن ابى هريرة ان رسول الله صلى الله عليه وسلم خطب يوم فتح مكة فقال الا ومن قتل قتيلا فوليه بخير النظرين بين ان يقتص او ياخذ الدية وان مسعود وعائشة رض عن النبى صلى الله عليه وسلم لا يحل دم امرى مسلم الا باحدى ثلاث زنا بعد احصان، وكفر بعد ايمان وقتل نفس بغير نفس وحديث ابن عباس ان النبى صلى الله

ابوہریرہ کی روایت کے مطابق اور سنت سے یہ ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے موقع پر خطبہ دیتے ہوئے فرمایا، خبردار، جس کسی نے (بے گناہ) کو قتل کیا، تو اب اس کے لیے دو ہی راستے ہیں، قصاص، یا دیت! عثمان اور مسعود، اور عائشہ رض کی رسول اللہ سے روایت ہے کہ کسی مسلمان کا خون حلال نہیں ہے بجز اسکے کہ تین میں سے کسی ایک جرم کا مرتکب ہوا ہو، شادی کے بعد زنا، ایمان کے بعد کفر، اور کسی غیر خونی کا قتل، اور ابن عباس کی حدیث سے ثابت ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا کہ قتل عمد مستوجب

عربی	اردو
عليه وسلم السلام	قصاص ہے۔ ان تمام احادیث
قال العلم قود وهذه	سے ثابت ہوتا ہے کہ مسلمان ذمی
الاجماع يقتضي هما	کے بدلے میں قتل کیا جا سکتا ہے اور
قتل المسلم بالذمي	عبدالرحمان بن سلمانی کی روایت ہے
روى عبد الرحمن	کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ذمی کے
بن السلماني ان النبي ع السلام	بدلے میں مسلمان سے قصاص لیا۔ اور
اقاد مسلما بذمي وقال	فرمایا اس ذمہ کو وفا کرنے کا سب
انا احق من وفى بذمته	سے زیادہ حقدار میں ہوں۔

(٢)

مشرک کی مالی امداد

مشرک کو صدقہ کی رقوم بطور امداد کے دی جا سکتی ہے یا نہیں؟ قرآن کی رو سے ہم گزشتہ صفحات میں ثابت کر چکے ہیں کہ دی جا سکتی ہے، حدیث بھی اس کی تائید کرتی ہے، آیات قرآنی سے اس معاملہ میں استشہاد کرنے کے بعد علامہ ابوبکر جصاص اپنی کتاب میں فرماتے ہیں:

عربی	اردو
روى هشام بن	اسماء روایت کرتی ہیں کہ میری
عروة عن ابيه عن	والدہ، عہد قریش میں میرے
امه اسماء قالت اتتني	پاس ضرورت مند بن کر آئیں،
امي في عهد قريش	چونکہ وہ مشرکہ تھیں میں نے رسول
راغبة وهي مشركة	اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا آیا

---

(١) احکام القرآن ۔ مطبوعہ ، ج ٢ ص ١٦٤

فقالت النبی صلی اللہ علیہ وسلم اصلها، قال نعم(۱)

ان کی معافی جا سکتی ہے؟ آپ نے فرمایا "ہاں!"

(۳)

انسانی خون کی عظمت

جنگ و پیکار کے وقت کمزور دل کے لوگوں میں، اپنی زندگی کا جذبہ ابھرتا ہے اور وہ محض جان بچانے کے لیے حریف غالب کا مسلک اور مذہب قبول کر لینے پر آمادہ ہو جاتے ہیں، عام طور پر ایسے لوگوں کی بات نہیں سنی جا سکتی اور انہیں بے تامل قتل کر دیا ہے۔ ۱۹۴۶ء میں جو ہندو مسلم فساد کلکتہ میں ہوا تھا، اس کا یہ تاریخی واقعہ وقت کے تمام اخبارات میں شائع ہو چکا ہے کہ مسلم مچھیروں کے محلہ پر جب حملہ ہوا تو وہ بیچارے جان بچانے کے لیے، ہندو بننے کو تیار ہو گئے، لیکن ان کی ایک نہ سنی گئی اور قتل و نہب کا بازار گرم ہو گیا پھر ۱۹۴۷ء میں، تقسیم ہند کے بعد جب پنجاب میں خون کا ایک چھٹا دریا بہا، تو اس طرح کے متعدد واقعات پیش آئے کہ لوگوں نے دوسرے مذہب کا کلمہ پڑھ کر جان بچانی چاہی، لیکن سنی کی ان سنی کر دی گئی، تلوار چلتی رہی۔ نیزے اپنا کام کرتے رہے، بلم گنڈاسے اور چاقو سینہ میں پیوست ہوتے ہوئے گردنیں کاٹتے رہے، جسم و جان کا رشتہ منقطع کرتے رہے، ——!

اسلام کی نظر میں، چونکہ انسانی خون نہایت قیمتی ہے۔ وہ قتل سے بچانے پر بھی تلوار میان میں کر لینے کا حکم دیتا ہے، جنگ کے میدان میں، عین لڑائی کے وقت اور کئی مسلمانوں کو قتل کرنے کے بعد تلوار اپنے سر پر دیکھ کر، اگر کوئی دشمن

---

(۱) احکام القرآن، مطبوعہ مصر، ج ۱ ص ۵۴۳

اسلام کا کلمہ پڑھ لیا ہے، اور صاف محسوس ہوتا ہے کہ یہ حرکت صرف جان بچانے
کے لیے کی جا رہی ہے، تب بھی اس نے زندہ رہنے کا حق حاصل کر لیا، اب اس کی
جان نہیں لی جا سکتی، اب اس کا خون حرام ہے، اس کی زندگی، آبرو، مال، ہر چیز
اسی طرح محفوظ ہے جس طرح ایک مسلمان کی،

علامہ جصاص نے، اپنی کتاب میں بطور نظیر، چند احادیث صحیح آیۂ کریمہ ؎
يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا ضَرَبْتُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَتَبَيَّنُوا وَلَا تَقُولُوا
لِمَنْ أَلْقَىٰ إِلَيْكُمُ السَّلَامَ لَسْتَ مُؤْمِنًا (اے مسلمانو جب تم اللہ کے راستہ میں جہاد
کے لیے چلو، تو تحقیقات کرو، اور کسی ایسے شخص سے جو تمہیں (اسلامی) سلام کرے، یہ
(دیکھ کر تو مسلمان نہیں ہے!)
کی تفسیر کرتے ہوئے، ذکر کی ہیں، جنہیں ہم یہاں پیش کرتے ہیں:

روي ان سبب نزول	روایت ہے کہ اس آیۂ کریمہ کا سبب
هذه الآية ان سرية	نزول یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم
للنبي صلى الله عليه و	کا ایک سریہ ایک شخص سے ملاقی
سلم لقيت رجلا ومعه	ہوا جس کے پاس کافی مال تھا، اس
غنيمات له فقال	نے سریہ کے لوگوں کو دیکھ کر کہا، -
السلام عليكم لا اله	اسلام علیکم خدا کے سوا کوئی معبود
الا الله محمد رسول الله	نہیں، محمد خدا کے رسول ہیں، سریہ
فقتله رجل من	کے لوگوں میں سے ایک شخص نے
القوم فلما رجعوا	اس کو قتل کر دیا جب یہ لوگ واپس
النبي ﷺ بذلك	آئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
فقال لم قتلته	کو یہ واقعہ بھی بتایا، آپ نے فرمایا

وقد أسلم؟ فقال إنما
قالها متعوذا من القتل
فقال هلا شققت عن
قلبه وحمل رسول الله
صلى الله عليه وسلم ديته
إلى أهله ورد عليهم غنيمته
قال ابن عمر وعبد
الله بن أبي حدرد
القاتل محلم بن
جثامة قتل عامر
بن الأضبط الأشجعي
وروى أن القاتل
مات بعد أيام فلما
دفن لفظته الأرض
ثلاث مرات فقال
النبي صلى الله عليه و
سلم إن الأرض لتقبل
من هو شر منه ولكن
الله أراد أن يريكم
عظم الدم عندكم ثم
أمر أن يلقى عليه الحجارة

جب وہ مسلمان ہو گیا تھا، تو تم نے
اسے کیوں قتل کیا؟ جواب دیا گیا
اس شخص نے صرف، قتل سے بچنے
کے لیے کلمہ پڑھا تھا، آپؐ نے فرمایا
کیا تم نے اس کا دل چیر کر دیکھا تھا؟
پھر آپؐ نے مقتول (غیر مسلم) کی
دیت اس کے ورثا کو بھجوا دی،
اور اس کا مال بھی بھجوا دیا،
ابن عمر اور عبداللہ بن ابی حدرد
کہتے ہیں کہ قاتل محلم بن جثامہ تھے
اور مقتول عامر بن اشجعی
روایت ہے کہ کچھ عرصہ کے بعد
جب قاتل کا انتقال ہو گیا، اور
اسے دفن کیا گیا، تو زمین نے لاش
پھینک دی، تین مرتبہ ایسا ہی ہوا
اس پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا
زمین اس سے بدتر آدمی کو بھی قبول کر
لیتی ہے لیکن اللہ کو یہ منظور تھا کہ
تم لوگوں کو انسانی خون کی گراں مائگی
کا احساس دلائے، پھر آپؐ نے
حکم دیا کہ قاتل کی لاش پر پتھر ڈال

وھذہ القصة مشهورة لمحلم بن جثامة	جسے جائیں، یہ قصہ محلم بن جثامہ کا بہت مشہور ہے،
وقد ذکرنا حدیث اسامة بن زید انه فی رجلا قال لا إله الا الله فقال النبی صلی الله علیه وسلم قتلته بعد ما قال لا اله فقال انها قالها تعوذا فقال هلا شققت عن قلبه من لک بلا اله الا الله ؟	ایک موقعہ پر ہم اسامہ بن زید کی حدیث کا ذکر کر چکے ہیں کہ انہوں نے ایک ایسے شخص کو قتل کر دیا تھا جس نے کلمہ پڑھ لیا تھا، آنحضرت نے دریافت فرمایا، تم نے اس شخص کو قتل کر دیا، جس نے کلمہ پڑھ لیا تھا؟ جواب دیا گیا، یہ تو اس نے محض اپنی جان بچانے کے لیے کیا تھا، آپؐ نے فرمایا، "کیا تم نے اس کا دل چیر کر دیکھا تھا؟"
وذکرنا ایضا حدیث عقبه بن مالک اللیثی فی هذہ المعنی وان الرجل قال انی مسلم فقتله فانکرہ النبی وقال الله ابی علی ان اقتل مؤمنا (۱)	اسی طرح کی ایک حدیث عقبہ بن مالک لیثی کی ہے کہ ایک آدمی نے کہا، "میں مسلمان ہوں" ! " آنحضرت کو یہ بات ناگوار گذری، آپؐ نے فرمایا، خدا نے مجھے اسکی اجازت نہیں دی ہے کہ میں مسلمان کو قتل کروں،

(۱) احکام القرآن مطبوعہ مصر، ج ۲ ص ۱۳۷

ان احادیث سے یہ بات اچھی طرح ثابت ہوگئی کہ انسان کا خون اسلام کے
داعی کی نظر میں کتنا گراں مایہ تھا، ان الفاظ پر غور فرمائیے کہ جب مسلمان قاتل مرا
اور اس کی لاش زمین نے واپس پھینک دی تو آپ نے فرمایا،

"زمین اس سے زیادہ برے آدمی کو قبول کر لیتی ہے، لیکن اللہ تعالیٰ تمہیں
یہ دکھانا چاہتا تھا کہ اس کی نظر میں انسان کے خون کی عظمت کیا ہے"؛

یہ رواداری کی اتنی بڑی اور شاندار مثال ہے، جو تا قیام قیامت، دنیا کے
لیے لائق تقلید بنی رہے گی،!

ایک اور ثبوت

اب ذیل میں ایک اور حدیث نبوی پیش کرتے ہیں، جو انسانی خون کی عظمت
کا ایک اور بڑا ثبوت ہے،

حدثنا محمد بن بكر قال	محمد بن بکر ابو داؤد سے، وہ قتیبہ بن
حدثنا ابو داؤد قال حدثنا	سعید سے، وہ لیث سے، وہ ابن شہاب
قتيبة بن سعيد قال	سے، وہ عطاء بن یزید لیثی سے، وہ
حدثنا الليث عن ابن شهاب	عبید اللہ بن عدی بن خیار سے، وہ
عن عطاء بن يزيد الليثي	مقداد بن اسود سے روایت کرتے ہیں کہ
عن عبيد الله بن عدي	انہوں نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا، یا
بن الخيار عن المقداد	رسول اللہ اگر میری کسی ایسے کافر سے
بن الاسود انه اخبره انه	مڈبھیڑ ہو، جو مجھ سے مقاتلہ کرنے اور
قال يا رسول الله ارأيت	لڑتے ہوئے میرا ایک ہاتھ اپنی تلوار سے
ان لقيت رجلا من الكفار	کاٹ دے پھر وہ ایک درخت کے پیچھے میرے
فقاتلني فضرب	قابو میں آجائے اور کلمہ پڑھ لے، تو کیا

احدی یدی بالسیف
ثم لاذ منی بشجرۃ فقال
اسلمت للہ افاقتلہ یا
رسول اللہ بعد ان قالہا قال
رسول اللہ ﷺ لا تقتلہ فقلت
یا رسول اللہ انہ قطع یدی
قال لا تقتلہ فان قتلتہ فانہ
بمنزلتک قبل ان تقتلہ وانک
بمنزلتہ قبل ان یقول کلمتہ
التی قال (۱)

یا رسول اللہؐ یہ کلمہ سننے کے بعد میں اسے
قتل کر دوں؟
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا
تم اسے قتل مت کرو، میں نے عرض کیا
یا رسول اللہؐ اس نے میرا ہاتھ کاٹ ڈالا
آپؐ نے فرمایا، مت قتل کرو، اگر تم نے
اسے قتل کر دیا، تو وہ ایسا بن جائے گا
جیسے تم اس کے قتل کرنے سے پہلے تھے،
اور تم ویسے بن جاؤ گے جیسا وہ کلمہ پڑھنے
سے پہلے تھا،

کیا اس واضح تر وضاحت کے بعد بھی کسی وضاحت، کسی تشریح، کسی سوال کی ضرورت رہ جاتی ہے؟

یہ علم اور تحقیق کا دور ہے، دنیا کا ہر مذہب ہمارے سامنے موجود ہے، اس کی تعلیمات و ہدایات موجود ہیں، اس کی تشریحی اور تفسیری کتابیں موجود ہیں، کیا کسی مذہب کی کتابوں سے بھی یہ رواداری، یہ وسعت قلب یہ حسن و سلوک، اور غیر مذہب لوگوں کے ساتھ اس کی لطف اور مہربانی کی کوئی مثال دستیاب ہو سکتی ہے؟

تنگ خیالوں کی وسعت قلب

ایک بات عام طور پر یہ بھی کہی جاتی ہے کہ اسلام تو واقعی بڑا روادار ہے لیکن علمائے اسلام نے اسے تنگ اور غیر مسلموں کے لیے باعث تکلیف بنا دیا ہے

---

(۱) احکام القرآن مطبوعہ مصر ج ۲ ص ۳۰۱ ۔

یہ دعویٰ اپنے ساتھ کوئی دلیل نہیں رکھتا، اسلام کی تاریخ صرف ملوک و سلاطین کی تاریخ نہیں ہے، علمائے حق اور اصحاب دعوت و عزیمت کی بھی سبق آموز اور لرزہ خیز تاریخ ہے، اور اس تاریخ کے مختلف پہلو حسب موقع پیش کریں گے، لیکن اس موقع پر ایک تنقید کا ذکر کیے بغیر نہیں رہ سکتے۔

کتب علیکم القصاص فی القتلی کی تفسیر میں، یہ بیان کرنے کے بعد کہ ذمی دکافر) کے بدلہ میں مسلمان قتل کر دیا جائے گا، ابوبکر جصاص نے فقہا کو بھی اپنی تائید میں پیش کیا ہے، چنانچہ فرماتے ہیں۔

قال ابو حنیفہ وابو یوسف	ابو حنیفہ، ابو یوسف وزفر وبن ابی لیلیٰ
وزفر وابن ابی لیلیٰ وعثمان	اور عثمان کا قول ہے کہ مسلمان ذمی کے بدلہ
البتی یقتل المسلم بالذمی	میں قتل کر دیا جائے گا۔
ــــــ وقال مالک	مالک، اور لیث بن سعد کہتے ہیں اگر
واللیث بن سعد ان قتلہ غیلۃ	ذمی کو کسی مسلمان نے دھوکے سے قتل کیا
قتل بہ والا لم یقتل (۱)	ہے تو وہ قتل کیا جائے گا۔ ورنہ نہیں۔

لفظ "غیلہ" (فریب اور دھوکا) پر بحث وگفتگو کرنے کے بعد، علامہ ابوبکر جصاص اپنی مشہور اور یگانۂ روزگار تفسیر میں اس خیال پر، بڑی سخت نکتہ چینی کرتے ہوئے، تند اور سخت لہجہ میں فرماتے ہیں:

واما قول مالک واللیث	لیکن مالک، اور لیث کے قول کی بنیاد
فی قتل الغیلۃ فانھما	یہ ہے کہ وہ ذمی کے بدلہ میں مسلمان کا قتل
یریان ذلک حداً لا قوداً	بہ صورت حد جائز سمجھتے ہیں، نہ خون بہا کے

(۱) احکام القرآن، مطبوعہ مصر، ج ۱، ص ۱۶۲

والآيات التي فيها ذكر القتل	کے طور پر حالانکہ جن آیات میں قتل کا ذکر
لم تفرق بين قتل الغيلة	ہے ان میں اس طرح کی کوئی تفریق
وغيرها وكذلك السنن التي	نہیں ہے، اس طرح احادیث میں
ذكرنا وعمومها يوجب	عمومی ذکر ہے، جس سے قتل مسلم، ذمی
القتل على وجه القصاص	کے بدلہ میں علی وجہ القصاص ثابت ہے
لا على وجه الحد (۱)	نہ کہ علی وجہ الحد۔ ۱

"الحد"!

"قصاص" اور "حد" کا فرق یوں سمجھئے کہ "حد" تو ایک قسم کی تعزیر ہے، جو کسی قانون شکنی پر ملتی ہے، یا امن و امان میں خلل اندازی کے باعث دی جاتی ہے اور قصاص ہے — خون کا بدلہ خون"!"

مرتد کی وراثت!

مرتد کا مسئلہ فقہ اسلامی کا بڑا اہتم بالشان اور معرکہ آرا مسئلہ ہے، اس مسئلہ پر ہم گفتگو کر چکے ہیں جہاں اسلام میں، مرتد اور غدار کے قتل پر دلائل پیش کئے ہیں، لیکن ان تمام مباحث سے قطع نظر یہ تو طے شدہ ہے کہ مرتد اور غدار کے بعد، مسلمان نہیں رہتا، وہ نہ صرف اسلام سے مرتد ہو چکا ہوتا ہے بلکہ اسلامی سماج کا باغی بھی بن چکا ہوتا ہے۔ آیئے دیکھیں، مرتد کے ورثہ کے بارے میں فقہ اسلامی کیا کہتی ہے؟ ایک عام مسلک تو اس سلسلہ میں وہی ہے، کہ مرتد کے ورثہ میں مسلمان، اور مسلمان کے ورثہ میں مرتد نہیں شریک ہو سکتا، دوسرا مسلک یہ ہے کہ، حالت اسلام میں اس نے جو جائداد پیدا کی تھی اس کا وارث مسلمان ہو سکتا ہے، لیکن فقہائے اسلام کا ایک سربر آوردہ اور باوقار طبقہ یہ بھی کہتا ہے کہ:

(۱) احکام القرآن، مطبوعہ مصر۔ ج ۱، ص ۱۶۱

قال ربیعة بن عبد العزیز وابن لیلی ومالك والشافعی میراثه لبیت المال وقال قتادہ وسعید بن عروبه ان کان له ورثة علی دینه الذی ارتد الیه فمیراثه لهم دون ورثته من المسلمین (۱)	ربیعہ بن عبدالعزیز اور ابن ابی لیلیٰ اور مالک اور شافعی کا قول ہے کہ مرتد کی میراث بیت المال میں داخل کر دی جائے گی، قتادہ اور سلام بن ابی عروبہ کہتے ہیں اگر اس کے ورثا اس دین کے پیرو ہوں جو اس نے ارتداد کے بعد اختیار کر لیا ہے، تو اس کی وراثت ان غیر مسلم ورثا کو دے دی جائے گی، اور جو مسلمان اس مرتد کے وارث ہونگے انہیں وراثت نہیں ملے گی۔

کیا رواداری کی یہ مثال ہر اعتبار سے یکتا اور منفرد نہیں ہے ؟

مرتد کی توبہ

فقہ اسلامی، کافر مشرک کے ساتھ جتنی زیادہ سے زیادہ مراعات کرتی ہے مرتد کے ساتھ اس کا رویّہ اتنا ہی سخت ہے، اور جو لوگ اسلام میں ارتداد کے وہی معنی لیتے ہیں جو ایک فوجی سپاہی کی بغاوت کے ہوتے ہیں، وہ اس تشدد میں حق بجانب بھی ہیں لیکن با ایں ہمہ، فقہ کے اندر بھی، مرتد کے سلسلہ میں ایسی جھلک نظر آتی ہے، جو اس حقیقت کی مظہر ہے کہ، اس کو زیادہ سے زیادہ موقع دینا چاہیئے۔ اگرچہ اسلام و ارتداد کو وہ بار بار کیوں نہ اختیار کرے ،

قال الحسن بن صالح	حسن بن صالح کا قول ہے کہ مرتد کو توبہ

(۱) احکام القرآن، مطبوعہ مصر ج ۲ ص ۲۸۲

یستتاب المرتد وات کا موقع دیا چاہیے، اگرچہ یہ موقع سو
تاب مائۃ مرۃ (۱) مرتبہ کیوں نہ پیش آئے۔

اس سے ضمنی طور پر یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ، اگر نفس ارتداد موجب قتل ہوتا تو پھر بار بار، ، توبہ ، کا موقع کیونکر دیا جا سکتا تھا ؟ اور وہ بھی اس کثرت اور مبالغہ کے ساتھ کہ خواہ اس کی تعداد سو تک کیوں نہ پہنچ جائے ؟ پر امن اور غیر فساد انگیز، ارتداد کی سزا بھی اگر قتل ہوتی تو پھر ایک سے زائد بار توبہ کا سوال ہی پیدا نہیں ہو سکتا تھا، جہاں پہلی مرتبہ کی توبہ ٹوٹی، حکم قصاص جاری ہوا، لیکن ظاہر ہے کہ ایسا نہیں ہے، اسلام نے جن مرتدوں کے لیے قتل کی سزا تجویز کی ہے وہ درحقیقت مفسدین کے لیے کی ہے، جیسا کہ آگے چل کر ہم اس مسئلہ پہ گفتگو کر کے اہم ترین واقعات دلیل میں پیش کریں گے، اسلام کی یہی وہ رواداری تھی جس نے دنیا کو جہالت کی تاریکی سے علم کی روشنی میں لا کھڑا کیا۔ اور ایک غیر مسلم مورخ بے ساختہ پکار اٹھا، !

> اس زمانہ میں جب کہ عرب علما ارسطو کا مطالعہ کر رہا ہے، یورپ میں شارلمین اور اس کے امرا اپنے نام کے ہجے لیکھ رہے تھے ایک اسلامی شہر قرطبہ ہی میں سترہ بڑے کتب خانے تھے، ان میں سے ایک کتب خانے میں چار لاکھ سے زیادہ کتابیں تھیں ایسے زمانہ میں جبکہ آکسفورڈ یونیورسٹی کے عالم غسل کرنے کو بے دینوں کی رسم جانتے تھے، اس قرطبہ کے مسلمان سائنسدان پر تکلف اور نزہت بیز حماموں سے لطف اندوز ہوتے تھے،

---

(۱) احکام القرآن، مطبوعہ مصر، ج ۲ ص ۲۸۶

یہود سے معاہدہ

اسلام اپنے کیرکٹر کے اعتبار سے، عجیب و غریب دین ہے، وہ کبھی اور کسی حالت میں بھی انسان کا استخفاف نہیں کرتا، وہ ہر شخص سے بھلائی کی توقع رکھتا ہے، وہ قومیت اور مذہب کی بنیاد پر، کسی جماعت، کسی گروہ، یا کسی فرد کو ناقابل اعتبار نہیں سمجھتا، وہ اپنا دست تعاون ہر طرف بڑھاتا ہے وہ امن وسلامتی کا مذہب ہے، صلح سلام کی دعوت ہر گوشہ پہنچاتا ہے، وہ کسی معاملہ میں بھی جبر وجور کا قائل نہیں ہے، وہ ہر مسئلہ، امن و آشتی سے حل کرنا چاہتا ہے۔

ذرا تصور کیجئے مکہ میں اسلام کا جواب، انکار، طغیان، تمرّد، سرکشی اور بیہودگی سے دیا جاتا ہے حالات زیادہ سے زیادہ نازک اور ناقابل برداشت ہو جاتے ہیں، اسلام کے پرستاروں کے لیے اپنے وطن میں رہنا اور زندگی بسر کرنا دو بھر ہو جاتا ہے آخر وہ ترک وطن (ہجرت) کا فیصلہ کرتے ہیں، اور ایک نئے شہر (مدینہ) میں پہونچتے ہیں، یہاں مشرکین مکہ سے زیادہ سرگرم اور پرخروش دشمن، یہودی اور نصرانی موجود ہیں، یہ بد زبان ہیں، عہد شکن ہیں، تعلیمات اسلام کے بدترین مخالف ہیں، لیکن اسلام کا داعی ان کی طرف بھی صلح و سلام کا ہاتھ بڑھاتا ہے، ان کی انسانیت پر بھروسہ کرتا ہے، اور ان سے ایک معاہدہ کرلیتا ہے اس معاہدہ میں اختلاف عقائد کو اتنی اہمیت نہیں دی جاتی، جتنی امن و آشتی کے ساتھ مل جل کر رہنے، ایک دوسرے کی دستگیری کرنے، اور باہمی اعتماد کی فضا پیدا کرنے کی سعی کی جاتی ہے، پورا معاہدہ تو خاصا طویل ہے، اس کے چند اہم ترین حصے یہ ہیں :-

(۱) وان یہود بنی عوف امّۃ — کہ یہ سب لوگ ایک ہی قوم سمجھے جائیں گے

مع المؤمنين	بنی عوف کے یہودی مسلمانوں کے ساتھ ایک قوم ہیں ۔
(۲) وان بينهم النصر على من حارب هذه الصحيفة	اور اگر کوئی اس معاہدہ کرنے والی قوموں مسلمان اور یہودیوں کے ساتھ جنگ کریگا تو انکے خلاف سب کے سب مل کر کام کریں گے ۔
(۳) وان بينهم النصح والنصيحة والبر دون الاثم	معاہدہ اقوام کے باہمی تعلقات باہمی خیر خواہی خیر اندیشی اور فائدہ رسانی کے ہوں گے ۔ ضرر اور گناہ کے نہ ہوں گے ۔
(۴) وان اليهود ينفقون مع المؤمنين ما داموا محاربين	جنگ کے دنوں میں یہودی مسلمانوں کے ساتھ مصارف میں شامل رہیں گے ۔
(۵) وان بطانة يهود كانفسهم	یہودیوں کے دوستدار قوموں کے حقوق یہودیوں کے برابر سمجھے جائیں گے ۔
(۶) وانه لم يأثم امرؤ بحليفه	کوئی شخص اپنے معاہد کے ساتھ مخالفانہ کارروائی نہ کرے گا ۔
(۷) وان النصر للمظلوم	مظلوم کی مدد و نصرت کی جائے گی ۔
(۸) وانه ما كان بين اهل هذه الصحيفة من حدث او اشتجار يخاف فساده فان مرده الى الله عز وجل والى محمد رسول الله [1]	اس معاہدے کی قوموں کے اندر اگر کوئی نئی بات یا جھگڑا پیدا ہو جائے جس میں فساد کا خوف ہو تو اس کا فیصلہ خدا اور اس کے رسول محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق سمجھا جائے ۔

---

(۱) سیرت ابن ہشام جلد اول، ص ۱۷۸

معاہدہ کی ان دفعات سے واضح ہوتا ہے کہ اسلام، اپنے مخالفوں اور دشمنوں تک سے باہمی صلاح و فلاح کا معاہدہ کرنے کو تیار رہتا ہے، وہ کم سے کم چیزیں جن پر باہمی اتفاق ہو جائے معاہدہ کی اساس و بنیاد قرار دی جا سکتی ہیں بشرطیکہ اصول پر حرف نہ آتا ہو، مثلاً ہر حالت، مظلوم کی مدد کی جائے گی، خواہ وہ کسی مذہب سے تعلق رکھتا ہو، اور تعاون کا مدار، خیر سگالی اور خیر خواہی پر ہوگا، گناہ اور ضرر کے کاموں پر نہیں،،!

عیسائیوں سے معاہدہ

یہود سے باہمی خیر سگالی، اور خیر خواہی، اور تعاون کا جو معاہدہ طے پایا ہوا تھا۔ وہ اس وقت ہوا تھا، جب مسلمان کمزور تھے، ان میں مقابلہ کرنے کی طاقت نہیں تھی، وہ ناساعد حالات سے تنگ آکر ترک وطن، یعنی ہجرت پر مجبور ہو گئے تھے، لیکن نجران کے عیسائیوں سے آپ نے جو معاہدہ کیا، وہ اس وقت جب مسلمانوں کے ہاتھ میں اقتدار و اجتہاد تھا، زمام کار، اور عنان حکومت تھی، مخالف رو پوش ہو چکے تھے، دشمن پسپا ہو چکے تھے، کامیابی اور کامرانی کا دور شروع ہو چکا تھا، فتوحات کا سلسلہ جاری تھا، ایسے ہی مواقع پر ظلم کا دروازہ کھلتا ہے، طاقتور، کمزور کو صرف اپنا باج گزار اور ماتحت بنانے پر اکتفا نہیں کرتا بلکہ اسے ہر طرح سے کچل دیتا ہے، صرف اس کی آزادی ہی نہیں چھینتا، فکر و خیال اور عقیدہ کی آزادی بھی سلب کر لیتا ہے، دنیا کی تاریخ ایسے واقعات سے بھری پڑی ہے، لیکن اسلام کا داعی م آزادی فکر و خیال کا چارٹر، ان الفاظ میں عطا کرتا ہے: ——

بسم اللہ الرحمن الرحیم	"یہ تحریر محمد نبی صلعم کی جانب سے ہے۔
من محمد النبی الی الاسقف	اسقف ابوالحارث کے لیے نجران کے دیگر اسقفوں
الحارث واساقفۃ نجران	کاہنوں، راہبوں ان کے متبعین، غلاموں

وكهنتهم ورهبانهم
واهل بيعهم وبيعهم
وملتهم وسواطنهم و
على كل ما تحت ايديهم
من قليل او كثير جوار الله و
رسوله لا يغير اسقف من سقفيته
ولا راهب من رهبانية ولا كاهن
من كهانته ولا يغير حق من حقوقهم
ولا سلطانهم ولا مما كانوا عليه على ذلك
جوار الله ورسوله ابدا ما نصحوا واصلحوا عليهم غير مثقلين بظلم ولا ظالمين كتب المغيرة
بن شعبة،

اس مذہب والوں، پولیس والوں کے متعلق
اور ان کی کم یا زیادہ چیزوں کے متعلق جو
ان کے ہاتھ میں ہیں۔ سب کو خدا اور رسول
کی حفاظت حاصل ہوگی اور جاکے چھوٹے بڑے
عہدہ داروں میں سے کسی کو بدلا نہ جائے گا۔
کسی کے حق میں یا اختیارات میں مداخلت نہ
کی جائے گی۔ ان کی موجودہ حالت میں تغیر
نہ ہوگا۔ بشرطیکہ رعایا کے خیر خواہ اور خیر
اندیش رہیں نہ ظلم کا ساتھ دیں اور نہ خود ظلم کریں۔

اس آخری شرط پر غور کیجئے اور ظلم کا ساتھ نہ دیں، اور خود ظلم نہ کریں " کیا شرف انسانیت کے حفظ و بقا کے لیے، اس کے سوا کوئی اور شرط بھی ہو سکتی ہے؟

مزید تصریح

معاہد ملکوں سے زبردست اور باجبروت قوموں کی ایک شرط یہ بھی ہوتی ہے کہ جب حالات اور "مصالح کا تقاضہ ہوگا ہماری فوجیں تمہاری زمین سے گذریں گی، اور تم اُنہیں گذرنے کی اجازت دو گے، برطانیہ اور مصر کے درمیان جو معاہدہ ہوا تھا، اور جس کے ماتحت برطانیہ نے سویز کے علاقہ سے اپنی فوجیں منتقل کرکے قبرص روانہ کر دی تھیں، اس معاہدہ کی ایک اہم شرط یہ بھی تھی کہ اگر عالمی جنگ چھڑی، اور برطانیہ نے ضرورت محسوس کی تو پھر اس کی فوجیں دوبارہ سویز کے علاقہ میں بودو باش اختیار کر لیں گی، اور مصر نے "بادلِ ناخواستہ" اس پر دستخط بھی کر دیئے تھے، اور شرط کا کیا سوال ہے، طاقتور ممالک، بغیر شرط کے ہی یہ حق حاصل کر لیتے ہیں، آخر

ہنگری میں روس کی فوجیں کس طرح داخل ہوئیں؟ لیکن اسلام کا داعی، اپنے مفتوحوں اور زیردستوں سے اس طرح کی کوئی شرط نہیں کرتا، معاہدہ نجران کا ایک اہم ٹکڑا :-

ولنجران جوار الله و	نجران والوں کو خدا اور محمدؐ رسول اللہ
ذمة محمد النبی صلے	کی حفاظت حاصل ہوگی۔ جان اور مذہب
الله علیه وسلم علے	اور زمین اور جائداد کے متعلق ان سب
انفسهم وملتهم و	کو جو حاضر یا غائب ہیں۔ صاحب قبیلہ
ارضهم واموالهم	ہیں یا اتباع کرنے والے ہیں ۔ ان
وغائبهم وشاهدهم	کی حالت میں اور حقوق میں کوئی تغیر نہ
وعشیرتهم وتبعهم	کیا جائے گا اور جو کچھ کم یا زیادہ ان کے
وان لا یغیر ولما کانوا	قبضہ میں ہے اسے بدلا نہ جائے گا ۔
علیه ولا یغیر کلما	پچھلے زمانے کی شہادت یا قتل کے جھگڑے
تحت ایدیهم من قلیل	ان پر نہ چلائے جائیں گے وہ بیگار میں نہ
او کثیر ولیس علیهم ربیة	پکڑے جائیں گے۔ ان سے نہ کوئی محصول
ولا دم جاهلیة ولا یحشرون	لیا جائیگا، ان کے علاقہ سے فوج عبور نہ
ولا یعشرون ولا یطأ ارضهم الجیش الخ	کرے گی ۔

زمانۂ ماضی کے جرائم

اس معاہدہ میں آپ نے یہ بھی دیکھ لیا کہ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے، ان دشمن اسلام عیسائیوں کو اپنے ذمہ اور حفاظت میں لینے کے بعد، ان کے خطا کاروں کو یہ اطمینان بھی دے دیا تھا کہ،

"گذشتہ زمانہ کی شہادت یا قتل کے جھگڑے ان پر نہ چلائے جائیں گے ۔"

یعنی معاہدہ سے قبل کی غلطیوں اور خطا کاریوں پر وہ ماخوذ نہیں کیے جائیں
اور مستحق تعزیر و عقوبت نہیں قرار دیئے جائیں گے۔

یہ واقعہ ہے آج سے چودہ سو سال پہلے کا، جب دنیا انسانی حقوق اور ان کے
احترام و اعتراف سے کچھ زیادہ واقف نہ تھی، لیکن عہد جدید تو انسانی عظمت
کا عہد ہے، اس عہد کا، یعنی آج سے صرف ۹ سال پہلے کا یہ واقعہ کسے معلوم
نہیں کہ جب بھارت اور ہندوستان کی تقسیم عمل میں آئی، تو دونوں حکومتوں نے
معاہدہ کیا تھا، کہ تقسیم سے پہلے کی خطا کاریوں پر، حکومت ہند، مسلم لیگ کے ہندوستانی
کارکنوں کو، اور پاکستان کی حکومت کانگرس کے پاکستانی کارکنوں کو ماخوذ نہیں کرے
گی۔ لیکن کیا اس پر عمل ہوا؟ راقم الحروف تقسیم ہند کے بعد ہندوستان ہی کا ایک
شہری تھا، لیکن حکومت بمبئی کے محکمہ داخلہ کی طرف سے، اُن مقالات افتتاحیہ
کے خلاف مسلسل باز پرس، اور تہدید کا سلسلہ جاری رہا، جو اس نے تقسیم سے
پہلے پاکستان اور مسلم لیگ کی حمایت میں لکھے تھے، اور بالآخر اسے ترک وطن
کرکے پاکستان آجانا پڑا، یہ ایک ہی مثال نہیں ہے۔ اس طرح کے ان گنت واقعات
ہوئے، بلکہ اب تک ان کا سلسلہ جاری رہا، اور یہی وجہ ہے کہ اب تک ہندوستان
کے مسلمان، جوق در جوق، ترک وطن پر مجبور ہو رہے ہیں، ——

آج سے ۱۴ سو برس پہلے کی تہذیب، اور آج کی تہذیب میں کتنا بڑا
فرق ہے، یہ فرق درحقیقت کفر اور اسلام کا فرق ہے، کفر فراخ حوصلہ ہو ہی نہیں
سکتا، اور اسلام کی سرشت ہی فراخ حوصلگی اور رواداری ہے،

معاہدۂ نجران کے چند اہم نکتے

معاہدۂ نجران کے چند پہلوؤں پر ہم گفتگو کر چکے ہیں، لیکن بعض پہلو ابھی تک
زیر بحث نہیں آسکے، یہ معاہدہ اپنی اہمیت کے اعتبار سے اس کا مستحق ہے

کہ اس سلسلہ میں بحث و نظر کا کوئی گوشہ ترک نہ کیا جائے۔ چنانچہ ہم فتوح البلدان (بلاذری) سے اس معاہدہ کا متن لے کر ذیل میں درج کرتے ہیں مختلف مقامات پر ہم نے نمبر لگا دیئے ہیں، تاکہ ان کے حوالہ سے ہم زیر بحث نکات پر بحث کر سکیں :—

معاہدہ کا متن

مجھ سے حدیث بیان کی الحسین نے، اور انہوں نے کہا مجھ سے حدیث بیان کی یحیٰی بن آدم نے۔ کہ : ۔ میں نے ایک شخص سے اس تحریر کی نقل حاصل کی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل نجران کو عطا فرمائی تھی اور اس نے یہ نقل الحسن بن صالح سے حاصل کی تھی، اور وہ یہ ہے کہ :—

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ یہ وہ تحریر ہے جو اللہ کے رسول محمدؐ نے اہل نجران کے لیے لکھی۔ اگرچہ اسے ان کے پھلوں اور سونے چاندی اور لوہے (یعنی اسلحہ)، اور غلاموں میں سے حصہ لینے کی قدرت تھی۔ مگر اس نے ان کے ساتھ حوصلہ مندی برتی، اور سب کچھ چھوڑ کر ان پر ایک ایک اوقیہ کے دو ہزار حلے مقرر کیے : ایک ہزار رجب میں اور ایک ہزار صفر میں۔ ہر حلہ ایک اوقیہ کا ہو گا، اور جو اس سے کم زیادہ کا ہوگا وہ محسوب کر لیا جائے گا۔

اگر وہ حلوں کے عوض زرہیں یا گھوڑوں یا سواری کے اونٹوں کی قسم سے کچھ دیں گے (تو قیمت کے) حساب سے اس کو بھی قبول کر لیا جائے گا۔

نجران پر میرے فرستادوں کی مہمانداری مہینہ بھر کے لیے یا اس سے کم کے لیے لازم ہوگی لیکن اس سے زیادہ ٹھہرنے کے لیے وہ انہیں

نہ روکیں۔

اگر الیمن میں غدر ہوگا (یعنی اگر اہل الیمن کی بغاوت کی وجہ سے جنگ کرنی پڑے گی)، تو تمہیں تیس زرہیں اور تیس گھوڑے اور تیس اونٹ عاریتاً دینے ہوں گے ان میں سے جو جانور مریں گے، میرے فرستادے ان کے ضامن ہوں گے اور تمہیں ان کا بدل دیں گے۔

نجران اور اس کے حاشیہ کے باشندوں کی جانیں ان کی ملت، ان کی زمین، ان کی جائدادیں، ان کے حاضر و غائب، ان کے جانور ان کے قاصد، اور ان کی تصویریں اللہ کی امان اور محمدؐ النبی (صلعم) اللہ کے رسول کی ضمانت میں ہیں، نہ تمہاری موجودہ حالت میں تغیر کیا جائے گا نہ تمہارے حقوق میں دست اندازی کی جائے گی اور نہ تمہاری مورتیں مسخ کی جائیں گی۔ کوئی اسقف، اسقفیت سے اور کوئی راہب، رہبانیت سے اور کوئی واقہ وقاہیت سے نہیں ہٹایا جائے گا، خواہ جو کچھ اس کے تحت میں ہو وہ کم ہو یا زیادہ۔

تم سے جاہلیت کے کسی جرم یا خون کا مواخذہ نہیں کیا جائے گا، نہ فوجی خدمت پر بلایا جائے گا، نہ تم پر کوئی عشر لگایا جائے گا اور کوئی لشکر تمہاری زمین پامال کرے گا۔

اگر تم سے کوئی اپنا حق مانگے گا، تو دونوں کے درمیان انصاف کیا جائے گا اور نہ تمہیں ظلم کرنے دیا جائے گا۔

تم میں سے جس نے اس سے پہلے سود کھایا ہے، وہ میری ضمانت سے خارج ہے۔

تم میں سے کوئی، دوسرے کے گناہ میں نہیں پکڑا جائے گا۔
اس صحیفہ میں جو کچھ ہے اس کے لیے اللہ کی امان اور محمد النبی کا ذمہ
ہے، حتیٰ کہ اس بارے میں کوئی حکم الٰہی ہو،

گواہ شدہ:- ابوسفیان بن حرب، غیلان بن عمرو - مالک بن
عوف. یکے از بنی نصر- الاقرع بن حابس الحنظلی - المغیرہ - (۱)

قابل غور نکتے

متن کے مختلف مقامات پر ہم نے جو نکتے لگائے تھے، اب ہم سلسلہ وار ان
پر گفتگو کریں گے۔

(۱)

زیادہ سے زیادہ رعایت

معاہدہ میں یہ بات واضح کردی گئی ہے کہ، اگرچہ، نجران کے یہ عیسائی،
وقت کے مروجہ آئین و دستور کے مطابق اس کے مستحق تھے کہ ان کے پھلوں اور
کھیتوں پر قبضہ کرلیا جاتا، سونے اور چاندی کے ذخیرے ضبط کرلیے جاتے، ان
کے اسلحہ اور ساز و سامان جنگ میں سے کوئی چیز ان کے پاس نہ چھوڑی جاتی۔
ان کے مردوں کو غلام، اور عورتوں کو کنیز بنا لیا جاتا، اور یہ سب کچھ کرنے کی داعیٔ
اسلام کو قدرت بھی تھی، لیکن ایسا نہیں کیا گیا، ان کے ساتھ رواداری برتی گئی، حسن
سلوک کا مظاہرہ کیا گیا، ان کے پھلوں اور کھیتوں کو، ان کے سونے اور چاندی کو، ان
کے اسلحہ اور ساز و سامان جنگ کو ہاتھ بھی نہیں لگایا گیا، نہ ان کا کوئی مرد غلام بنایا
گیا، نہ کوئی عورت لونڈی بنائی گئی، جو کچھ ان کے پاس تھا، وہ انہی کا رہا، انہیں

---

(۱) فتوح البلدان اول، صفحہ ۱۰۵، ۲۳

اسلام کی حفاظت اور ذمہ میں لے لیا گیا، ان کے جان و مال کے تحفظ کی ضمانت دے دی گئی، ان پر برائے نام ٹیکس عائد کیا گیا، اور اس سلسلہ میں بھی زیادہ سے زیادہ امکانی سہولتیں عطا کی گئیں،

(۲)

متبادل سہولتیں

سب سے بڑی آسانی تو یہ دی گئی کہ جو ٹیکس لگایا گیا۔ وہ محض برائے نام تھا۔ پھر یہ سہولت دی گئی کہ اگر اس کی تعمیل بھی کسی موقعہ پر ممکن نہ ہو تو وہ اپنی صواب دید پر، زرہیں، گھوڑے، یا اونٹ دے سکتے ہیں، نہ صرف یہ کہ جو کچھ وہ متبادل طور پر دیں گے قبول کر دیا جائے گا، بلکہ قیمت کا بھی لحاظ رکھا جائے گا، یعنی متبادل طور پر جو چیز انہوں نے دی، وہ اگر قیمت کے اعتبار سے زیادہ ہے، تو یہ زیادتی حساب میں محسوب کر لی جائے گی،

(۳)

تحفہ نہیں عاریت

پہلے بھی یہ ہوتا تھا، اور اب بھی ساری دُنیا کی مہذب قوموں کا یہ دستور ہے کہ جب کسی بالا دست قوم کی دوسری قوم سے جنگ شروع ہوتی ہے، تو اس کی زیردست قومیں، تحفے بالکل نذر عقیدت کے طور پر اپنے تمام وسائل وذرائع اسے سونپ دیتی ہیں، پہلی اور دوسری عالمگیر جنگ میں، جب برطانیہ نے جرمنی اور ترکی سے جنگ چھیڑی، تو ہندوستان کے تمام والیان ریاست نے اپنے تمام وسائل و ذرائع پوری سعادت مندی کے ساتھ اسے سونپ دیئے، ترکی ایک مسلمان ملک تھا، وہاں خلافت اسلامیہ کا چراغ ٹمٹما رہا تھا، اور امیرالمومنین اور خلیفۃ المسلمین وہیں مسند آرائے خلافت تھے، لیکن نظام دکن، والی بھوپال

نواب رامپور، جیسے مسلمان والیان ریاست، نے، ترکوں اور خلیفۃ المسلمین کے خلاف، اپنی فوجیں بھیجیں، روپیہ دیا، اور تمام وسائل و ذرائع سونپ دیئے اور اگر یہ ایسا نہ کرتے تو ان کی خیر نہ تھی، برطانوی حکومت جور اور زور کے بل پر، سب کچھ لے لیتی،

یمن کی طرف سے جنگ کا اندیشہ تھا، اس اندیشہ کے پیش نظر، داعی[۲] اسلام نے نجران کے عیسائیوں سے یہ شرط کر لی کہ اگر اس اندیشہ نے واقعہ کی صورت اختیار کر لی، وہاں بغاوت پھوٹ پڑی، اور اسلامی فوجوں کو اس طرف کوچ کرنا پڑا تو نجران کے عیسائی، بطور اظہار خیر سگالی کے

"۳۰ زرہیں، ۳۰ گھوڑے، اور ۳۰ اونٹ"

دیں گے، !

• ایک جنگ میں، ۳۰ زرہوں، ۳۰ گھوڑوں، ۳۰ اونٹوں کی کیا حیثیت ہو سکتی ہے، یہ تعداد خود بتا رہی ہے کہ مطالبہ، صرف، خیر سگالی کا ثبوت طلب کرنے کے لیے ہے، لیکن یہ معمولی مطالبہ بھی مستقل نہیں ہے، نجران کے عیسائی جو کچھ حسب معاہدہ دیں گے اس کی حیثیت، خراج، کی نہیں، ہدیہ یا تحفہ کی نہیں ہوگی، وہ ایک مستعار چیز ہوگی، جو اختتام جنگ کے بعد واپس کر دی جائے گی، پھر یہ اطمینان بھی دیا جاتا ہے کہ میدان جنگ میں جو زرہیں ناکارہ ہو جائیں گی، جو گھوڑے زخمی ہو جائیں گے جو اونٹ مر جائیں گے۔ ان کا نعم البدل بھی، نجران کے ان عیسائیوں کو دیا جائے گا "حساب دوستاں در دل" کے ذیل میں ان چیزوں کا شمار نہیں ہوگا، کیا آج بھی کوئی بالا دست قوت کسی زیر دست قوت سے اس طرح کا مطالبہ کر سکتی ہے؟ کیا آج بھی دوستانہ معاہدوں کے ساتھ، "ہوائی اڈوں" کی سہولتیں نہیں حاصل کی جاتیں؟

(۴)

معاہدہ میں صاف اور واضح الفاظ میں، آپؐ نے ارشاد فرمایا ہے کہ
"میرے فرستادے ان کے ضامن ہوں گے۔"
یعنی، عاریۃً جو چیزیں از روئے معاہدہ نجرانی عیسائی دیں گے۔ انہیں بحفاظت
سلامت واپس کرنے کی ضمانت دی جاتی ہے۔ وسعت قلب اور حوصلہ مندی
کی یہ کیسی دل آویز اور شاندار مثال ہے؟

(۵)

حاشیہ سے مراد گوشہ یا ناحیہ ہے۔
(فتوح البلدان اوّل۔

(۶)

عیسر۔ یہ لفظ سواری، اور باربرداری کے جانوروں کے لیے، بولا جاتا ہے
اونٹ، گدھا، خچر۔ سب ہی اس میں شامل ہیں،
فتوح البلدان۔ اوّل فٹ نوٹ

(۷)

تصاویر کی ضمانت

اس معاہدہ کی ایک دفعہ یہ بھی ہے کہ ان معاہد عیسائیوں کی:
"تصویریں اللہ کی امان اور اللہ کے رسول کی ضمانت میں۔"
ظاہر ہے کہ اسلام بنیادی طور پر شرک کا مخالف ہے، اور یہ تصویریں
شرک کی تبلیغ کا سب سے بڑا ذریعہ ہیں، لیکن اسلام کا ایک بنیادی اصول یہ بھی ہے کہ
لَا اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ
دین کے معاملہ میں جبر و تشدد روا نہیں،

وہ کسی کو جبراً عقیدہ بدلنے پر مجبور نہیں کرتا ۔ اور جن غیر مسلموں کو وہ اپنے ذمہ میں لیتا ہے، انہیں ہر طرح کی آزادی دیتا ہے۔ چنانچہ وہ پورے اطمینان اور یکسوئی کے ساتھ اپنے مشرکانہ عقاید پر قائم رہ سکتے ہیں، اور ان پر عمل کر سکتے ہیں چنانچہ غور فرمائیں، ان مشرکانہ تصویروں کو خدا کے امان ، اور رسولؐ کی ضمانت معاہدہ کے بعد حاصل ہو جاتی ہے، کیا کوئی دوسرا مذہب دل دہی کی ایسی مثال اس سعدن نیکوں کے پیچھے آج تک کبھی پیش کر سکا ہے ، ؟

(۸)

بتوں کی حفاظت

سب جانتے ہیں اسلام کا مقصد وجود بت شکنی ہے ، وہ اس لیے آیا ہے کہ ایک خدا کی پوجا ہو، اور خدائے واحد کے سوا جتنے مصنوعی خداؤں کی تصاویر، اور بتوں، اور مظاہر کی صورت میں پوجا ہوتی ہے اس کا سلسلہ بند ہو جائے ، داعی اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کو ، مشرکوں ، عیسائیوں ، اور یہودیوں کی طرف سے ، جتنی ایذائیں دی گئیں، ان سب کا مقصد وحید یہ تھا کہ آپؐ توحید کی دعوت سے باز آجائیں، اور چونکہ آپ اس دعوت سے باز نہ آتے تھے اس لیے اعدا اور مخالفین کی طرف سے، اس آواز کو بند کرنے کے لیے ، وہ تمام لرزہ خیز اور سفاکانہ کوششیں عمل میں لائی گئیں، جن کا تصور بھی ایک انسان کے رونگٹے کھڑے کر دینے کے لیے کافی ہے ، ـــــ !

لیکن اس کے باوجود، جب اسلام کو ان پر غلبہ حاصل ہوا۔ اقتدار اور اختیار اسلام کے ہاتھ میں آیا ، تو کوئی ایسا طریقہ اختیار نہیں کیا گیا ، جس میں جبر و جد کا شائبہ بھی ہو، چنانچہ اس معاہدہ میں تصریح کر دی گئی کہ :

" نہ تمہارے حقوق میں دست اندازی کی جائے گی، نہ تمہاری مورتیں مسخ

کی جائیں گی۔ ! "

گویا تمہیں اپنے حدود کے اندر بت بنانے، اور ان بتوں کو پوجنے کی پوری پوری اجازت ہوگی، تمہارے اس حق میں کوئی مداخلت نہیں کرسکے گا، حتیٰ کہ کسی کو یہ حق بھی نہیں ہوگا کہ وہ تمہاری بنائی ہوئی مورتوں کی صورت مسخ کرنے یا ان کا حلیہ بگاڑ دے،

(۹)

ایک دوسری روایت میں ہے۔

" اس کے بعد جس نے سود کھایا، وہ میری ضمانت سے خارج ہے۔ ! "

(یعقوبی، ج ۲ ص ۶۲ فٹ نوٹ، فتوح البلدان اوّل)

اور میرے خیال میں یہی روایت قرین صواب ہے۔

آنحضرت کا مجوس سے معاہدہ

ہجر کے مجوس سے آپ ؐ نے جو معاہدہ فرمایا ہے ؛

" ۔ ہم سے حدیث بیان کی القاسم بن سلام نے اُنہوں نے کہا ہم سے حدیث بیان کی عثمان بن صالح نے، ان سے عبداللہ بن لہیعہ نے۔ ان سے ابوالاسود نے اور ان سے عروہ بن الزبیر نے کہ :۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل ہجر (مجوس) کو تحریر فرمایا :۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم محمد النبی کی جانب سے اہل ہجر کے نام
تمہیں امن دیا گیا ہے۔ میں اللہ کی حمد کرتا ہوں کہ اس کے سوا کوئی
معبود نہیں ہے۔

اما بعد! میں تمہیں اللہ کے لیے، اور خود تمہاری ذات کے
لیے وصیت کرتا ہوں کہ ہدایت پانے کے بعد گمراہ نہ ہونا اور
رشد حاصل کرنے کے بعد غلط روی اختیار نہ کرنا۔ تم نے جو کچھ کیا
ہے اس کی مجھے اطلاع ہوگئی ہے۔ تم میں سے جو نیک کردار
رہے گا، اس پر بدکردار کا گناہ نہیں ڈالا جائے گا۔

جب میرے امراء تمہارے پاس پہنچیں، تو اللہ کے کام اور اس
کے رستے میں ان کی اطاعت و اعانت کرنا، تم میں سے جو نیک
کام کرے گا وہ اللہ کے ہاں اور میرے ہاں ضائع نہیں ہوگا۔

تمہارا وفد میرے پاس آیا، اور میں نے اس سے کوئی ایسی
بات نہیں کی جو ناخوش کرنے والی ہو، حالانکہ اگر میں اپنا پورا
حق لینے کی کوشش کرتا، تو تمہیں ہجر سے نکال دیتا۔ میں نے تمہارے
غائب کی رعایت کی ہے اور حاضر کے ساتھ مہربانی کی ہے۔

فاذکر نعمۃ اللہ علیکم

نجران کے عیسائی، اہل کتاب تھے، یعنی کافر تھے۔ مشرک نہ تھے۔ لیکن
یہ مجوس! ـــــــ یہ تو بالکل مشرک تھے، لیکن رحمت العالمین ﷺ کی رواداری
ان کے ساتھ بھی ویسی تھی، جو اہل کتاب کے ساتھ بھی اسلام کی وہ تلوار تھی، جس
سے فریح ہو ہو کر لوگ، اسلام کے حلقہ میں آتے تھے۔

بدترین دشمن سے معاملت

یہود کا شمار اسلام کے بدترین دشمنوں میں ہوتا ہے، انہوں نے طے کر لیا تھا کہ جس طرح بھی ہو، اسلام کو نہ پنپنے دیں، اور داعی اسلامؐ کی آواز لوگوں کے کانوں تک نہ پہنچنے دیں، لیکن ان کے اس معاندانہ طرز عمل کے باوجود آپؐ کا برتاؤ، اور معاملہ ان کے ساتھ بھی رفق و مدارا کا تھا، چنانچہ :—

"نبی صلعم نے انتقال فرمایا تو اس وقت آنحضرت صلعم کی زرہ ایک یہودی کے پاس بعوض غلّہ رہن تھی سلہ"

اعتراف

داعی اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کا یہی وہ طرز عمل تھا، جس نے غیر مسلموں کے دل موہ لیے، اور ایک ایسی نئی امت پیدا کر دی، جو اپنے آب و رنگ کے اعتبار سے دنیا میں اپنی مثال آپ تھی، چنانچہ ایک غیر مسلم مورخ ان حقائق کو دیکھ کر اپنے تئیں اس اعتراف پر مجبور پاتا ہے کہ :—

عربوں نے ایرانی شہنشاہیت کے پرخچے اڑا دیئے، انہوں نے بازنطینی سلطنت کی بنیاد ہلا دی اگر کوئی ساتویں صدی عیسوی کے ابتدائی ۲۰، ۲۵ سالوں میں یہ پیشین گوئی کرنے کی جرات کرتا کہ دس بیس سال کے اندر ایک نامعلوم طاقت عرب جیسی غیر متمدن اور غیر معروف سرزمین سے اٹھے گی، اور اپنے زمانہ کی دو نہایت بڑی سلطنتوں پر دھاوا کر کے ایک پر قابض اور متصرف ہو جائیگی اور دوسری اس کے بہترین علاقے چھین لے گی تو یقیناً اسے پاگل سمجھا جاتا۔"

سلہ بخاری عن عائشہ رضؓ۔

لیکن جو کچھ اوپر بیان کیا گیا ہے بالکل یہی پیش آیا، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ
عرب کی بانجھ زمین کو جیسے کسی نے جادو کے زور سے مردم خیز خطہ میں تبدیل کر دیا
پھر تو اس کی خاک سے ایسے ایسے عالی ہمت اور بلند حوصلہ لوگ اٹھے
کہ شمار اور صفات کے اعتبار سے اور کہیں ان کی نظیر نہیں ملتی۔ عراق،
شام اور مصر میں خالد بن ولید اور عمرو بن عاص نے جو معرکے سر کیے عرب
کی تاریخ میں ان کا شمار ایسی فوجی مہموں میں ہوتا ہے جو نہایت
ہی دلیرانہ سرمہمیں اور ان کا مقابلہ بجا طور پر، ہنی بال اور سکندر
کی جنگی مہموں سے کیا جا سکتا ہے۔"!

عہد
خلافتِ راشدہ

عہد رسالت کے بعد، عہد خلافت راشدہ شروع ہوتا ہے، یہ دور اُن لوگوں کا ہے جو رسول م کے تربیت یافتہ تھے، اور صحیح معنوں میں جانشین رسول تھے، ان کی رفتار و گفتار سیرت و کردار اور شخصیت، ہر چیز میں اس شان کی جھلک تھی، جو صرف رسالت مآب م کے لیے مخصوص تھی، خلافت راشدہ کے بعد جو دور حکومت شروع ہوا وہ درحقیقت ملوکیت اور قیصریت کا دور تھا، اگرچہ ایک عرصہ تک غلط طور پر نام اس کا بھی "خلافت" ہی رہا،

ان اوراق میں ہمیں دیکھنا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد، جن اصحاب کے ہاتھ میں زمام کار، اور عنان اقتدار، اور قوت اختیار آئی، غیر مسلموں کے ساتھ ان کا طرز عمل کیا رہا جو اسلام "جہاد" کے لیے بدنام ہے، جس کی تلوار پر ان گنت الزامات عائد کیے جاتے ہیں، جس کے بارے میں آج کے روشن خیال، انسانیت نواز، اور "غیر متعصب" لوگ یہ کہتے نہیں تھکتے کہ اسلام قرون وسطیٰ کا مذہب ہے، اور مسلمان غیر مسلموں کے ساتھ حسن سلوک، رواداری اور ملاطفت کا برتاؤ کر ہی نہیں سکتے دیکھنا ہے کہ وہ اسلام جب مکمل طور پر صاحب اقتدار تھا، جب حکومت اس کے ہاتھ میں تھی، اور وہ وقت کی سب سے بڑی حکومتوں، روم و ایران ــــ کا تختہ الٹ چکا تھا، اور دنیا میں کوئی مذہب، کوئی گروہ، اور کوئی نظام حکومت اس کے مقابل کی حیثیت سے باقی نہیں رہ گیا تھا،

اس نے اپنے مفتوحوں کے ساتھ، ماتحتوں کے ساتھ، دشمنوں اور مخالفوں کے ساتھ، حریفوں اور حلیفوں کے ساتھ، اختلاف عقیدہ و مذہب کے باوجود کیا برتاؤ کیا، اور یہ کہ وہ برتاؤ اپنی نوعیت میں یکتا اور بے مثال تھا یا نہیں؟ یہ کہ اس برتاؤ کی مثال، دنیا کا کوئی اور مذہب آج تک بھی پیش کر سکا ہے؟ نیز یہ کہ، عہد جدید کی ذہنی اور عقلی ترقیاں اور سربلندیاں اس کے نزدیک بھی پہنچ سکی ہیں یا نہیں؟

نشۂ قوت

اس سلسلہ میں ہم ٹھوس اور ناقابل تردید واقعات و حقائق پیش کریں گے، لیکن اس سے قبل، پس منظر کے طور پر، خلفائے راشدین — ابوبکر رضؓ عمر رضؓ عثمان رضؓ، علی رضؓ — کی حیات گرامی کا مختصر ترین خاکہ، اور ان کے عہد آفرین دور کا مختصر سا جائزہ بھی لیں گے، تاکہ یہ معلوم ہو سکے کہ انھوں نے فتوحات اور کامیابی و کامرانی کے طویل اور مسلسل دور میں اپنے محکوموں اور مفتوحوں کے ساتھ کیسا سلوک کیا؟

اقبال نے کہا ہے:

صاحب نظراں نشۂ قوت ہے خطرناک!

اور یہ شاعری نہیں، حقیقت ہے، قوت بہت بڑا نشہ ہے، اور اس نشہ کا کوئی توڑ نہیں، انسان جب تک بے بس ہوتا ہے، ناطاقت ہوتا ہے، کمزور ہوتا ہے، مجبور اور معذور ہوتا ہے، اس میں رواداری، وسعت قلب، مہر و لطف غرض ہر قسم کے اخلاقی صفات موجود ہوتے ہیں، لیکن جب قوت و اقتدار کا سرچشمہ بن جاتا ہے، اس میں وہ تمام برائیاں پیدا ہو جاتی ہیں جن کے خلاف، وہ برسرپیکار رہا کرتا تھا،

چند مثالیں

تاریخ کے صفحات اس طرح کی مثالوں سے بھرے پڑے ہیں، لیکن تاریخ ماضی

کے بجائے اگر ہم تاریخ ماضی کے اوراق کھنگالیں، تو ہمیں معلوم ہوگا، ہندوستان
میں آزادی اور استقلال کی ایک تحریک اُٹھی، اس تحریک کی بنیاد و اساس عدم
تشدد، حق و انصاف، مساوات اور عدل پر تھی۔ اور کوئی شبہ نہیں جب تک یہ
تحریک کامیاب نہیں ہوئی، یہ اقدار اس میں موجود تھیں۔ لیکن، جب کامیاب
ہوگئی، ہندوستان آزاد ہوگیا، ہندوستان کی حکومت اس تحریک کے لیڈروں کے
ہاتھ میں آگئی تو وہ تمام بنیادیں ہل گئیں، جنہوں نے اس تحریک کو پروان چڑھایا
تھا، وہ تمام اصول ختم ہو گئے، جو اس تحریک کے روح رواں تھے، جنہوں نے دُنیا
میں اسے سربلند اور سرفراز کیا تھا، جن کے باعث بین الاقوامی طور پر اس کی ساکھ
بڑھی اور عظمت میں اضافہ ہوگیا، جس کی بڑائی اور یکسانی کے سامنے دنیا کی بڑی بڑی قوتیں
اور شخصیتیں سر عقیدت ختم کر چکی تھیں،

حق خود ارادیت کا حشر

۱۔ کیا یہ حقیقت نہیں ہے کہ ہندوستان کی تمام ریاستوں کے لیے، کانگرس حکومت
نے حق خود ارادیت تسلیم کیا تھا؟ لیکن، اسی حکومت نے حیدر آباد کے خلاف پولیس
ایکشن کیا، وہاں کے مسلمانوں کو مارا، کچلا، اساساً ختم کر دیا، ان گنت عورتوں کی عصمتیں لوٹیں
لاتعداد لوگ ہلاک ہوئے، کروڑوں روپیہ کی جائدادیں چھین لی گئیں، اور برباد کر دی
گئیں، — جرم صرف یہ تھا کہ حیدر آباد، انڈین یونین میں کیوں نہیں شریک ہوتا؟

۲۔ کیا یہی سب کچھ تراونکور کے ساتھ بھی نہ ہوتا، اگر اس نے اکہ بندی سے ڈر کر
فوراً الحاق نہ کر لیا ہوتا؟

۳۔ پولیس ایکشن کے دوران میں، نظام نے، اپنی حکومت، اور اپنی قوم سے غداری
کی، پس پردہ، کانگرس حکومت سے سازباز کر کے، بڑی آسانی کے ساتھ، ریاست کا الحاق
انڈین یونین سے کر لیا، اس سلسلہ میں ایک معاہدہ طے پایا، "اور ریاست کے حفظ و بقا

کی ذمہ داری انڈین حکومت نے اپنے سر لی، لیکن اس معاہدہ کو ابھی چند سال بھی نہیں گذرے تھے کہ ریاست کا وجود ختم کر دیا گیا، اس کے مختلف اضلاع مختلف صوبوں میں شامل کر دیئے گئے، اور اب "حیدرآباد" نامی ریاست کا وجود، ہندوستان کے نقشہ میں کہیں نہیں ہے، اب نظام صرف ایک معمولی شہری اور جاگیردار کا ہے۔

اردو کا ماضی اور حال

۴۔ گاندھی جی نے، کانگریس نے، پنڈت نہرو نے، بابو راجندر پرشاد نے، بار بار یہ اعلان کیا تھا، کہ ہندوستان کی سرکاری زبان ہندوستانی (اردو) ہوگی، جو دیوناگری، اور فارسی رسم الخط میں لکھی جائے گی، لیکن کیا اس اعلان پر عمل اس طرح نہیں ہوا کہ، اردو کو علاقائی زبان بھی نہیں تسلیم کیا گیا؟ ۲۲ لاکھ باشندوں نے، جن میں ہندو اور مسلمان بھی شامل تھے۔ صدر جمہوریہ کو محضر پیش کیا، کہ اگر اردو سرکاری زبان نہیں بنائی جاتی، تو اسے علاقائی زبان ہی مان لیا جائے، مگر یہ درخواست بھی شرف قبول حاصل نہ کر سکی، حیدرآباد کی عثمانیہ یونیورسٹی جو سارے ہندوستان میں واحد اردو یونیورسٹی تھی، اس یونیورسٹی کے طلبہ نے اردو میں تعلیم حاصل کر کے، لندن، برلن، پیرس، نیویارک، اور دوسرے غیر ممالک کی یونیورسٹیوں میں امتیاز کے ساتھ کامیابیاں حاصل کیں، اور ثابت کر دیا اردو کا ذخیرۂ علم محدود نہیں بلکہ غیر معمولی طور پر وسیع ہے، اس یونیورسٹی نے، عصری علوم و فنون کو اردو میں منتقل کرنے کے لیے ایک دارالترجمہ قائم کیا، اور اس دارالترجمہ نے، عربی، فارسی، انگریزی، اور فرنچ، زبانوں کے تمام علوم و فنون کو اردو میں منتقل کر لیا، انجینیرنگ، ڈاکٹری، سائنس، وغیرہ تمام معیاری، اور نصابی کتابیں اردو میں ترجمہ کرا لیں، لیکن کسی اور نے نہیں خود پنڈت نہرو نے بیک جنبش اب

سب عثمانیہ یونیورسٹی کو ہندی یونیورسٹی بنا دیا، وہ ہندی جواب تک زیر تشکیل ہے اور وہ بھی کہاں مغربی ہند میں، جہاں کے ہندو بھی ہندی سے اتنی ہی نفرت کرتے ہیں، جتنی کوئی مسلمان شیطان سے، اور صرف اسی پر اکتفا نہیں کیا گیا، دارالترجمہ بند کر دیا گیا، اس کی قابل فخر اور یگانہ روزگار کتابیں کوڑی کے مول بیچ دی گئیں، اور، لاکھوں روپیہ کے صرف سے، جو غیر مطبوعہ مسودے، (دارالترجمہ کے) دفتر میں محفوظ تھے، وہ گاؤ خورد کر دیئے گئے، گویا گذشتہ تین، چار سال میں، جو شاندار کارنامہ نظام نے، عثمانیہ یونیورسٹی نے، اور حیدر آباد کے مسلمانوں نے انجام دیا تھا وہ برباد کر دیا گیا، تاریخ میں اگر حیدر آباد کی بربادی، وہاں کے مسلمانوں اور ان کی تہذیب و ثقافت، اور علوم و فنون کی تباہی کی مثال مل سکتی ہے، تو صرف ہلاکو کے عقد میں جس نے بغداد میں داخل ہو کر، وہی کچھ کیا تھا، جس کا نظارہ چشم تماشہ نے، حیدر آباد، جامعہ عثمانیہ، اور دارالترجمہ کی بربادی کی صورت میں کر لیا!

وعدہ شکنی

۵۔ کشمیر پر انڈین یونین کی فوجوں نے جب قبضہ کیا تھا، تو وزیر اعظم ہند، پنڈت نہرو نے، صاف اور واضح الفاظ میں اعلان کیا تھا، کہ یہ الحاق عارضی ہے کشمیر کے باشندوں کی حق خود ارادیت حاصل ہے، حالات جیسے ہی پر سکون ہوں گے، غیر جانبدارانہ طور پر استصواب عام کر دیا جائے گا، حکومت ہند نے یہ وعدہ پرائیوٹ طور پر نہیں، بین الاقوامی طور پر کیا تھا، انجمن اقوام متحدہ کے ایوان میں کیا تھا، لیکن اب وعدہ کی کوئی قدر و قیمت پنڈت نہرو سے پوچھیے، وہ اور ان کے نفس ناطقہ کرشنا مینن صاف الفاظ میں کر چکے ہیں، کشمیر ہمارا ہے اور استصواب رائے کی کوئی ضرورت نہیں،

اور یہ کشمیر ہمارا، عوام کی رائے سے نہیں، مہاراجہ کی مرضی سے ہوا ہے۔

حالانکہ سردار پٹیل اور پنڈت نہرو، کھلے الفاظ میں، اعلان کر چکے تھے کہ الحاق کا حق، والیِ ریاست کو نہیں، وہاں کے عوام کو ہے، اس اصول کی بنا پر، حیدرآباد کی آزادی تسلیم نہیں کی گئی، اور جوناگڑھ کو زبردستی ملحق کر لیا گیا، اور ان کی ناکہ بندی کر کے اس سے معاہدہ الحاق پر دستخط کر دیئے گئے۔

یہ ہے معاہدہ کا احترام؟

۹۔ تقسیم ہند کے بعد، جب فسادات کا خون بہا۔ اور ہولناک دور شروع ہوا، تو، معابد، اور مساجد پر بھی مقابلے ہوئے، دونوں حکومتوں نے اعلان کیا، کہ عبادت گاہوں کا احترام کیا جائے گا، غیر مذہب کے لوگوں سے انہیں خالی کرا لیا جائے گا۔ پاکستان میں مسجد شہید گنج تک گردوارہ کی صورت میں موجود ہے، اور وہاں کوئی "مسلمان" پرندہ پر بھی نہیں مار سکتا، اور بھارت کے دارالسلطنت دلی میں ابھی تک کئی سو مسجدیں ایسی ہیں، جن پر غیر مسلم قابض اور متصرف ہیں اور ان میں جو کچھ ہو رہا ہے، سب کچھ ہو رہا ہے، اور یہ کیفیت صرف دلی ہی کی نہیں، مشرقی پنجاب کے ہر شہر میں، الور میں، بھرت پور میں، اور دوسرے مقامات پر بھی یہی کیفیت ہے، کس کی مجال ہے کہ فریاد کرے، کس میں ہمت ہے کہ احتجاج کرے، کون ہے جو یہ فریاد سنے، اور اس احتجاج پر کان دھرے ——؟

مساوات کا نادر نمونہ

۱۰۔ کاغذ پر ہندوستان کا ہر شہری مساوی حقوق رکھتا ہے، لیکن عملاً ——؟ وہی مسلمان، جو تقسیم سے قبل تمام سرکاری عہدوں پر فائز تھے، جنہوں نے اپنی قابلیت، اہلیت، صلاحیت، اور استعداد کا لوہا منوا لیا تھا، جو مقابلہ کے امتحانوں میں امتیاز کے ساتھ کامیاب ہوتے تھے، اب اتنے نالائق ہو گئے ہیں کہ کسی عہدہ

کے لائق نہیں سمجھے جاتے، کسی امتحان میں کامیاب نہیں ہوتے،

یہ چند موٹی موٹی باتیں ہیں، ان سے "نقشۂ قوت" کا اندازہ ہو سکتا ہے،
اب ذرا یہ ملاحظہ فرمایئے کہ جب قوت مسلمانوں کے ہاتھ میں تھی، تو ان کی شرافت اور رواداری کا کیا عالم تھا؟

تذکرۂ خلفائے راشدین

اب ہم خلفائے راشدین کا تذکرہ پیش کرتے ہیں، پھر ان کے عہد کے حالات و واقعات پر گفتگو کریں گے۔

حضرت ابوبکر

جب محمد بن عبداللہ (بابانا و امہاتنا) نے اس دُنیا سے کنارہ کیا، اور اس حادثہ کے رونما ہوتے ہی، مسلمانوں کی آنکھوں میں دُنیا تاریک ہو گئی۔

• اب کیا ہوگا؟ —!

اب تک یہ تھا کہ رسالت مآبؐ اس دُنیا میں تشریف فرما تھے، ان پر وحی نازل ہوتی تھی، ان کے پاس جبریل امین تشریف لاتے تھے، ان سے اور خدا سے کلام و پیام کا سلسلہ جاری تھا،

یہ سلسلہ اب ٹوٹ گیا۔

اب وحی قیامت تک کسی پر نہیں آئے گی۔

اب جبریل قیامت تک اس خاکدان عالم پر قدم نہیں رکھیں گے۔

اب خدا قیامت تک کسی بندے کو شرف کلام نہیں عطا کرے گا!

پھر اب کیا ہوگا؟ — اب گتھیاں کیونکر سلجھیں گی، مشکلات کا حل کس طرح ہوگا؟ معاملات کے سلجھنے کی کیا صورت ہوگی؟ حالات کو روبراہ کون کرے گا؟

فکر اور غم کے اس اندھیرے میں ابوبکرؓ کا پُر نور چہرہ چمکتا ہوا لوگوں کو نظر آیا۔

یہ ابوبکرؓ وہی تھے، جنہوں نے رسول اللہ کے ایک اشارہ پر اپنا سب کچھ قربان کر دیا، جنہوں نے رسول کو بچانے کے لیے اپنی جان کی بازی لگا دی، اور اب کہ لوگ بدحواس ہو رہے تھے، وہ اُمید کے پیامبر بن کر تشریف لائے، انہیں دیکھتے ہی لوگوں کی ڈھارس بندھ گئی، ناامیدی کافور ہو گئی، یا اس کی جگہ آس نے لے لی، اور رسول اللہ کی جانشینی پر وہ شخص مامور ہو گیا جو رسولؐ اللہ کو بہت زیادہ محبوب تھا، جو رسول اللہ کا بہت زیادہ معتمد تھا، وہ دُنیا میں پہلا آخری شخص تھا جس کے مال کو رسول اللہ نے اپنا مال سمجھا اور مسند خلافت پر بیٹھ کر ابوبکرؓ نے ثابت کر دیا کہ ملت اسلامیہ نے پریشانی کے ہجوم میں ان پر جو اعتماد کیا تھا، وہ کتنا صحیح تھا،

ولادت سرور عالمؐ کے دو برس چند ماہ بعد یعنی ۳ ولادت محمدی (۵۷۳ء) میں حضرت ابوبکرؓ مکہ میں پیدا ہوئے ۔۔۔ ؛ وہیں پلے بڑھے، ماں باپ نے نام عبدالکعبہ رکھا تھا، لیکن قبول اسلام کے بعد آں حضرتؐ نے عبدالکعبہ کو عبداللہ سے بدل دیا، خوب رو اور خوش اندام تھے، عتیق نام پڑ گیا۔

دولت مند گھرانے کے فرد تھے، جب سن شعور کو پہنچے، تجارت کو ذریعۂ معاش بنایا، اور اس میں خوب پھلے پھولے اور کامیاب رہے، تجارت کے سلسلہ میں مکہ سے باہر بھی جاتے رہتے تھے، زیادہ تر شام کی طرف،

آں حضرتؐ کے تقریباً ہم عمر تھے، بچپن سے، دوستانہ تعلقات تھے، یہ آں حضرت کی صحبت اور فطرت سلیم کا اثر تھا کہ عہد جاہلیت میں بھی پاک دامن رہے، نہ لہو و لعب میں حصہ لیا، نہ خرافات اور لغویات میں، سیرت اور کردار کی بلندی کے باعث اپنے قبیلہ اور قوم میں عزت اور احترام کی نظر سے دیکھے جاتے تھے،

حضرت رسول مقبولؐ نے جب اسلام کی دعوت دی، تو سب سے پہلے بلغیر

کسی تامل اور تذبذب کے دمرحلوں میں، جس نے اس دعوت پر لبیک کہا ، وہ ابوبکرؓ ہی تھے ۔

آپ کو خدا نے فطرتاً نرم دل، اور بنی نوع انسان کا ہمدرد پیدا کیا تھا ، آنکھوں میں مروت تھی ، دل دردمندی اور خوفِ الٰہی سے بھرا ہوا تھا ، کبھی کسی کو مصیبت میں نہ دیکھ سکتے تھے ، جہاں تک بنتا خداترسی اور فیاضی سے کام لیتے ، لوگوں کے ساتھ نیکی اور بھلائی سے پیش آتے ، جود و کرم کا جوہر دکھا کے غریبوں کی خبر گیری کرتے ، محتاجوں کے پیٹ بھرتے ، اور مظلوم غلاموں کو مول لے کر آزاد کرتے

شخصیت اور وجاہت

آپ کا شمار قریش کے رؤساء اور اکابر میں تھا ، انساب عرب سے خوب واقف تھے ، حالات امم (سابقہ) سے بخوبی آگاہ تھے ، اس لیے بڑے معاملہ فہم مانے جاتے تھے ، جاہلیت میں جو اہم معاملہ پیش آیا اس میں آپ کی رائے زیادہ اہم اور باوقعت تسلیم کی جاتی تھی ، اتقاء اور پرہیزگاری کا یہ عالم تھا کہ کبھی جھوٹ نہ بولتے ، شراب کو عہد جاہلیت ہی میں اپنے اوپر حرام کر لیا تھا ، قوم میں جب کبھی کوئی قتل ہو جاتا ، خون بہا کی رقم مشخص کرنا اور قاتل کو اپنی کفالت و حراست میں رکھنا خاص آپ کا کام تھا [۱]۔

حضرت بلال کا آقا ان کے قبول اسلام کے باعث بہت ناراض اور برہم تھا ، اور طبعاً سفاک اور بے رحم بھی ، اس نے چاہا ، بلال اسلام سے دست بردار ہو جائیں ، جب یہ نہ ہو سکا تو وہ انتقام پر اتر آیا ، وہ چلچلاتی ہوئی دھوپ میں تپتی ہوئی ریت پر انہیں لٹا دیتا ، پھر سینہ پر وزنی اور گرم پتھر رکھ دیتا ، اور کہتا جب تک لات و عزیٰ پر ایمان نہیں لاؤ گے یونہی گت بنتی رہے گی ، مگر اس ظلم و ستم کا جواب بلال کی زبان پر صرف ایک تھا ، احد ، احد ،

یعنی اللہ ایک ہے، اللہ ایک ہے،

حضرت ابوبکر رضؓ صدیق کی نظر سے جب یہ لرزہ خیز منظر گزرا، فوراً بلال کو خریدا، حسبۃً للہ آزاد کر دیا۔ [1]

یارِ غار

قبولِ اسلام کے بعد جس فداکاری، ایثار اور خلوص کے ساتھ، آں حضرتؐ کا ساتھ دیا، اس کی کوئی دوسری مثال نہیں مل سکتی!

ایک مرتبہ اپنا سارا اثاثہ راہِ خدا میں دے دیا، یارسول اللہ نے پوچھا، گھر میں کچھ چھوڑا؟ فرمایا، خدا اور اس کا رسول!

ہجرت کے بعد جب مدینہ میں مسجد نبوی کے لیے آپؐ نے زمین خریدی تو اس کی قیمت ابوبکر رضؓ ہی نے ادا کی، ہجرت کے موقع پر، اپنی جان خطرہ میں ڈال کر آل و اولاد کو یونہی مکہ میں بے آسرا اور بے سہارا چھوڑ کر ذاتِ رسالتؐ کے ساتھ ہو لیے اور غارِ ثور میں پناہ گزین ہوئے، یہیں کفار ڈھونڈتے ڈھونڈتے جب قریب پہنچے تو حضرت ابوبکر پر آں حضرتؐ کی خیر طلبی کے بعد باعث اضطراب ساطاری ہوا، آپؐ نے کامل سکون کے ساتھ، لا تحزن ان اللہ معنا (رنج مت کرو خدا ہمارے ساتھ ہے)

آنحضرت کے ساتھ تقریباً تمام غزوات میں جوش اور فداکاری کے ساتھ شرکت کی۔ جب بڑے بڑے کار آزمودہ اور سرد و گرم چشیدہ لوگوں کے پائے ثبات میں لغزش آگئی، ابوبکر رضؓ کے استقلال اور استقامت، فداکاری اور جاں نثاری، دوستی اور رفاقت میں کوئی فرق نہیں آیا۔

---

[1] طبری

خلافت

آں حضرتؐ کے وصال کے بعد تقریباً بالاتفاق، آپ کو جانشین رسول منتخب کیا گیا۔ اس گراں بار ذمہ داری کو جس سچائی اور بے لوثی کے ساتھ آپ نے انجام دیا۔ وہ آپ کا ہی حصہ تھا،

آں حضرتؐ کی وفات کے بعد جب زکوٰۃ کی عدم ادائی، ارتداد کی کارفرمائی اور نام نہاد مدعیانِ نبوت کی دعوت کا سلسلہ شروع ہوا تو ایمان اور کردار کی پختگی استقامت کے ساتھ آپ نے ان حالات کا مقابلہ کیا، اور بالآخر ان کا استیصال کرکے دم لیا، حالات کی ابتری اور نزاکت کا اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ حضرت عمرؓ تک نے مانعین زکوٰۃ کے بارے میں نرمی کا مشورہ دیا تھا۔ لیکن حضرت ابوبکرؓ نے جواب دیا، تم جاہلیت میں تو بڑے سخت تھے، لیکن انت جبان فی الاسلام، اور اسلام قبول کرنے کے بعد پست حوصلہ بن گئے، اس موقع پر اگر حضرت ابوبکرؓ سے ذرا بھی کمزوری سرزد ہوتی تو اسلام پھر کبھی نہ ابھر سکتا۔

بیعت کے بعد ـــ ابوبکرؓ منبر پر چڑھے، اور رسولؐ اللہ کی نشست گاہ سے ایک زینہ نیچے بیٹھے، اللہ کی حمد و ثنا بیان کی، اور کہا میں تم لوگوں پر والی بنا دیا گیا، حالانکہ میں تم سے بہتر نہیں ہوں، اگر میں راہِ راست پر چلوں تو پیروی کرو، اگر کجی اختیار کروں تو مجھے سیدھا کر دیں، میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ بزرگی میں تم سے افضل ہوں، لیکن بوجھ اٹھانے میں تم سے افضل ہوں۔ ـــ "

حضرت ابوبکرؓ منصبِ خلافت پر فائز ہونے کے بعد بھی بہت سادہ زندگی بسر کرتے تھے، انہوں نے اپنی کامیاب تجارت کو چھوڑ کر خلافت کا بارِ گراں اٹھایا، اور انتہائی اور فدویت کے ساتھ زندگی بسر کی ـــ انہوں نے لوگوں میں بیت المال

لہ طبری رہ

سے مساویانہ تقسیم کی کسی کو کسی پر فضیلت نہیں دی، وہ بیت المال سے روزانہ تین درہم بطور مدد معاش لیا کرتے تھے، اور خلیفۂ رسول اللہ کہلاتے تھے — ۱ ؎

وفات

" جمادی الآخر ۱۳ھ میں علیل ہوئے بیماری جب شدت پکڑ گئی، تو حضرت عمرؓ کو اپنا جانشین نامزد کیا (پھر کہا) میں نے بیت المال سے جو مال لیا تھا جب میں مر جاؤں تو فلاں مقام پر جو میرا باغ ہے اُسے فروخت کر کے قیمت بیت المال میں داخل کر دی جائے، ابوبکرؓ نے اپنے غسل کے لیے اپنی بیوی اسماؓ بنت عمیس کو وصیت کی، انہی نے وفات کے بعد انہیں غسل دیا، رات کے وقت دفن کیے گئے۔ اُن کی وفات ۲۲ جمادی الآخر ۱۳ھ کو ہوئی — لہ ۱ "

نماز جنازہ — عمر بن خطابؓ نے پڑھائی، وہ اسی مکان میں دفن کیے گئے جس میں رسول اللہؐ کی قبر ہے، وفات کے وقت اُن کی عمر ۶۳ برس کی تھی، ان کی خلافت ۲ سال چار ماہ رہی —

— ابوبکرؓ گورے دبلے پتلے تھے، رخسارے سبک تھے، پسلیاں جھکی ہوئی تھیں، مہندی اور کسم کا خضاب لگاتے تھے، ابوبکرؓ کے زمانہ میں جن لوگوں سے فتویٰ لیا جاتا تھا وہ یہ تھے، علیؓ ابن ابی طالب، عمر بن خطاب، معاذ بن جبل، ابی بن کعب، زیدؓ بن ثابت، اور عبداللہ بن مسعود — ۱؎

بہت بڑی خدمت

حضرت ابوبکرؓ کی یوں تو ساری زندگی، اسلام اور داعی اسلام کی خدمت میں گذری، لیکن آپ کی سب سے بڑی خدمت قرآن کی کتابی صورت میں (مصحف کے نام سے) ترتیب ہے، اگر آپ نے بروقت اس طرف توجہ نہ کی ہوتی، تو اس سلسلہ میں بعد کو مفاسد کے پیدا ہو جانے کا اندیشہ تھا، لیکن آپ نے بروقت اقدام (و اہتمام) کر کے

قرآن کریم کی سالمیت کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے پائندہ کر دیا!

خلافتِ صدیقی پر ایک نظر

اگرچہ حضرت ابوبکر رضؓ کی خلافت کا ایک زمانہ صرف سوا دو سال کی مختصر مدت تک محدود ہے لیکن یہ سوا دو سال اہمیت کے لحاظ سے اپنے دامن میں ایسے دور رس، فیصلہ کن اور نازک تر واقعات، حالات اور کیفیات کے حامل تھے ان میں سے کوئی ایک واقعہ بھی تاریخ کا رُخ بدل سکتا تھا۔ اگر آپ نے مانعین زکوٰۃ کو ذرا بھی ڈھیل دی ہوتی یا مرتدین کے ساتھ رعایت کی ہوتی، یا باطل مدعیانِ نبوت کے ساتھ چشم پوشی کی ہوتی، یا جیشِ اسامہ کے معاملہ میں تاخیر روا رکھی ہوتی، یا کم از کم اسامہؓ کی سپہ سالاری ختم کر دی ہوتی، تو ان میں سے ایک واقعہ بھی اپنے نتائج کے اعتبار سے اسلام کی تاریخ کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے کمزور بنا دیتا، لیکن آپ نے ہر مرحلہ پر ایسے استقلال، استقامت اور حوصلہ کا ثبوت دیا کہ لوگوں میں ایک نئی امنگ پیدا ہو گئی، لڑکھڑاتے ہوئے قدموں میں وہ استقلال پیدا ہوا کہ وہ کوہِ گراں کی طرح ثابت اور مستقل ہو گئے۔

حضرت عمرؓ

حضرت ابوبکر رضؓ نے اس دنیا سے رخت سفر باندھا، حضرت عمر رضؓ کی نامزدگی قوم نے تسلیم کر لی اور وہ منصبِ خلافت پر فائز ہو گئے۔

حضرت ابوبکر رقیق القلب تھے، رحم دل تھے، بامروّت تھے، حضرت عمرؓ سخت مزاج تھے، اصول کے معاملہ میں متشدد تھے، حق کے معاملہ میں رعایت اور مروّت کے قائل نہیں تھے، لیکن مسندِ خلافت پر متمکن ہونے کے بعد ان میں وہ نرمی اور لینت آگئی جو اس منصب کے لیے ضروری تھی، لوگ بر سرِ منبر انہیں ٹوک دیتے تھے، اُن پر اعتراض کرتے تھے۔ ان کی تجویز رائے سے اختلاف کرتے تھے اور زیادہ

تو یہ اختلاف تند و ترش لہجہ میں ہوتا تھا، لیکن حضرت عمرؓ نے کبھی قوت اور طاقت کے بل پر لوگوں کی آواز دبانے کی کوشش نہیں کی، وہ راتوں کو گشت کر کے دیکھتے تھے کہ کون آسودہ حال ہے، کون فاقہ مست، وہ بچوں کو دیکھ کر لرز جاتے تھے، خود کاندھے پر اناج کی بوری رکھتے، اور لے کر پہنچتے تھے، وہ لوگوں کا حق دلانے میں خدا ہی تاجبر گزارا نہ کرتے تھے، وہ اپنے غلام کو بھی وہی کھلاتے تھے، جو خود کھاتے تھے، وہی پہناتے تھے جو خود پہنتے تھے۔ بحر و بر کی حکومت ان کے ہاتھ میں تھی، لیکن لباس فاخرہ نہ خود پہنا، نہ اپنے عاملوں اور گورنروں کو پہننے دیا، ایران و روم کے خزانے ان کے قدموں پر لا کر ڈال دیئے گئے۔ لیکن ان کے دسترخوان کی سادگی میں فرق نہ آیا، ممالک غیر کے سفراء ان سے ملنے کے لیے آتے تو وہ یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ یہ زمین پر معمولی لباس پہنے ہوئے جو شخص دراز ہے یہی اس پر ہیبت و عظمت شخصیت کا حامل ہے، جس کے نام سے باطل لرزتا اور ناحق کانپتا ہے، بیت المقدس میں ایک فاتح فوج کے سپہ سالار اعلیٰ کی حیثیت سے عمرؓ نے جب قدم رکھا تو یہ پیوند لگا ہوا لباس ان کے بدن پر تھا، لیکن رعب و جلال کا یہ عالم کہ اکڑی ہوئی گردنیں انہیں دیکھتے ہی ادب سے جھک گئیں!

حضرت عمرؓ آں حضرتؐ سے ۱۲ سال چھوٹے تھے، جب ذرا سمجھ آئی تو باپ نے اونٹوں کے چرانے کا کام سپرد کر دیا، اس کام میں اگر ذرا بھی غفلت برتتے تو سخت گیر باپ کے ہاتھوں مارے جاتے،

قبول اسلام

عہد جاہلیت میں اسلام کے نام اور داعی اسلامؐ کے پیام کے سخت و شدید دشمن تھے، ایک مرتبہ اس ارادہ سے نکلے کہ آج محمدؐ کا فیصلہ کر کے لوٹوں گا، راستہ میں معلوم ہوا بہن اور بہنوئی بھی اسلام قبول کر چکے ہیں، راستہ ہی سے پلٹے اور بہن کے ہاں

پہنچے، وہاں تلاوت قرآن ہو رہی تھی، کلام الٰہی کا سننا تھا کہ دل کی دُنیا زیر و زبر ہو گئی، سرکشی اطاعت سے بدل گئی، اسلام قبول کر لیا، جس سختی سے اسلام کے مخالف تھے، اب اسی جوش کے ساتھ اسلام کے منادی اور مبلغ بن گئے۔

رسول اللہ نے جب مدینہ کی طرف ہجرت کی اجازت فرمائی تو کچھ عرصہ کے بعد حضرت عمر رضؓ نے بھی وطن مالوف پر ایک الوداعی نظر ڈالی، اور بظاہر ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ایک نئے شہر ـــــ مدینہ ـــــ کی طرف روانہ ہو گئے۔

غزوات میں رسول اللہ کے دوش بدوش شرکت کی، استقامت اور پامردی کا ثبوت دیا، جنگ احد میں جب آنحضرتؐ کی وفات کی افواہ مشہور ہوئی تو حوصلہ نے جواب دے دیا، تلوار ایک طرف پھینک دی کہ اب لڑ کر کیا کریں گے لیکن جب معلوم ہوا یہ افواہ غلط تھی تو پھر اسی جوش و خروش سے شریک جنگ ہو گئے۔ بدر سے لیکر تبوک تک تمام جنگوں میں آن حضرتؐ کے ساتھ شریک رہے۔

خلافت

حضرت ابوبکر رضؓ کی نامزدگی قوم نے قبول کر لی اور حضرت عمر رضؓ خلافت کے منصب پر فائز ہو گئے، آپ نے ۲۸ جمادی الآخر ۱۳ھ کو زمام خلافت ہاتھ میں لی[1] تقریباً ساڑھے دس سال تک اس شان کے ساتھ فرائضِ خلافت سرانجام دیئے کہ وہ تاریخ اسلام کے ایک روشن اور تابناک باب کی حیثیت اختیار کر چکے ہیں،

حضرت ابوبکر رضؓ کی طرح حضرت عمر رضؓ کا دورِ خلافت بھی بے نفسی و بے لوثی اور فدائیت کا دور تھا۔ اپنی ذات کے لیے کچھ نہیں چاہا، اپنے خاندان کے لوگوں

---

[1] طبری

کو کوئی فائدہ نہیں پہنچایا، اپنے دوستوں اور ساتھیوں کے ساتھ کوئی رعایت نہیں کی، کمزوروں کا ساتھ دیا، مظلوم کی داد رسی کی، ظالم کو سزا دی، انصاف اور مساوات کے معاملہ میں بڑی سے بڑی شخصیت کا لحاظ بھی نہ کیا، جبلہ بن ایہم غسانی چھوٹا موٹا بادشاہ تھا، قبول اسلام کے بعد مکہ آیا، طواف کی حالت میں ازار پر ایک بدو کا پاؤں پڑ گیا، اس کی نخوت اس بدتمیزی کو برداشت نہ کر سکی، بدو کے منہ پر طمانچہ مار دیا۔ اس نے دربار خلافت میں استغاثہ پیش کیا، فیصلہ جبلہ کے خلاف ہوا وہ فرار ہو کر مرتد ہو گیا، لیکن حضرت عمرؓ نے اپنے اسلام کی آن پر حرف نہ آنے دیا۔

شہادت

۲۰ ذی الحجہ ۲۳ھ ۶۴۴ء کو ابولولو ایک غیر مسلم غلام نے نماز کی حالت میں خنجر سے حملہ کر کے آپ کو شہید کر دیا۔

وفات کے وقت آپ نے چھ آدمیوں کی ایک مجلس بنا دی کہ وہ کثرت آرا سے جسے چاہے خلیفہ منتخب کر لے، مجلس نے یہ حق اپنے ایک رکن حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف کو دے دیا۔ انہوں نے حضرت عثمانؓ کی خلافت کا اعلان کر دیا۔ اور اس طرح انکی خلافت پر بیعت ہو گئی۔

حضرت عثمانؓ

مکہ پر ابرہہ کی فوج کشی (عام الفیل) کے چھٹے سال آپ نے اس دنیا کو اپنے وجود سے رونق بخشی، بنو امیہ کے خاندان سے تھے،

ہوش سنبھالا تو تجارت شروع کر دی، خوب کمایا، خوب کھلایا، دل رحم

ومروت سے معمور تھا کسی سائل کا جواب رد نہیں کیا، خدا نے تجارت میں بہت برکت دی، لاکھوں کما ڈالے، مگر بڑی دریا دلی سے خرچ بھی کر دیئے ۔

قبول اسلام

حضرت ابو بکر صدیق سے بچپن کی دوستی تھی، جب انہوں نے اسلام قبول کیا تو عثمان رضؓ کو بھی تلقین کی آں حضرت کی سیرت پاک کا نقش دل پر بیٹھا ہوا تھا، بے چوں و چرا حلقہ بگوش اسلام ہو گئے، اور اپنی دولت بے دریغ راہِ اسلام پر خرچ کرنے لگے ۔

آپ بے انتہا بردبار، رحم دل، با مروت اور خلیق و متواضع تھے، آپ کی حیاداری مشہور تھی، آں حضرتؐ آپ کو بہت عزیز رکھتے تھے، چنانچہ اپنی ایک صاحبزادی حضرت رقیہ رضؓ سے شادی کر دی۔ ان کا جب انتقال ہو گیا تو دوسری صاحبزادی حضرت ام کلثوم رضؓ کو آپ کے حبالۂ عقد میں دے دیا، اسی باعث آپ ذوالنورین کہلائے ۔

اسلام کا پہلا مہاجر

اسلام قبول کرنے کے بعد بے حد اذیتوں کا سامنا کرنا پڑا، لیکن پائے ثبات و استقامت میں لغزش نہ آئی،

پھر آں حضرتؐ کے حکم سے چند مسلمانوں کا جو مختصر سا قافلہ حبشہ کی طرف ہجرت کر کے گیا، اس میں حضرت عثمان رضؓ بھی تھے، اور ان کے ساتھ ان کی اہلیہ حضرت رقیہ بھی، رسول اللہؐ نے یہ منظر دیکھا تو متاثر ہوئے، اور دعا دی ۔

بعد ازاں جب مسلمانوں کو مکہ سے مدینہ کا اذن ہجرت ملا، تو حضرت عثمان رضؓ وہاں بھی ہجرت کر کے ہر چیز سے منہ موڑ کے، گھربار، عزیز دوست، دولت ثروت سے کنارہ کش ہو کے وہاں پہنچ گئے ۔

بیعت رضواں

ایک مرتبہ آں حضرتؐ کی طرف سے پیام بر بن کر آپ مکہ گئے ، کفار نے ازراہِ شرارت آپ کو واپس نہ آنے دیا ، آں حضرتؐ حدیبیہ کے مقام پر فروکش تھے (سنہ ۶ ھ) حضرت عثمانؓ کے بارے میں یہ افواہ مشہور ہو گئی کہ کفار نے انہیں قتل کر دیا ۔ آں حضرتؐ نے ایک درخت کے نیچے بیٹھ کر مسلمانوں سے قربانی کی بیعت لی ، یہ بات خدا کو اتنی پسند آئی کہ قرآن مجید میں اس کا ذکر آیا ۔

خلافت

— یکم محرم سنہ ۲۴ھ کو آپ نے زمامِ خلافت سنبھال لی —[1] ؟

حضرت عثمانؓ کی ایک حیثیت جامع القرآن کی بھی ہے ، آپ نے — قرآن جمع کیا ، اور اسے مرتب کیا ، طویل سورتوں کو طویل سورتوں کے ساتھ اور چھوٹی سورتوں کو چھوٹی سورتوں کے ساتھ کر دیا —[2] ۔

حضرت عثمان رضؓ کاتب وحی بھی تھے ، آپ کا شمار عشرۂ مبشرہ میں بھی ہے ، عشرۂ مبشرہ ان دس صحابیوں کو کہتے ہیں جنہیں دُنیا ہی میں جنت کی بشارت مل چکی تھی ۔

شہادت

حضرت عثمان رضؓ بہت نرم دل تھے ، اُن کی نرم دلی سے لوگوں نے ناجائز فائدے بھی اُٹھائے ،

حضرت عثمانؓ نے مختلف صوبوں میں جو گورنر مقرر کئے تھے ، ان کے بعض

---

[1] ـ طبری ۔

طور طریقِ عمل سے لوگوں کو شکایات پیدا ہوئیں، خود عثمان رض کے جود و عطا سے بھی محروین کو صدمہ پہنچا، اور وہ سازش پر آمادہ ہو گئے، رفتہ رفتہ یہ فتنہ یہاں تک بڑھا کہ خاص مدینۃ الرسول میں باغیوں نے آپ کے گھر پر محاصرہ کرلیا، یہ محاصرہ چالیس روز تک جاری رہا، حضرت علی رض نے باغیوں اور مفسدوں کو سمجھانے کی کوشش کی، لیکن وہ راہِ راست پر نہ آئے، احتیاطاً آپ نے حضرت حسنین علیہم السلام کو بعض دوسرے لوگوں کے ساتھ صدر دروازہ تک حفاظت اور نگہبانی کے لیے مامور کر دیا۔

باغی یہ رنگ دیکھ کر پچھلے دروازے سے گھر میں داخل ہوئے اور شہید کرلیا۔

یہ واقعہ ایسا اچانک پیش آیا کہ سارے مدینہ پر ایک عجیب سراسیمگی طاری ہو گئی، تین روز تک باغیوں کی حکومت رہی، اس کے بعد کہیں جا کر امن و امان قائم ہوا۔

حضرت عثمان رض اوسط قد والے، خوب صورت، گھنی داڑھی والے، گندم گوں شخص تھے، شانے بڑے بڑے، دونوں شانوں کے بیچ میں فاصلہ، سر کے بال گھونگھر دار دانت سونے کے تار سے بندھے ہوئے، داڑھی کا خضاب زرد ہوتا تھا

عثمان رض کے زمانہ میں فقہا یہ لوگ تھے، علی ابن ابی طالب، عبداللہ رض بن مسعود، ابی بن کعب رض، زید بن ثابت رض، ابو موسیٰ اشعری رض، عبداللہ رض بن عباس رض، ابو الدرداء رض، ابو سعید رض الخدری، عبداللہ رض بن عمر، سلمان بن ربیعہ الباہلی ——— [1]

---

[1] طبری۔

حضرت علیؓ

حضرت علیؓ آں حضرتؐ کے مبعوث ہونے سے دس سال پہلے تولد ہوئے
شروع ہی سے آں حضرتؐ آپ پر بہت مہربان تھے، چنانچہ ابوطالب کے
سایۂ پدری کے بجائے ابتدائی عمر ہی سے آپ آں حضرتؐ کے سایۂ عاطفت
میں پلے اور بڑھے،

حضرت علیؓ نے آں حضرتؐ کو نماز پڑھتے دیکھا خود بھی پڑھنے لگے۔
اسلام کا پتہ چلا۔ فوراً اسلام قبول کر لیا، باپ (ابوطالب) نے بیٹے کو
اس رنگ میں دیکھا تو نہ منع کیا، نہ تادیب کی۔

عشق رسول

رسول اللہؐ کی ذات گرامی سے حضرت علیؓ کو والہانہ عشق تھا۔ جب آپؐ
نے ہجرت کا فیصلہ کیا، تو کفار گھر کو گھیرے ہوئے کھڑے تھے کہ جیسے ہی آپؐ
باہر نکلیں، قتل کر دیں۔ آپؐ حضرت ابوبکرؓ کے ساتھ ہجرت کے ارادہ سے
تشریف لے گئے۔ اپنی چارپائی پر حضرت علیؓ کو لٹا دیا، جو امانتیں اہل مکہ کی تھیں
وہ حوالے کر دیں۔ حضرت علیؓ جانتے تھے۔ یہ پھولوں کی سیج نہیں بستر مرگ ہے
مگر ذرا ہراساں نہ ہوئے، نہایت اطمینان سے لیٹ گئے۔ صبح کفار نے آنحضرتؐ
کے بجائے آپ کو بستر پر استراحت فرما دیکھا، تو بہت تلملائے، لیکن
اب کیا کر سکتے تھے۔

صلح حدیبیہ کے موقع پر صلح نامہ لکھنے کا کام حضرت علیؓ کے سپرد ہوا،

کفار نے اعتراض کیا کہ اس میں محمدؐ، کیا تھ رسول اللہ نہ لکھا جائے، ہم اگر نبی مانتے تو جھگڑا ہی کا ہے کا تھا۔ رفع شر کے لیے آں حضرتؐ نے حضرت علیؓ سے فرمایا۔ رسول اللہ کا لفظ کاٹ دو۔ حضرت علیؓ نے فرمایا، میں آپ کو رسول مانتا ہوں، رسول لکھ چکا ہوں، یہ لفظ مجھ سے نہیں کاٹا جا سکے گا، آخر خود آں حضرتؐ نے اپنے دستِ مبارک سے یہ لفظ مٹایا۔

شجاعت

حضرت علیؓ کی شجاعت سپہ گری اور فنونِ جنگ کی مہارت ہمعصروں میں سب پر بالا تھی، بڑے بڑے معرکے سر کیے، بڑے بڑے پہلوانوں کو پچھاڑا بڑے بڑے کارآزمودہ اور سرد و گرم جنگ چشیدہ۔ جنگ جو سورماؤں کے دانت کھٹے کر دیتے۔

خیبر کی جنگ میں مرحب پہلوان کا قلعہ کسی سے سر نہ ہو سکا۔ حضرت ابوبکرؓ گئے، اور لوٹ آئے، حضرت عمرؓ نے دو مرتبہ کوشش کی مگر کامیاب نہ ہو سکے، آپؐ نے فرمایا کل میں اسے بھیجوں گا، جو خدا اور اس کے رسولؐ کو عزیز ہے، اور جسے خدا اور اس کا رسول عزیز ہیں، وہ اس معرکہ کو سر ہی کر کے آئے گا، دوسرا دن آیا حضرت علیؓ کا مزاج ناساز تھا۔ سب لوگ اس امید میں آئے کہ دیکھیں نگاہ رسالت کسے سرفراز کرتی ہے، آپؐ نے حضرت علیؓ کو یہ ذمہ داری سونپی، اور آپ پہلے ہی حملے میں مظفر و منصور ہوئے، حضرت عمرؓ تک کو حضرت علیؓ کی اس سرفرازی پر رشک آ گیا۔

آں حضرتؐ جب مکہ سے مدینہ تشریف لے گئے، تو کچھ عرصہ کے بعد لوگوں کی امانتیں واپس کر کے حضرت علیؓ بھی مدینہ منورہ پہنچ گئے۔

سنہ ۲ھ میں حضرت علیؓ کی شادی حضرت فاطمہؓ سے ہو گئی۔

حضرت فاطمہؓ سے شادی کی درخواست، حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ نے بھی کی تھی، لیکن آپؐ نے حضرت علیؓ کو ترجیح دی، اور انہی سے نہایت سادگی کے ساتھ سلطان کونینؐ کی چہیتی بیٹی کی شادی ہو گئی، حضرت فاطمہؓ کی زندگی میں حضرت علیؓ نے کوئی دوسری شادی نہیں کی،

مجاہدات

تقریباً تمام غزوات میں حضرت علیؓ نے شرکت کی، ذوالفقار علی جب بے نیام ہوئی تو بجلی بن کر کافروں کے خرمنِ حیات پر گری، بڑے بڑے مانے ہوئے پہلوان اور سورما مقابلہ میں آئے اور مارے گئے، بعض معرکوں میں بڑے بڑے لوگوں کا حوصلہ چھوٹ گیا، لیکن حضرت علیؓ شمعِ نبوت کے گرد پروانہ بن کر طواف کرتے رہے، اور دشمنوں کے سر کاٹتے رہے نہ ان پر ہراس تھا نہ دہشت اسلام کی خاطر وہ اپنی جان ہتھیلی پر لیے رہتے تھے۔

خلافت

حضرت علیؓ نے پوری بے نفسی کے ساتھ خلفائے ثلٰثہ کی بیعت کی، ان کا ساتھ دیا، انہیں مفید مشورے دیئے، اُن کی فکرِ صائب کا ایک موقع پر حضرت عمرؓ نے ان الفاظ میں اعتراف کیا ہے۔ لولا علی لھلک عمر یعنی اگر علی نہ ہوتے تو عمر ہلاک ہو جاتا! حضرت عمر جب بیت المقدس تشریف لے گئے، تو حضرت علیؓ مدینہ میں رہے اور حضرت عمرؓ کی قائم مقامی کرتے رہے،

حضرت عثمانؓ کے بعد ۲۳ ذی الحجہ ۳۵ھ کو آپ خلافت پر متمکن ہوئے۔ [1]

---

[1] طبری نے ۱۲ رمضان لکھی ہے۔

فتنہ کا آغاز

حضرت علیؓ خلفائے ثلثہ کی زندگی میں بھی اپنے تقوے، اخلاص، جوشِ عمل، قربانی اور ایثار، فدیت اور جان نثاری، زہد و عبادت، تہور و شجاعت، تدبر اور اصابت فکر ورائے میں کسی سے کم نہیں تھے، اور اب تو کوئی ان کا ہم پایہ بھی نہیں رہ گیا تھا، لہٰذا اُن کی خلافت اور استحقاق خلافت سے کسی کو مجال انکار نہ تھی،

حضرت علیؓ کے مسندِ خلافت پر متمکن ہونے کے بعد بعض صحابہؓ کرام نے قصاص عثمانؓ کی تجویز پیش کی، حضرت علیؓ نے فرمایا، امن قائم ہولے۔ حالات سازگار ہوجائیں، تو یہ کام ضرور کیا جائے گا، لیکن مفسد اور فتنہ پسند عناصر نے اس مطالبہ کو نعرہ بنا لیا، اور سازش و بغاوت کی تیاریاں کرنے لگے۔

صلح و جنگ

جنگِ جمل کے سلسلہ میں حضرت عائشہؓ اور حضرت علیؓ کی نزاع غلط فہمی پر مبنی تھی، وہ بڑی آسانی سے، پورے خلوص اور صداقت کے ساتھ دور ہوگئی، دونوں کے دل ایک دوسرے سے صاف ہوگئے۔

لیکن امیر معاویہؓ کا معاملہ دوسرا تھا، اُنھوں نے مطالبہ قصاص عثمان کی آڑ لے کر بیعت تک کرنے سے انکار کردیا، چونکہ حضرت علیؓ کی بیعت عام ہوچکی تھی، لہٰذا اُنھوں نے منکرین بیعت کے خلاف جنگ کی تیاری شروع کردی۔

خوارج

حضرت علیؓ ہر اعتبار سے امیر معاویہ کے لشکر کو شکست دے سکتے تھے

لیکن خوارج نے سر اُٹھایا، یہ جماعت پہلے حضرت علیؓ کے ساتھ تھی ، پھر "ان الحکم اللہ" کا نعرہ لگا کر مخالفت کرنے لگی، خوارج کی آویزش میں ایسے مصروف ہوئے کہ پورے طور پر شام کی خودسر حکومت پر توجہ نہ کر سکے ،

شہادت

۱۷ رمضان ۴۰ھ کو ایک خارجی ابن ملجم نے نماز فجر کے وقت حضرت علیؓ پر قاتلانہ حملہ کیا۔ یہ حملہ مہلک ثابت ہوا[1]، اس کے بعد آپ صرف دو روز زندہ رہے۔ ابن ملجم گرفتار ہوگیا، آپ نے فرمایا ، اگر میں مر جاؤں تو اسے قتل کر دینا اگر میں بچ گیا تو میں جانوں اور یہ شخص ، !

وفات کے وقت لوگوں نے دریافت کیا ہم حضرت امام حسن کے ہاتھ پر بیعت کرلیں؟ آپ نے کہا ۔ میں کچھ نہیں کہتا ، یہ تمہارا کام ہے ، جسے چاہو اپنا امیر بناؤ ۔

تقریباً پونے پانچ سال آپنے خلافت کی ذمہ داریاں سنبھالیں ، وفات کے وقت ۶۳ سال کے قریب عمر تھی ، حضرت امام حسن نے نماز جنازہ پڑھائی اور کوفہ کے دار الخلافہ میں تدفین عمل میں آئی ۔

حضرت علیؓ کے وہ اصحاب جن سے علم حاصل کیا جاتا تھا ، یہ تھے ، حارث الہمدانی ، ابوالطفیل ، عامر بن واثلہ ، حبۃ العرنی ، رشید الہجری ، حویزہ بن مسہرۃ ، اصبغ بن بناتہ ، میثم التمار ، اور حسن بن علی ——— [1]

ابن ملجم کے علاوہ اور ساتھیوں نے اسی دن امیر معاویہ اور عمرو بن عاص کو بھی قتل کرنے کا عہد کیا تھا ، امیر معاویہ زخمی ہوئے ، عمرو بن عاص بچ گئے ، اور ابن ملجم کی طرح ، اس کے دونوں ساتھی بھی قتل کر دیئے گئے ۔

---

[1] طبری ۔

انتخاب!

خلیفہ یا امیر کے طریقۂ انتخاب کے بارے میں اسلام خاموش ہے اصل بات یہ ہے کہ اصولی باتیں قرآن میں اور حدیث میں محکم طور پر بیان ہوئی ہیں، تفصیل ہمیشہ حالات مصالح اور وقت کی تابع ہوتی ہے اُسے اُمت پر چھوڑ دیا گیا ہے کہ وہ جس طرح موزوں سمجھے عمل کرے۔

خلیفہ یا امیر کے بارے میں اسلام یہ تو بتاتا ہے کہ اس پر عوام کو اعتماد ہونا چاہیے، اسے عوام کے رجحانات کا بشرطیکہ وہ دین سے معارض نہ ہوں پاس اور احترام کرنا چاہیے، مگر اسی طرح عوام کے لیے یہ تاکید ہے کہ امیر اور خلیفہ جب تک قرآن اور حدیث کے خلاف اقدام نہ کرے اس کی اطاعت فرض ہے، لیکن اگر وہ زعم حکومت میں حدود سے تجاوز کرے، تو صاف تصریح موجود ہے، لاطاعة لمخلوق فی معصیة الخالق

آں حضرت ؐ نے جب اس دنیا سے پردہ فرمایا، تو کسی شخص کے لیے کوئی وصیت نہیں کی، مہاجر اور انصار نے حضرت عمر رضؓ کی تحریک پر حضرت ابوبکر رضؓ کو خلیفہ منتخب کر لیا،

حضرت ابوبکر رضؓ نے حضرت عمر رضؓ کو اپنی جانشینی کے لیے "منتخب" کیا پھر عوام سے اپنی رائے کی توثیق کرالی، پھر اس دُنیا سے رخصت ہوئے۔

حضرت عمر رضؓ نے چند آدمیوں کو منصب اور خلافت کا اہل سمجھا، جن میں حضرت عثمان رضؓ اور حضرت علی رضؓ بھی تھے خلیفہ کے انتخاب کی ذمہ داری، ارباب حل وعقد کی ایک جماعت پر ڈالی، اُس نے حضرت عثمان رضؓ کو منتخب کر لیا، اور وہ خلیفہ ہو گئے۔

حضرت عثمانؓ شہید ہوئے، وہ اس سلسلہ میں کوئی اقدام نہ کر سکے، اہل مدینہ اور متعدد جلیل القدر صحابہ کرام کے اصرار سے حضرت علیؓ نے خلافت کا بارِ گراں اپنے دوشِ مبارک پر رکھا اور تاریخ اسلام میں پہلی مرتبہ امیر معاویہ نے بیعت سے انکار کر کے طغیان و سرکشی کا دروازہ کھولا۔

اصلاحات نظم و نسق مملکت

خلافت راشدہ کا نظامِ حکومت مبنی تھا خوفِ الٰہی پر، اُس کی بنیاد اور اساس یہ تھی کہ ہم جو کچھ کر رہے ہیں خدا اُسے دیکھ رہا ہے، ہم جو کچھ کریں گے خدا کے ہاں اُس کی جواب دہی کرنا پڑے گی، ہم نے جو کچھ کیا اس کی ذمہ داری صرف ہم پر ہے، اور اس ذمہ داری سے ہمیں کوئی نہیں بچا سکتا، یہی وجہ ہے کہ خلافت راشدہ کے سارے دور میں بھی کہیں وہ کمزوری نظر نہیں آتی، جو بادشا ہوں، ڈکٹیٹروں اور جمہوریت کے علمبرداروں میں نظر آتی ہے،

یزید بن ابی سفیان کو جب شام کی مہم پر حضرت ابوبکرؓ نے مامور کیا، تو فرمایا — "اے یزید، تمہاری قرابت داریاں ہیں، شاید ان کو تم اپنی امارت سے فائدہ پہنچاؤ، درحقیقت یہی سب سے بڑا خطرہ ہے، جس سے میں ڈرتا ہوں۔ رسول اللہ نے فرمایا، جو کوئی مسلمانوں کا حاکم مقرر ہو اور ان پر کسی کو بلا استحقاق محض رعایت کے طور پر افسر بنائے، تو اس پر خدا کی لعنت ہو۔"[1]

ابوبکرؓ نے اپنے دورِ حکومت میں آں حضرتؐ کے مقرر کئے ہوئے گورنروں کو بحال رکھا، اور حکومت کے دوسرے شعبے ممتاز صحابہ کے سپرد کر دیئے مالیات کا شعبہ ابو عبیدہ اور عدالت کا محکمہ عمرؓ کے حوالہ کر دیا، حکومت اسلامیہ کا شہری نظام سب سے پہلے عمرؓ نے قائم کیا تھا انہوں نے ہر صوبہ پر ایک

گورنر کا تقرر کیا، جو ان کے ہدایات کے ماتحت حکومت کرتا تھا، خلیفہ کو عاملہ و عدلیہ اور انتظامیہ کے کلی اختیارات حاصل تھے، خراج کا افسر، مالیات کا سب سے بڑا افسر تھا، گورنر نظم و نسق میں مختار تھا، اور خراج کا افسر مالیات کے محکمہ کا مستقل حاکم تھا، مالیات کے افسر کا تقرر خلیفہ کے اختیار میں تھا عثمان رضہ نے بھی عمر رضہ کی پالیسی اختیار کی ــــ[۱]"

حضرت عمر رضہ نے سب سے پہلے صرف عدلت، کو ایک منظم شکل دینے کے لیے دفاتر قائم کیے، یہ دفاتر مختلف شعبوں سے تعلق رکھتے تھے ۔ فوج میں سپاہیوں اور ان کی تنخواہوں کی باقاعدہ فہرست رہتی تھی، دیوانی خراج میں ریاست کی آمدنی اور اس کے آمد و صرف کا حساب رہتا تھا ــــ[۲]"

"عہد جاہلیت میں جنگ کے وقت قبیلہ کے افراد تلواریں، نیزے اور کمانیں لے کر نکلتے۔ اور حریف سے مقابلہ کرتے، جنگ کے بعد اپنے گھر واپس آجاتے اور کاروبار میں لگ جاتے، اسلام نے عربوں کی شیرازہ بندی کی، عمر رضہ نے فوج کو ایک منظم شکل دی، اور فوجی نظم و نسق کے لیے دیوانی فوج قائم کی ــــ[۳]!"

پولیس کا نظام

حضرت علی رضہ کے عہد میں باقاعدہ پولیس کا نظام قائم ہوا، اس محکمہ کے سب سے بڑے افسر کو "صاحب شرطہ" کہا جاتا تھا ــــ[۴]!

"آں حضرت اور ابوبکر رضہ کے زمانہ میں مجرم کو ایک گھر یا مسجد میں بند کر دیا جاتا تھا، قید خانہ کا رواج حضرت عمر رضہ کے زمانہ میں ہوا، پھر باہر قائم

۱، ۲ النظم، ۳ النظم الاسلامیہ ۔

ریلے ا[1]

جس شخص کا تقرر کسی بڑے منصب پر ہوتا تھا، اسے ایک پروانہ دیا جاتا تھا، جس میں اس کے اختیارات کا ذکر ہوتا تھا، جہاں اس کا تقرر ہوتا تھا، وہاں ایک مجمع عام میں یہ پروانہ پڑھ کر سنایا جاتا تھا، اور اسی سے عہد لیا جاتا تھا کہ وہ ترکی گھوڑے پر سوار نہ ہوگا، باریک کپڑے نہ پہنے گا۔ چھنا ہوا آٹا نہ کھائے۔ اہلِ حاجت کے لیے اپنا دروازہ ہمیشہ کھلا رکھے گا۔

بحری بیڑہ

حضرت عثمان رضہ کے عہد میں بحری جنگ پر زیادہ توجہ کی گئی، چنانچہ امیر معاویہ۔ اور عبداللہ بن سعد بن ابی سرح کی کوششوں سے تھوڑی سی مدت کے اندر، اسلام کا بحری بیڑہ اتنی ترقی یافتہ حالت میں پہنچ گیا کہ ۳۱ھ میں جب قیصر روم نے چھ سو بحری جہازوں کا قافلہ لے کر شام پر حملہ کیا، تو عبداللہ بن سعد بن ابی سرح نے رومۃ الکبریٰ کے اس عظیم الشان بحری بیڑے کو ایسی ذلت بخش شکست دی کہ اس کا منہ ہمیشہ کے لیے پھر گیا۔

تعمیرات عامہ

عام پبلک کے فائدے کے لیے عہد عثمانی رضہ میں بہت سی عمارتیں تعمیر ہوئیں! پل بنائے گئے، سڑکیں تیار کرائی گئیں، مسافر خانے کی بنا پڑی، دیوان، اور دفتر کے لیے عمارتیں عالم وجود میں آئیں، مسجد نبوی کی بھی توسیع ہوئی،

تعمیر کا تعلق دراصل اس مدنیت سے ہے، جو سادگی کی ضد ہے اور یہ مدنیت پیدا ہوتی ہے، خود پسندی، اور خدا فراموشی سے اسلام جب تک اصلی حالت میں باقی رہا، مسلمانوں کا ذوق تعمیر نہیں ابھرا، جب اسلام کی سادگی فراموش ہوگئی، تو دوسرے جذبے ابھرنے لگے۔

---

[1] کتاب الخراج۔

مشورت، جمہوریت اور عوامیت

جمہوریت اور عوامیت (ڈیموکریسی اینڈری پبلک) ان دو اصطلاحات نے دُنیا کو بڑے مغالطہ اور فریب میں مبتلا کر رکھا ہے،

دیو استبداد جمہوری قبا میں پائے کوب اور عوامیت کا حال بھی سوا اس کے کیا ہے کہ

جس کے پردے میں نہیں غیر از نوائے قیصری!

لیکن بغیر اس اصطلاح کو استعمال کئے ہوئے اسلام کے عہد خلافت راشدہ میں جمہوریت اور عوامیت کا جو دل آویز منظر نظر آتا ہے، وہ دُنیا نے پھر کبھی نہیں دیکھا، اور اس وقت تک نہیں دیکھ سکے گی، جب تک جارج برنارڈ شا کے الفاظ میں (BACKTOMOD) محمدؐ کی طرف رجعت نہ کی جائے،

ذیل میں چند واقعات و امثال ہم اپنے دعوے کے ثبوت میں پیش کرتے ہیں۔

۔۔ جب کوئی معاملہ پیش آتا تھا تو حضرت ابوبکرؓ اہل الرائے اور فقہائے صحابہ سے مشورہ کرتے تھے، اور مہاجرین و انصار میں سے چند ممتاز صحابہ حضرت عمرؓ عثمانؓ علیؓ عبدالرحمٰن بن عوف، معاذؓ بن جبل، ابی بن کعبؓ اور زید بن ثابت کی مجلس مشورت طلب کرتے تھے[1]!

مشورت

آں حضرتؐ ابوبکرؓ سے مشورہ فرمایا کرتے تھے، حضرت ابوبکرؓ عمرؓ

---

[1] تاریخ اسلام بحوالہ طبقات ابن سعد۔

سے عمر رضؓ کے عہد میں عثمانؓ اور علیؓ کی حیثیت وزراء کی تھی، اس زمانہ میں
خلیفہ نظم مملکت میں مجلس شیوخ سے مشورہ کرتا تھا، یہ مجلس بڑے بڑے
صحابہ، اعیانِ قوم، اور سردارانِ قبائل پر مشتمل تھی۔ اس کا اجلاس مسجد نبوی
میں ہوتا تھا —— [1]"

خلفائے راشدین نے ملاقات کی عام اجازت دے رکھی تھی، چنانچہ
ہر شخص بلے تکلف ان کے پاس جا سکتا تھا، کسی قسم کی روک ٹوک نہ تھی —— [2]"

مجاہدات اور فتوحات

خلافتِ راشدہ کا دور، مجاہدات و فتوحات کے اعتبار سے ممتاز دور ہے، مختصر طور پر چند خاص مہمات کا ذکر ہم کرتے ہیں۔

فتح عراق

حضرت ابوبکرؓ نے حضرت خالد بن ولیدؓ کو فتح عراق پر مامور فرمایا،
"وہ فتح کا پرچم لہراتے ہوئے کاظمہ پہنچے۔ عراق کا ایرانی حاکم ہرمز مقابلہ کے لیے
نکلا، ایرانیوں نے اپنے پیروں کو زنجیروں سے جکڑ لیا تھا کہ میدان سے منہ
موڑنے نہ پائے۔ لیکن ایرانیوں نے شکست فاش کھائی، ہرمز مارا گیا۔ اردشیر
نے بہت بڑی فوج مدد کے لیے بھیجی، حضرت خالدؓ نے اس سے بھی مقابلہ
کیا۔ دشمن کی تیس ہزار سپاہ کام آئی، اور بڑے بڑے افسر مارے
گئے —— !"

متعدد شہروں کو فتح کرتے ہوئے حضرت خالدؓ حیرہ پہنچے، ایرانی
محاصرہ کی تاب نہ لا سکے، ایک لاکھ نوّے ہزار درہم سالانہ پر صلح کر لی!

---

[1]، [2] النظم الاسلامیہ

عین التمر

اور متعدد مقامات فتح کرنے کے بعد حضرت خالدؓ نے انبار کا معرکہ سر کیا۔

دومۃ الجندل

حضرت خالدؓ کا فتح مند لشکر پھر آگے بڑھا، اور دومۃ الجندل کا محاصرہ کر لیا، یہاں عراق اور شام کی سرحدیں ملتی تھیں، دومۃ الجندل کے حاکم جودی نے جو عیسائی تھا مقابلہ کیا، شکست کھائی، اور مارا گیا، حضرت خالدؓ نے پھاٹک توڑ کر قلعہ پہ قبضہ کر لیا،

فراض

حضرت خالدؓ نے بعض دوسرے مقامات فتح کرنے کے بعد، فراض کے فتح کرنے کا ارادہ کیا۔ یہاں شام، عراق، اور جزیرہ کی سرحدیں ملتی تھیں، اس لیے رومی بھی ایرانیوں کے ساتھ مل گئے، اگرچہ اس جنگ میں مسلمانوں کے مقابلہ میں تین تین طاقتیں تھیں، لیکن تینوں نے شکست فاش کھائی، پیچھے دریا تھا سامنے مسلمان، بھاگنے کا راستہ نہ ملا، دشمن کی فوج بالکل برباد ہو گئی۔

اجنادین کی فتح

حضرت ابوبکرؓ نے عمروؓ بن العاص کو فتح فلسطین پر مامور کیا تھا، اجنادین کے مقام پر بہت بڑی رومی فوج موجود تھی، لیکن مسلمان غالب آئے ۔ ۲۸ جمادی الاول ۱۳ھ

جنگ قادسیہ

حضرت عمرؓ نے ۱۴ھ میں سعدؓ بن ابی وقاص کی سرکردگی میں بیس ہزار کا ایک لشکر ایرانیوں کے مقابلہ کے لیے بھیجا، مقابلہ میں رستم کا لشکر تھا، ایرانی فوجوں کی تعداد حد شمار سے خارج تھی، نماز ظہر کے بعد لڑائی شروع ہوئی رات

گئے تک جاری رہی۔ دوسرے روز پھر بڑے زور کا رن پڑا، اس معرکہ میں دس ہزار ایرانی ہلاک ہوئے، دو ہزار مسلمانوں نے جام شہادت نوش کیا، لیکن لڑائی کا فیصلہ نہ ہو سکا، تیسرے دن فیصلہ کن لڑائی شروع ہوئی۔ آج ایرانیوں نے سب سے زیادہ زور ہاتھیوں پر دیا۔ مسلمان سپاہی اپنے نیزے لے کر ان ہاتھیوں پر پل پڑے۔ نیزے ہاتھیوں کی آنکھ پر پڑتے اور وہ چنگھاڑتے ہوئے پیچھے ہٹتے، ایک بزرگ حضرت قعقاعؓ نے نشان کے ہاتھی پر ایسا وار کیا کہ اس کی سونڈ کٹ کر گر پڑی، وہ بھاگا۔ اور اس کے پیچھے پیچھے تمام ہاتھی بھی بھاگ کھڑے ہوتے، اب گھمسان کی لڑائی اور دست و بازو کا معرکہ شروع ہوا، سارا دن جنگ کے عالم میں گذرا، ساری رات اسی حالت جنگ میں گذر گئی، دوسرے روز دو پہر ڈھل جانے کے بعد ایرانیوں کا مایۂ ناز سپہ سالار رستم ہلاک ہو گیا، اب ایرانی فوج میدان جنگ میں نہ ٹھہر سکی، بھاگ کھڑی ہوئی۔ اور اس طرح ایران کی صدہا برس کی عظمت خاک میں مل گئی، قادسیہ کی جنگ نے، ایران کی قسمت پر ہمیشہ کے لیے مہر لگا دی، تیس ۳۰ ہزار سے زیادہ ایرانی کھیت رہے،

مدائن کا معرکہ

لیکن نہیں! ——— ابھی تک ایک آخری معرکہ۔ اور ناقابل فراموش مرحلہ باقی تھا! وہ تھا مدائن، نوشیرواں اور یزدگرد کے پایۂ تخت اور مجوسیوں کی عظمت و جلال کے مرکز کا سقوط!

چند چھوٹی چھوٹی جنگوں کو سر کرنے کے بعد مسلمانوں کا لشکر مدائن کے سامنے پہنچ گیا، ایرانیوں نے مسلمانوں کے اقدام کو روکنے کے لیے چال یہ چلی کہ دریائے دجلہ کے پل کو توڑ دیا، کشتیاں ہٹا دیں، لیکن یہ روک مسلمانوں کے لیے کوئی معنی نہ

رکھی تھی، ان کا سیل زمین گیر، ان رکاوٹوں کو کب خاطر میں لاتا تھا، یہ منظر دیکھ کر سپہ سالار لشکر اسلام سعدؓ بن وقاص نے اپنا گھوڑا دریا میں ڈال دیا،

دشت تو دشت ہیں دریا بھی نہ چھوڑے ہم نے!

سالار لشکر کا یہ اقدام دیکھ کر ساری فوج دریا میں اتر گئی، یہ لوگ آپس میں باتیں کرتے ہوئے، ہنستے مسکراتے ہوئے پار پہنچ گئے، ایرانیوں کے تصور میں بھی یہ بات نہیں آسکتی تھی کہ ایسے جیالے، اور دلاور لوگ بھی ہو سکتے ہیں، جو یوں دریائے ذخار کو پار کرلیں، ان پر مسلمانوں کی دہشت بیٹھ گئی، انہیں مافوق الانسان سمجھنے لگے مسلمانوں کو کنارے پر اترتا دیکھ کر دفعۃً ان کے منہ سے نکلا۔

"دیواں آمدند، دیواں آمدند"! اور بھاگ کھڑے ہوئے، یزدگرد کو یہ خبر ملی تو وہ بھی بھاگ کھڑا ہوا، اب مدائن مسلمانوں کا انتظار کر رہا تھا، چنانچہ صفر ۱۶ھ میں سعدؓ بن ابی وقاص اپنا لشکر لے کر مدائن میں داخل ہوئے، جمعہ کا مبارک دن تھا کسریٰ کے ایوان شاہی میں اس کے تخت جلال و کبریائی کی جگہ خدا کے بندے خضوع و خشوع کے ساتھ سجدے میں جھک گئے۔

کروڑوں روپے کا مال غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ آیا، اور ایرانی عظمت و جلال کی داستان ہمیشہ کے لیے ایک فسانۂ پارینہ بن گئی، ؎

پردہ داری می کند بر قصر کسریٰ عنکبوت
بوم نوبت می زند بر گنبد افراسیاب

یہ شاعری نہیں حقیقت ہے، ٹھوس اور ناقابل تردید حقیقت!

جنگ سے پہلے اتمام حجت کے لیے مسلمانوں نے یزدگرد اور رستم سے ملاقات کر کے قبول اسلام کی دعوت دی تھی۔ تو یزدگرد نے کہا تھا، "اگر سفیروں کا قتل جائز ہوتا تو تم میں سے کوئی زندہ یہاں سے واپس نہ جاتا۔

! اور "کل" رستم نے جواب دیا تھا ـــ "آفتاب و ماہتاب کی قسم
تم سب کو خاک میں ملا دوں گا!"
لیکن وہ یزدگرد کہاں ہے :
وہ رستم کیا ہوا ؟
اور وہ پیوند لگے کپڑے پہننے والے عرب کہاں سے کہاں پہنچ گئے ؟
کہ شکوہ جو دہ صد سالہ بر آسپے گا ست!

چند اور معرکے

اب مسلمانوں کا لشکر تیزی کے ساتھ آگے بڑھنے لگا، اور تھوڑی مدت میں ایرانیوں کے دوسرے مراکز، جلولا، حلوان، تکریت اور پھر ساتھ ہی رقہ، حران، نصیبین، سماط وغیرہ مقامات فتح کر کے جزیرہ کا پورا علاقہ فتح کر لیا۔ کچھ ہی عرصہ کے بعد خوزستان کے پورے علاقہ پر اسلام کا پرچم لہرانے لگا۔ شوستر کے مقام پر ہرمزان نے مقابلہ کیا، بعد میں وہ مسلمان ہو گیا۔ اور حضرت عمرؓ نے اُس کے ساتھ حسن سلوک سے کام لیا۔

نہاوند

یزدگرد ابھی زندہ تھا، اور اپنی فتنہ سامانیوں سے باز نہ آتا تھا۔ اُس نے پھر ایرانیوں کی ایرانی عصبیت سے اپیل کی، ڈیڑھ لاکھ کا لشکر جمع ہو گیا مردان شاہ سپہ سالار بنا اور نہاوند میدان جنگ قرار پایا۔ یہاں پھر بڑی خونریز جنگ ہوئی، تیس ہزار سے زیادہ ایرانی قادسیہ کی طرح یہاں بھی ہلاک ہوئے، ہزاروں مسلمان شہید ہوئے، لڑائی سے پہلے مردان شاہ نے حضرت مغیرہؓ اسلامی سفیر سے سراپا پندار و نخوت بن کر کہا تھا ـــ
"دنیا میں سب سے زیادہ ناپاک اور نجس قوم جو ہو سکتی ہے وہ تم عرب ہو

تم اتنے ذلیل ہوکہ ہم اپنے تیر بھی تمہارے ناپاک خون سے آلودہ نہیں کرنا چاہتے ــ"! اور مغیرہؓ نے جواب دیا تھا ــ "ہم اس وقت تک واپس نہیں جائیں گے، جب تک تمہارے اس ملک کو نہ فتح کرلیں، یا قتل نہ ہوجائیں"

فتح ایران

۲۱ھ میں عبداللہ بن عبداللہ نے اصفہان فتح کرلیا، ۲۲ھ میں ہمدان قزوین اور زنجان کے علاقے فتح ہوگئے، پھر نعیم بن مقرن نے رے پر قبضہ کرلیا۔ اور ان کے بھائی سوید نے قومس کو فتح کرلیا ۲۲ھ میں طبرستان کے سارے علاقہ نے سر اطاعت خم کردیا، یہی حشر آرمینیہ اور آذربائیجان کا ہوا ـ

خراسان

اسی سنہ (۲۲ھ) میں احنفؓ، یزدگرد کے مرکز مرو کی طرف بڑھے، ہرات فتح کیا۔ بلخ پر قبضہ کیا۔ نیشاپور کو زیر نگیں کیا، گویا سارا خراسان قبضہ میں آگیا۔ یزدگرد خاقان چین کے ہاں بھاگ گیا، ایرانیوں نے احنف سے صلح کرلی، اور امن و عافیت راحت و آسائش کی زندگی بسر کرنے لگے،

۲۳ھ میں فارس کی طرف مسلمانوں کا لشکر بڑھا، اور بہت جلد توج، اصطخر شیراز اور فارس کے دوسرے اہم مقامات سرنگوں ہوگئے، اسی سنہ میں کرمان فتح ہوا، اور سیستان نے اطاعت قبول کرلی،

فتح دمشق

اجنادین سے فارغ ہوکر خالد ابوعبیدہ کی شرکت میں دمشق کا محاصرہ کیا کئی ماہ تک محاصرہ رہا، اسی اثناء میں ابوبکرؓ وفات پاگئے، ایک روز خالد کمند کے ذریعہ چند غازیوں کو ساتھ لے کر فصیل کی دیوار پر چڑھ گئے، پھر شہر کے اندر

پہنچ گئے، مخالفوں کو قتل کیا، یہاں تک کھولدیئے، مسلمان سپاہی فوراً اندر داخل ہوگئے، دمشق کے عیسائیوں کو اس یک بیک حملہ نے حواس باختہ کردیا، وہ دوسری طرف سے دوڑے دوڑے ابو عبیدہؓ کے پاس گئے، اور صلح کی التماس کی، وہ خالدؓ کی ترک تازیوں سے بے خبر تھے، صلح منظور فرمالی۔ اب صورت حال یہ تھی کہ ایک سمت سے خالد فاتحانہ اپنے لشکر سمیت داخل ہوئے، دوسری طرف سے ابو عبیدہؓ مصالحانہ۔ اس طرح ۱۴ھ میں دمشق پورے طور پر مسلمانوں کے ہاتھ میں آگیا پھر اسی سنہ میں اردن کا پورا صوبہ ایک زبردست جنگ کے بعد فتح ہوگیا، یہاں بھی عیسائیوں کو شکست کے سوا کچھ نہ ملا، پھر اور آگے بڑھ کر حمص اور بعلبک وغیرہ بھی سرنگوں ہوگئے، یہاں بھی اسلام کا پھریرا لہرانے لگا، اسی سال ابو عبیدہ کے ہاتھوں، عیسائیوں کا ایک اور بہت بڑا مرکز لاذقیہ بھی فتح ہوگیا۔

جنگ یرموک

مسلمانوں کی فاتحانہ یلغار، اور رومیوں کی پسپائی اور حیرت نصیبی دیکھ کر ہرقل قیصر روم نے اپنے پایۂ تخت انطاکیہ میں بیٹھ کر پوری قوت وطاقت کے ساتھ ایک آخری اور فیصلہ کن جنگ کا فیصلہ کرلیا، اس نے مذہب کے نام پر منتشر اور پراگندہ عیسائیوں کو مجتمع کیا اور دو لاکھ سے زیادہ لشکر فراہم کرلیا، مسلمانوں کا لشکر ۲۰۔ ۲۵ ہزار سے زیادہ نہ تھا،

مسلمان بھی یہ فیصلہ کرچکے تھے کہ وہ وقت کی دو بڑی مہذب، متمدن لیکن خدا فراموش قوموں ـــ ایرانیوں اور رومیوں یعنی عیسائیوں اور مجوسیوں ـــ سے فیصلہ کن جنگ کرکے رہیں گے وہ بھی تیار ہوگئے، یرموک کا میدان کارزار قرار پایا، یہ رجب ۱۵ھ کا واقعہ ہے:

عیسائیوں نے اس جنگ کو ہر قیمت پر جیتنے کا عزم کر لیا تھا، وہ بطریق اور راہب جو ترک دُنیا کر چکے تھے، تلواریں اور نیزے لے لے کر مسلمانوں کو قتل کرنے کے لیے نکل کھڑے ہوئے تھے، کئی ہزار رومیوں نے اپنے پاؤں میں بیڑیاں پہن لی تھیں، کہ بھاگنا چاہیں تو بھی نہ بھاگ سکیں، اس جنگ میں عرب کے چیدہ چیدہ بہادر اور سردار شریک تھے۔ ایسے معرکہ کی جنگ اس سرزمین پر کبھی نہیں ہوئی تھی،

یہ ایسی لڑائی تھی کہ زمین دہل اُٹھی، اور آسمان کانپنے لگا، رومیوں کے تقریباً ایک لاکھ آدمی مارے گئے، تین ہزار کے قریب مسلمانوں نے جامِ شہادت نوش کیا۔

اس جنگ نے رومیوں کی کمر توڑ دی، ہرقل نے انطاکیہ میں یہ خبر سنی تو شام کو الوداع کہا، اور باصد حسرت و ناکامی قسطنطنیہ چلا گیا۔

فتح بیت المقدس

سنہ ۱۶ھ میں عمروؓ بن العاص نے بیت المقدس کا محاصرہ کر لیا، عیسائیوں نے صلح کی درخواست کی۔ اور التماس کی کہ عمرؓ خود آکر معاہدہ صلح لکھیں، رجب سنہ ۱۶ھ میں حضرت علیؓ کو نائب مقام بنا کر، وہ بیت المقدس روانہ ہوئے جابیہ کے مقام پر عہد نامہ امن و صلح لکھا گیا، اس سے فارغ ہو کر وہ بیت المقدس پہنچے، وہی سادہ لباس جس میں پیوند لگے ہوئے تھے، لیکن عظمت و جلال کا یہ عالم کہ بڑے بڑے سرکشوں کی گردنیں خم تھیں!

شمالی افریقہ اور قبرص

سنہ ۲۵ھ میں ابن ابی سرح والی مصر نے عثمانؓ کی اجازت سے شمالی افریقہ پر حملہ کیا، طرابلس الغرب کے حدود میں وہاں کا فرماں روا جرجیر سوا لاکھ فوج

کے ساتھ مقابل ہوا، کافی عرصہ تک جنگ جاری رہی، لیکن کوئی نتیجہ نہ نکلا، پھر عثمانؓ نے عبداللہ بن زبیر کی سرکردگی میں ایک اور فوج بھیجی، انہوں نے ایسا دباؤ ڈالا کہ طرابلس الغرب فتح ہوگیا، پھر ٹیونس، مراکش، الجزائر اور دوسرے ملحقہ علاقے بھی زیر نگیں ہوگئے، اسی سال امیر معاویہ نے جو اب عہد عثمانی میں پورے شام کے والی بن چکے تھے، (۳۲ھ) میں قبرص پر مکمل قبضہ کر لیا۔

عجم سے کابل تک

۲۹ھ میں سارے عجم میں بغاوت کے شعلے بھڑک اٹھے، عبداللہ بن عامر نے اس مہم کو سر کرنے کا بیڑہ اٹھایا، فارس پر دوبارہ قبضہ کر لیا، طبرستان کی بغاوت سعیدؓ بن العاص نے فرو کی، پھر سارا طبرستان فتح کر لیا۔ یہ ۳۰ھ کا واقعہ ہے عبداللہ بن عامر نے اسی سال خراسان کی بغاوت کو دبایا، نیشاپور پر قبضہ کر لیا یزدگرد پھر ادھر آگیا تھا، وہ مارا گیا، ابن عامر کے حسب ہدایت عبدالرحمٰن بن سمرہ نے سجستان کو جیتا، پھر کابل کی طرف بڑھے، داور کے باشندوں کو سرنگوں کیا، پہاڑ پر ٹھوس سونے کا ایک بت تھا، اس کی آنکھیں یاقوت کی تھیں، عبدالرحمٰنؓ نے اس کے ہاتھ کاٹ کر آنکھیں نکال لیں، پھر وہاں کے مرزبان کو واپس کر دیا، اور کہا مقصود صرف یہ دکھانا تھا کہ بت نفع نقصان نہیں پہنچا سکتے پھر ابن عامر کے حسب الحکم عبدالرحمانؓ نے غزنہ سے لے کر کابل تک کا علاقہ فتح کر لیا۔

مصر و اسکندریہ کی فتح

۲۰ھ میں عمروؓ بن العاص نے فسطاط کا محاصرہ کر لیا، فرماں روائے مصر مقوقس (قبطی) تھا، سات مہینے تک محاصرہ جاری رہا، لیکن کوئی نتیجہ نہ نکلا، آخر زبیر کی حسن تدابیر اور فراست سے یہ قلعہ فتح ہوگیا، مقوقس نے صلح کی درخواست

کی جو منظور کر لی گئی، اور بغیر کشت و خون کے مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا۔

اس صلح سے ہرقل بہت برہم ہوا اور ۲۱ھ میں رومیوں کا ایک لشکر گراں اسکندریہ روانہ کر دیا، لیکن مقوقس نے ہرقل کا ساتھ نہیں دیا، بالا آخر یہاں بھی رومیوں کو ذلت بخش شکست ہوئی، اور اسکندریہ فتح ہو گیا، عیسائیوں کو اجازت دی گئی کہ خواہ اسلام قبول کریں یا اپنے مذہب پر قائم رہ کر جزیہ دیں، بہت سے مسلمان ہو گئے، بہت سے اپنے مذہب پر قائم رہے،

شجاعت اور جانبازی

۱۳ھ میں حضرت عمرؓ مسند خلافت پر متمکن ہوئے، ان کے مسند خلافت پر بیٹھتے ہی ان کی طرف سے شورش اور بغاوت کے مظاہرے شروع ہو گئے، مشہور ایرانی سپہ سالار رستم نے مردان شاہ کو تازہ دم فوج کے ساتھ درفش کاویانی کے سایہ میں روانہ کیا کہ وہ مسلمانوں سے لڑے، اور ان کا استیصال کرے، مردان شاہ نے دریائے فرات کے ساحل پر اپنی فوجیں اتار دیں، دریا کے دوسری جانب مسلمانوں کا لشکر تھا۔ مردان شاہ کی ہمت نہ پڑی کہ دریا پار کر کے مسلمانوں سے بھڑ جائے، لیکن سالار جیش اسلام ابو عبید ثقفی جو شوق شہادت سے مخمور تھے انہوں نے رفقار و شرکا کی رائے بھی نہ سنی، اور اپنے لشکر سمیت فرات پار کر کے دشمن کے سامنے پہنچ گئے، لڑائی چھڑ گئی۔ ایرانی فوج میں ہاتھیوں کی بھی ایک قطار تھی، ان ہاتھیوں سے عرب کے گھوڑے پہلی بار آشنا ہوئے تھے۔ وہ بھڑکے مسلمانوں نے گھوڑوں کو چھوڑا، اور پیادہ پا میدان مصاف میں اپنی تلوار کے جوہر دکھانے لگے انہوں نے تلواروں سے ہودوں کی رسیاں کاٹ دیں، اور ہاتھی سوار دھڑا دھڑ گرنے لگے، ابو عبیدؓ ثقفی نے بڑھ کر ایک

ہاتھی پہ وار کیا۔ لیکن خالی گیا۔ ہاتھی نے انہیں سونڈ میں لپیٹا اور کچل دیا، وہ شہید ہو گئے۔ ــــ شہادت ہے مطلوب و مقصود مومن،

اور اس طرح شہید ہو کر انہوں نے آنے والی نسلوں اور مجاہدوں کے سامنے شجاعت اور جانبازی کی ایک نہ بھولنے والی تاریخ پیش کر دی۔

نعمان بن عقرن

نہاوند کی لڑائی، زور شور سے جاری تھی۔ ایرانی بڑے ثبات و استقلال سے لڑ رہے تھے۔ یہ ان کی زندگی اور موت کی جنگ تھی۔ مسلمانوں کی فداکاری اور جانبازی بھی اپنے شباب پر تھی، اسی جنگ کے دوران میں سالارِ لشکرِ اسلام نعمان بن عقرن نے بڑی بہادری سے جان دی۔

حضرت قباث

اسی جنگ میں ــــ قباث کے ہاتھ سے تلواریں اور نیزے ٹوٹ کر گرتے جاتے تھے، مگر ان کے تیور پر بل نہ آتا تھا۔ نیزہ ٹوٹ کر گرتا تو کہتے کوئی ہے جو اس شخص کو ہتھیار دے جس نے خدا سے اقرار کیا ہے کہ میدانِ جنگ سے منہ نہ موڑے گا، لوگ فوراً تلوار یا نیزہ ان کے ہاتھ میں لا کر دے دیتے، اور پھر وہ شیر کی طرح جھپٹ کر دشمن پر جا پڑتے۔

حباش بن قیس

حباش بن قیس جو ایک بہادر سپاہی تھے، بڑی جانبازی سے لڑ رہے تھے اسی اثنا میں کسی نے ان کے پاؤں پر تلوار ماری، ایک پاؤں کٹ کر الگ ہو گیا، حباش کو خبر تک نہ ہوئی۔ تھوڑی دیر کے بعد ہوش آیا تو ڈھونڈتے پھرتے تھے کہ میرے پاؤں کو کیا ہوا؟ ان کے قبیلہ کے لوگ ہمیشہ اس واقعہ پر فخر کرتے تھے۔

ــــــــــ

زبیر بن العوام

محاصرے کو سات مہینے کی طویل مدت گذر گئی، مگر فسطاط کا قلعہ فتح نہیں ہوا عمرو بن العاص رض عاجز آ گئے، تنگ آکر کہا۔ آج میں مسلمانوں پر فدا ہوتا ہوں، یہ کہہ کر ننگی تلوار ہاتھ میں لی اور سیڑھی لگا کر قلعہ کی فصیل پر چڑھ گئے، چند اور صحابہ نے ساتھ دیا، سب نے ایک ساتھ تکبیر کے نعرے بلند کیے۔ ساتھ تمام فوج نے نعرہ مارا کہ قلعہ کی زمین ہل گئی، عیسائی یہ سمجھ کر کہ مسلمان قلعہ کے اندر گھس آئے۔ بدحواس ہو کر بھاگے، ادھر زبیر رض نے قلعہ سے اتر کر دروازہ کھول دیا، تمام فوج اندر گھس گئی، مقوقس نے یہ دیکھ کر صلح کی درخواست کی۔ اور اسی وقت سب کو امان دے گئی۔!

عکرمہ بن ابو جہل

جنگ یرموک میں عکرمہ نے جو ابوجہل کے فرزند تھے، فوج کی طرف دیکھا اور کہا، مرنے پر کون بیعت کرتا ہے"؛ چار سو شخصوں نے بیعت کی، (ان سب نے) اس ثابت قدمی سے لڑائی لڑی کہ تقریباً سب کے سب وہیں کٹ کر رہ گئے۔

ذمّی

ذمّی یا اہل ذمہ وہ غیر مسلم ہے جو مسلمانوں کا مذہب قبول نہیں کرتا لیکن ان کی حفاظت میں آ جاتا ہے، وہ مسلم حکومت میں رہتا ہے، اس کی جان و مال کی حفاظت کی جاتی ہے، اس سے فوجی خدمت نہیں لی جاتی۔ اور اگر وہ فوجی خدمت کرے۔ تو جزیہ ساقط ہو جاتا ہے، اسے اپنے مذہبی معاملات میں پوری آزادی ہوتی ہے۔

اسلام نے ذمیوں کو کیا حقوق دیتے ہیں؟ اور ان حقوق پر عہد خلافت راشدہ میں کس طرح عمل ہوا؟ اسے ہم مختصر طور پر ذیل میں بیان کرتے ہیں۔

حضرت خالد نے اہل حیرہ سے محاصرہ کے بعد ان کی درخواست پر صلح کر لی۔ اور جو صلح نامہ لکھا وہ یہ تھا۔ ——— "اہل حیرہ ایک لاکھ نوّے ہزار درہم سالانہ ادا کریں گے، ہم (مسلمان) اس کے معاوضہ میں ان کی حفاظت کریں گے۔ اگر ان کی حفاظت نہ کر سکیں تو! یہ رقم ان پر واجب نہ رہے گی۔ اور اگر وہ بدعہدی کریں، تو ہم بری الذمہ ہیں ——— "!

حضرت ابو بکرؓ نے از روئے معاہدہ حیرہ کے عیسائیوں کو جو حقوق مرحمت فرمائے وہ یہ تھے ——— "ان کی خانقاہیں اور گرجے منہدم نہ کیے جائیں نہ ان کا کوئی ایسا قصر گرایا جائے، جس میں وہ ضرورت کے وقت دشمنوں کے مقابلہ میں قلعہ بند ہوتے ہوں، ناقوس بجانے کی ممانعت نہ ہو گی۔ نہ تہوار کے موقع پر صلیب نکالنے سے روکے جائیں گے ———"!

حمص کے عیسائی

سنہ ۱۵ھ میں جنگ یرموک کی تیاریوں کے وقت جنگی مصالح کے ماتحت سالار عسکر اسلام ابو عبیدہ نے فیصلہ کیا کہ اپنے مفتوحہ مقام حمص کو چھوڑ کر دمشق کو مرکز بنائیں ——— جب یہ فیصلہ ہو چکا تو ابو عبیدہ نے حبیب بن مسلم کو جو افسر خزینہ تھے بلا کر کہا، اس وقت ہم عیسائیوں کی حفاظت کا ذمہ نہیں لے سکتے، اس لیے جو کچھ ان سے وصول ہوا ہے۔ سب واپس کر دو، چنانچہ کئی لاکھ کی رقم جو وصول ہوئی تھی واپس کر دی گئی، عیسائیوں پر اس واقعہ کا اتنا اثر ہوا کہ وہ روتے جاتے تھے اور جوش کے ساتھ کہتے جاتے تھے خدا تم کو واپس لائے، یہودیوں پر اس سے بھی زیادہ اثر ہوا انہوں نے کہا تورات کی

قسم جب تک ہم زندہ ہیں قیصر، حمص پر قبضہ نہیں کر سکتا۔ ــ [1]
کیا آج بھی فاتح حکومتیں، مفتوح ملکوں اور ملتوں کے ساتھ یہی برتاؤ کرتی ہیں؟

غور سے سنو ـــــ جاپان کے ناگاساکا اور ہیروشیما کیا جواب دیتے ہیں؟ جرمنی کیا کہتا ہے؟ کوریا سے کیا صدا آرہی ہے یا ـــ یا ـــــ جاپان کے دس لاکھ سے زیادہ بن باپ کے بچے کیا فریاد کر رہے ہیں؟ جرمنی کی عصمت دریدہ دوشیزائیں کیوں رو رہی ہیں؟ کوریا کے خرابے اور کھنڈر کیا پکار رہے ہیں؟

پھر بھی، ہم غیر مہذب تھے، اور وہ مہذب ہیں۔
جنوں کا نام خرد پڑ گیا خرد کا جنوں!

عمرؓ کا عہد نامہ

فتح بیت المقدس کے بعد حضرت عمرؓ نے جو عہد نامۂ صلح لکھ کر مفتوح قوم کے حوالہ کیا اس کا خلاصہ:۔

"یہ وہ امان ہے جو خدا کے غلام امیر المؤمنین عمرؓ نے ایلیا کے لوگوں کو دی۔ یہ امان ان کی جان و مال، گرجا، صلیب، تندرست، بیمار، اور ان کے تمام مذہب والوں کے لیے ہے، کہ نہ ان کے گرجاؤں میں سکونت کی جائے، نہ وہ ڈھائے جائیں گے، نہ ان کو یا ان کے احاطوں کو کوئی نقصان پہنچایا جائے گا، نہ ان کی صلیبوں اور ان کے مال میں کچھ کمی کی جائے گی، مذہب کے بارے میں ان پر جبر نہ کیا جائے گا، ایلیا والوں میں سے جو شخص اپنی جان و مال لے کر نکل جانا چاہے تو وہ بھی مامون ہے، تا آنکہ وہ اپنی جائے پناہ تک نہ پہنچ جائے۔

---

[1] الفاروق بحوالہ کتاب الخراج

اس تحریر پر خدا، رسول، خلفاء، اور مسلمانوں کا ذمہ ہے، اس پر خالدؓ بن ولیدؓ عمروؓ بن العاص، عبدالرحمان بن عوف اور معاویہ بن ابی سفیان گواہ ہیں!

لہ ایضاً

خدا سے ڈرو

حضرت عمرؓ نے شام کے سفر میں ایک مقام پر دیکھا کہ ذمیوں پر سختی کی جا رہی ہے۔ سبب پوچھا تو معلوم ہوا کہ انہوں نے جزیہ نہیں ادا کیا۔ دریافت فرمایا کیوں ادا نہیں کیا ہے، جواب ملا عسرت اور ناداری کے باعث۔ فرمایا، انہیں چھوڑ دو، میں نے رسول اللہ سے سُنا ہے، کہ لوگوں کو تکلیف نہ دو، جو لوگ دنیا میں لوگوں کو عذاب دیتے ہیں۔ خدا انہیں قیامت میں عذاب دے گا۔

مُعاہدہ حیرہ

امام ابو یوسف رحمہ نے اپنی مشہور زمانہ کتاب میں لکھا ہے کہ معاہدہ حیرہ میں جو حضرت ابو بکرؓ نے کیا تھا، یہ تصریح ہے کہ "اگر کوئی بوڑھا ذمی کام کرنے کے قابل نہ رہے، یا اس پر مصیبت پڑ جائے، یا غریب اور نادار ہو جائے اور اس کے مذہب والے اسے خیرات دینے لگیں، تو اس کا جزیہ معاف کر دیا جائے گا۔ نیز اس کی آل اولاد کو مسلمانوں کے بیت المال سے مصارف معیشت دیئے جائیں گے۔" ۲ے

غدار وطن ذمی

شام جب فتح ہوا۔ تو عرب سوس بھی فتح ہوا جس کی سرحد ایشیائے کوچک سے ملی ہوئی تھی۔ صلح کے باوجود یہاں کے لوگ غداری سے باز نہ آتے تھے،

لہ طبری سلہ کتاب الخراج۔

ذمیوں سے در پردہ ساز باز رکھتے تھے، جاسوسی کرتے رہتے تھے، وہاں کے حاکم عمیر بن سعد کو عمرؓ نے لکھا،

—"جس قدر ان کی جائداد، زمین، مویشی اور اسباب ہے، سب شمار کرکے ایک ایک چیز کی دو چند قیمت دے دو، اور ان سے کہہ دو کہ یہاں سے چلے جائیں، اور اگر یہ (ذمی) اس پر بھی راضی نہ ہوں تو ایک برس کی مہلت دو، پھر جلا وطن کردو [1]

مجمع عام میں

عمروؓ بن العاص (فاتح مصر) کے فرزند ارجمند نے جب ایک قبطی عیسائی کو بے وجہ مارا تو حضرت عمرؓ نے اس قبطی کے ہاتھ سے مجمع عام میں سزا دلوائی، اور عمرو بن العاص اور ان کے بیٹے کی طرف مخاطب ہوکر کہا۔

مذکم تعبدتم الناس	تم نے لوگوں کو غلام کب سے بنا لیا
وقد ولدتھم امھم	ہے؟ حالانکہ ان کی ماؤں نے انہیں
احرارا	آزاد جنا تھا!

ذمیوں کے حقوق

حضرت علیؓ نے ایک مرتبہ قرظہ بن کعب انصاری کو لکھا،

تمہارے علاقہ کے ذمیوں نے درخواست دی ہے کہ ان کی ایک نہر پٹ کر مٹ گئی ہے، جس کا بنانا مسلمانوں کا فرض ہے مجھے ان کا آباد رہنا زیادہ پسند ہے، بہ نسبت اس کے کہ وہ ملک سے نکل جائیں یا عاجز و درماندہ ہو جائیں، یا ملک کی بھلائی میں حصہ لینے کے قابل نہ رہیں،

---

[1] فتوح البلدان (الفاروق)

غلامی

حضرت علیؓ فرمایا کرتے تھے مجھے ایسے شخص کو غلام کہتے ہوئے شرم آتی ہے جو کہتا ہے میرا پروردگار اللہ ہے، ایک دفعہ آپ نے اپنے غلام کو کچھ دام دیئے اور فرمایا، دو مختلف قیمتوں کے کپڑے خرید لاؤ، پھر آپ نے قیمتی کپڑا اسے دے دیا، اور معمولی اپنے لیے رکھ لیا، اور فرمایا، تم جوان ہو تمہیں زیب و زینت کی خواہش ہونی چاہیئے، میرا کیا میں اب عمر رسیدہ ہوں ——— [۱]

حضرت ابوبکرؓ نے بہت سے غلاموں کو خریدا اور راہِ خدا میں آزاد کر دیا۔ حضرت بلال حبشی انہی کے آزاد کردہ غلام تھے،

صحیح بخاری کتاب المکاتب میں ہے کہ حضرت انسؓ کے غلام شیریں نے مکاتبت کی درخواست کی، انس نے انکار کیا، شیریں حضرت عمرؓ کے پاس حاضر ہوا، آپ نے انس کو مجبور کیا کہ وہ مکاتبت تسلیم کر لیں۔ تاکہ وہ اپنی حسب خواہش آزاد ہو سکے،

حضرت عمرؓ نے بدر وغیرہ کے مجاہدین کی جب تنخواہیں مقرر کیں تو ان کے غلاموں کی بھی انہی کے برابر تنخواہ مقرر کی، اضلاع کے جو عمال تھے، ان کی نسبت ہمیشہ یہ بھی دریافت کرتے رہتے تھے غلاموں کے ساتھ ان کا برتاؤ کیا ہے؟ اگر یہ معلوم ہوتا وہ غلاموں کی عیادت کو نہیں جاتا تو صرف اسی جرم پر معزول و موقوف کر دیتے تھے، اکثر غلاموں کے ساتھ کھانا کھایا کرتے تھے، اور حاضرین کو سنا کر کہتے تھے، خدا ان لوگوں پر لعنت کرے، جن کو غلاموں کے ساتھ کھانا کھانے سے انکار ہے، سرداران فوج لکھو کھلا بھیجا

تمہارا کوئی غلام کسی کو امان دے تو وہ امان تمام مسلمانوں کی طرف سے سمجھی جائے،

بیت المال!

مسلمانوں کا بیت المال کیا تھا، اس کی نوعیت کیا تھی؟ خلافتِ راشدہ کے دور میں اس کی کیا کیفیت رہی؟ یہ داستان بھی سننے کے لائق ہے،

آخر عہد میں حضرت ابوبکرؓ نے بیت المال کے لیے ایک عمارت تعمیر کرائی تھی، لیکن اس میں کوئی رقم جمع کرنے کی نوبت نہ آئی، ایک مرتبہ کسی نے کہا، آپ بیت المال کی حفاظت کے لیے کوئی محافظ کیوں نہیں رکھتے؟ جواب دیا اس کی حفاظت کے لیے ایک قفل کافی ہے ——"!

اس لیے کہ نہ عوام سے بچے ہوئے روپیہ کی افراط تھی، نہ عوام کی نیت خراب تھی!

— اکثر ایسا ہوتا کہ روپیہ تقسیم کرنے کے بعد حضرت ابوبکرؓ بیت المال میں جھاڑو پھروا دیتے، وفات کے بعد جب بیت المال کا جائزہ لیا گیا تو اس میں صرف ایک درہم نکلا ——[1]"

ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ بیت المال کا ایک اونٹ بھاگ گیا عمرؓ بہ نفسِ نفیس اس کی تلاش میں نکلے، کسی شخص نے کہا، آپ کیوں تکلیف کرتے ہیں کسی کو حکم دیجئے تلاش کرلائے گا، جواب دیا "ای عبد اعبد منی" یعنی مجھ سے بڑھ کر کون غلام ہو سکتا ہے؟"

آج اشتراکیت اور عوامیت کے اس دور میں بھی حکومت کے سربراہ —— کو عوام کی امانت کا اتنا پاس و لحاظ ہے؟

حضرت علیؓ بیت المال کے مصارف پر بڑی کڑی نظر رکھتے تھے، اپنی ذات پر بھی کچھ نہیں خرچ کرتے تھے، ایک بار عمروؓ بن سلم اصفہان کا خراج لائے، اس میں شہد بھی تھا، اور چربی بھی آپ کی صاحبزادی حضرت ام کلثوم کو شہد کی ضرورت تھی، عمرو بن سلم نے کچھ شہد اور چربی بھیج دی، حضرت علیؓ نے چربی اور شہد فوراً واپس منگا کر بیت المال میں داخل کر دی، جو حصہ خرچ ہو چکا تھا اس کی قیمت ادا فرما دی ۔

ابو رافعؓ عہد علویؓ میں بیت المال کے نگران تھے، ایک مرتبہ اُنہیں ٹوکا، اور فرمایا ـــ "تمہارا یہ حال ہے کہ اپنی لڑکی کو بیت المال کے موتیوں سے آراستہ کرتے ہو، جب فاطمہ کے ساتھ میری شادی ہوئی، تو میرے پاس مینڈھے کی صرف ایک کھال جس پر رات کو سوتا تھا، اور دن کو اسی پر مویشی کو چارا دیتا تھا، ایک خادم تک میرے پاس نہ تھا"!

جاڑے کا موسم تھا اور حضرت علیؓ ایک پرانی چادر اوڑھے کانپ رہے تھے، ایک شخص نے عرض کیا، امیر المومنین بیت المال میں آپ کا اور آپ کے اہل و عیال کا بھی حق ہے۔ فرمایا تمہارے حصہ کو نقصان نہیں پہنچا سکتا، یہ چادر میں مدینہ سے اپنے ساتھ لایا تھا۔

بغاوت!

حضرت عمرؓ کے عہد خلافت میں جب وہ منصب خلافت پر فائز ہوئے تو پوران دخت ملکہ نے مشہور مدبر اور مانے ہوئے بہادر رستم کو ایرانی افواج کا سپہ سالار بنایا، اُس نے ایرانیوں کے مذہبی جذبات بھڑکا دیئے، سارے ایران میں مسلمانوں کے خلاف آگ لگا دی، پوری ایرانی قوم مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے کمر

بورش و انتقام بن گئی، اور چند ہی بعد میں عراق کے تمام مفتوحہ علاقوں میں بغاوت کی چنگاریاں پھیل گئیں، یزدان وخت نے ایران کے دو مشہور بہادروں، نرسی اور جابان کو رستم کی امداد و اعانت پر مقرر کیا، یہ دونوں اپنی فوجیں لے کر دو مختلف راستوں سے مسلمانوں کے مقابلہ کے لیے چل پڑے۔ دوسری طرف سے ابو عبیدہ ثقفی آرہے تھے، خارج کے مقام پر ان کی اور جابان کی مڈبھیر ہوگئی، ابو عبیدہ نے جابان کے لشکر کو ذلت بخش شکست دی، کئی چنیدہ افسر ہلاک ہوئے اور خود جابان زندہ و سلامت گرفتار ہوگیا، لیکن جابان کو مسلمانوں کے لشکر میں کوئی پہچانتا نہیں تھا، اس نے دھوکہ سے کام لیا، اور رہائی حاصل کرلی، رہائی کے بعد بعض مسلمانوں نے اسے پہچان لیا، اور پھر سے گرفتار کرلیا اور ابو عبیدہ کی خدمت میں پیش کیا، انہوں نے سارا ماجرا سُنکر فرمایا،

"ہم بد عہدی نہیں کرسکتے، اسے ایک مسلمان (خواہ غلط فہمی سے سہی) رہا کر چکا ہے، لہٰذا یہ آزاد کر دیا جائے"۔ یہ حکم سنتے ہی مسلمانوں کی گردنیں جھک گئیں، اور مملکت کا یہ بڑا باغی آن کی آن میں رہا کر دیا گیا۔

بصیرت اور فراست

اس باب میں ہم ایسے واقعات کا ذکر کریں گے، جن سے معلوم ہوگا کہ نازک ترین لمحات میں بھی خلفائے راشدین کی بصیرت اور فراست نے کس خوبی سے بڑے بڑے فتنوں اور طوفانوں کا قلع قمع کیا، کس کامیابی سے شورش اور بغاوت کا استیصال کیا، کس پامردی اور استقلال سے ناموافق اور ناسازگار حالات میں بھی وہی کیا جو حق صداقت اور دین کا تقاضا تھا۔

آنحضرتؐ کے وفات پاتے ہی بعض قبائل عرب مرتد ہوگئے، بعض

جھوٹے مدعیان نبوت پیدا ہوگئے، بعض لوگ اسلام پر تو قائم رہے، لیکن زکوٰۃ کے ادا کرنے سے انکار کرنے لگے،

حضرت ابو بکر رضؓ کے مسندِ خلافت پر بیٹھتے ہی یہ سب مسائل آپ کے سامنے حل طلب طور پر پیش ہوئے، لیکن آپ ذرا بھی ہراساں نہیں ہوتے، مرتدین کا مقابلہ کیا، مدعیانِ نبوت کا قلع قمع کیا، اور مانعین زکوٰۃ کو مجبور کیا کہ وہ بیت المال میں زکوٰۃ کی رقم ادا کریں اور عین اس زمانہ میں جب یہ فتنے اٹھ رہے تھے، اور شورشیں برپا ہو رہی تھیں، آپ نے خدا کی نصرت پر بھروسہ کرکے اسامہؓ بن زید کی سرکردگی میں وہ مہم بھی مدینہ سے باہر بھیج دی جسے رسول اللہؐ نے مامور کیا تھا، اور جب بدلے ہوئے حالات میں اجل صحابہ تک فوج کو مدینہ سے باہر بھیجنے کی رائے دیتے ہوئے ہچکچا رہے تھے، یہ سارے کارنامے آپ کی بصیرت اور فراست پر دال ہیں، اگر آپ نے مہم نہ بھیجی ہوتی، یا مانعین زکوٰۃ کے سامنے سر خم کر دیا ہوتا، یا مرتدین سے چشم پوشی کی ہوتی، یا مدعیانِ نبوت کو مہلت دی ہوتی، تو اسلام ایک تماشہ بن کر رہ جاتا،

عبداللہ بن عمرؓ نے ابو لولو قاتل عمر رضؓ کے ایک ساتھی کو شبہ کی بنا کر قتل کر دیا، مقدمہ حضرت عثمان رضؓ کے ہاں پیش ہوا، انہوں نے صحابہ سے رائے لی، حضرت علی رضؓ نے کہا، قصاص لیا جائے، بعض صحابہ نے کہا، کل عمر رضؓ قتل ہو چکے ہیں، آج ان کے لڑکے کو قتل کرنا مناسب نہیں ہے، عمرو بن العاص نے کہا، آپ عبداللہ کو معاف کر دیں گے تو اُمید ہے خدا آپ سے اس کا مواخذہ نہ کرے گا، اس اختلاف رائے پر آپ نے فرمایا، چونکہ مقتول کا کوئی وارث نہیں ہے، اس لیے میں بحیثیت ولی کے قصاص کو دیت سے بدلے دیتا ہوں،

اور اپنی جیب خاص سے دیت ادا کر دی[1]۔

پاسِ عہد بحالتِ جنگ

جنگ انسان کا باہمی توازن ختم کر دیتی ہے، عدل، انصاف، رواداری انسانیت کا خاتمہ ہو جاتا ہے، کوشش صرف ایک امر پر مرکوز رہتی ہے کہ دشمن کو شکست دی جائے،

آج سے چودہ سو برس پہلے کو چھوڑیئے، آج جب کہ دُنیا اتنی ترقی کر گئی ہے، کیا حال ہے، کیا اس تمدن اور حضارت کے عہد میں بھی بے گناہ شہریوں پر بم نہیں پھینکے جاتے؟ کیا دُشمن قوم پر اندھا دھند ایٹم بم نہیں برسائے جاتے؟ کیا کھیتوں کو نہیں جلایا جاتا، کیا پانی میں زہر نہیں ملایا جاتا کیا متعدی بیماریوں کے جراثیم کی "نشر و اشاعت" نہیں ہوتی؟ کیا آگ نہیں لگائی جاتی؟

یہ سب کچھ ہوتا ہے، امن کے نام پر ہوتا ہے، "انسانیت" کی خاطر ہوتا ہے، لیکن آج سے ۱۴ سو برس پہلے ایک اُمّی نے اپنے دورِ حکومت میں کیا کیا؟ اس کے خلفائے راشدین نے کیا کیا؟ اس داستان کو دُنیا نہ سُنے یہ دوسری بات ہے، لیکن اسے فراموش نہیں کیا جا سکتا،

۱۳ھ میں حضرت ابوبکرؓ نے شام پر فوج کشی کے لیے چند سردار منتخب فرمائے تو ان سے کہا ــــــ "تم ایسے لوگوں کو پاؤ گے جنھوں نے اپنے آپ کو خدا کی عبادت کے لیے وقف کر دیا ہے (عیسائیوں کے راہب مراد

---

[1] تاریخ اسلام بحوالہ ابن اثیر

ہیں، ان کو چھوڑ دینا، کسی عورت، بوڑھے اور بچہ کو نہ قتل کرنا، پھل دار درختوں کو نہ کاٹنا، کسی آباد جگہ کو ویران نہ کرنا، کھانے کے سوا بکری اور اونٹ کو بیکار ذبح نہ کرنا، نخلستان نہ جلانا، مالِ غنیمت میں غبن نہ کرنا، بزدلی نہ دکھانا۔[1]"

قیصر روم نے جب مسلمانوں کے مقابلہ میں اپنا ٹڈی دل لشکر فراہم کیا، تو حمص نے مقام پر ۱۵ھ میں سالار عسکر اسلام ابو عبیدہ نے مسلمان افسروں سے خطاب کرتے ہوئے کہا ۔۔۔ "خدا نے تم کو بار بار جانچا، اور تم اس جانچ میں پورے اترے، اس کے صلہ میں خدا نے تم کو ہمیشہ مظفر و منصور رکھا۔ اب تمہارا دشمن اس سروسامان سے تمہارے مقابلہ کے لیے چلا ہے کہ زمین کانپ اٹھی ہے، اب بتاؤ کیا صلاح ہے؟ معاویہ کے بھائی، یزید بن ابی سفیان نے کہا میری رائے ہے کہ عورتوں اور بچوں کو شہر میں رہنے دیا جائے، اور ہم خود شہر کے باہر لشکر آرا ہوں، اس کے ساتھ ہی ساتھ خالدؓ اور عمروؓ بن العاصؓ کو خط لکھا جائے کہ وہ دمشق اور فلسطین سے چل کر مدد کو آئیں شرجیلؓ بن حسنہؓ نے کہا اس موقع پر ہر شخص کو آزادانہ رائے دینی چاہیے یزید کی رائے بے شبہ خیرخواہی پر مبنی ہے، لیکن میں اس کا مخالف ہوں شہر والے عیسائی ہیں، ممکن ہے وہ تعصب سے ہمارے اہل و عیال کو پکڑ کر قیصر کے حوالے کر دیں، یا خود مار ڈالیں، ابو عبیدہؓ نے کہا اس کی تدبیر یہ ہے کہ ہم عیسائیوں کو اس شرط پر امن دیا ہے کہ وہ شہر میں اطمینان سے رہیں، ان سے نقض عہد کیونکر ہو سکتا ہے؟

ابو عبیدہؓ نے اپنی غلطی تسلیم کر لی ۔۔۔"

---

[1] تاریخ الخلفاء

آج چودہ سو برس کے بعد مہذب اور متمدن دُنیا کے لڑنے والے اسلام کے ان اصولوں سے آگے نکل گئے ہیں،

سیستان کی شرط

سنہ ۲۳ھ میں سیستان نے اطاعت قبول کر لی، اہلِ سیستان کی شرط یہ تھی کہ اُن کی تمام اراضی محفوظ قرار دی جائے، اور مسلمان اس سے کوئی سروکار نہ رکھیں، مسلمانوں نے یہ بات مان لی، اور اس شرط کا اتنا پاس و لحاظ رکھا، کہ کھیتوں کے پاس سے جلدی سے گذر جاتے تھے کہ چھو نہ جائیں [۱]

فاتحانہ اور مصالحانہ

سنہ ۱۴ھ میں دمشق فتح ہوا، یہ فتح بھی عجیب و غریب تھی، ایک طرف سے خالدؓ اپنے لشکر کو لیکر فاتح و منصور بن کر داخل ہوئے، دوسری طرف ابو عبیدہؓ نے عیسائیوں کی درخواست منظور کر لی، اور مصالحانہ داخل ہوئے، چونکہ ابو عبیدہؓ صلح کر چکے تھے، لہٰذا، یہ تسخیر، مصالحانہ قرار پائی، فاتحانہ نہیں، نتیجہ یہ ہوا کہ دمشق کے عیسائیوں سے نہ مالِ غنیمت لیا گیا، نہ کسی کو لونڈی یا غلام بنایا گیا [۲] — ابو عبیدہؓ صلح کر چکے تھے، مسلمانوں کا پاسِ عہد، جنگ کی فتح مندیوں اور فیروز مندیوں پر بھی غالب آتا ہے، اور غالب آیا،

جارج کا اسلام

جنگ یرموک کے موقع پر رومیوں نے طلب سفارت کے لیے اپنا سفیر جارج نامی مسلمانوں کے لشکر بھیجا، سفیر جب پہنچا تو مغرب کی نماز کی تیاریاں ہو رہی تھیں، نماز شروع ہوئی، مسلمانوں کی محویت اور استغراق دیکھ کر اسے سکتہ سا ہو گیا، نماز کے بعد اُس نے ابُو عبیدہؓ سے پوچھا مسیحؑ کے بارے میں تمہارا کیا اعتقاد

[۱] ابن اثیر، [۲] طبری

ہے ؛ ابو عبیدہؓ نے چند آیتیں پڑھیں، جو حضرت عیسےٰ رض کی رسالت اور عبدیت سے متعلق تھیں، وہ سنکر بے ساختہ کہہ اٹھا بلاشبہ تمہارا پیغمبر سچا ہے، پھر اس نے کلمہ پڑھا اور مسلمان ہو گیا ر

جارج (مسلمان) ہوکر اپنی قوم (عیسائیوں) کے پاس نہیں جانا چاہتا تھا لیکن ابو عبیدہؓ نے اس خیال سے کہ بدعہدی کا خیال نہ ہو، اُسے واپس جانے پر مجبور کیا ۔۔۔ ۔

عدل و انصاف و مساوات

۔۔ قاضیوں کا تقرر خلافت کی طرف سے کیا جاتا، حضرت عمر رض نے قاضیوں کے لیے ایک لائحہ عمل مقرر کیا تھا ۔۔۔

"مدعی، مدعا علیہ کو ایک نظر سے دیکھو، اُن کی نشست میں کسی قسم کا امتیاز روا نہ رکھا جائے، عدل و انصاف میں کسی کے ساتھ رعایت نہ کرو، جن جدید مسائل پر تعدد پیدا ہو ان میں عقل و درایت سے کام لو، پچھلے نظائر اور امثال کی روشنی میں غور کرو۔ مدعی کو اتنی مہلت دو کہ وہ گواہ اور ثبوت آسانی سے پیش کر سکے، مسلمان ایک دوسرے کے لیے عادل گواہ کی حیثیت سے پیش ہو سکتے ہیں، بجز ان مسلمانوں کے جن پر شرعی حد جاری ہو چکی ہے، جن کی جھوٹی گواہی کا تجربہ ہو چکا ہو، یا اُن کا فریق مخالف کے ساتھ ذاتی تعلق یا قرابت جاری ہو ۔۔۔ لہ"

۔۔ عدالت اعلیٰ میں ماتحت عدالت کے فیصلے اس وقت بھیج دیئے

لہ النظم الاسلامیہ

جاتے تھے۔ جب وہ انہیں نافذ کرنے کی طاقت نہیں رکھتی تھی، جب فریقین کو اس کے فیصلہ سے اطمینان نہ ہوتا تھا، تو وہ عدالتِ اعلیٰ میں اپیل کر سکتے تھے خلافتِ راشدہ میں صرف علیؓ نے عدالتِ اعلیٰ کے فرائض انجام دیئے، آپ نے اس کے لیے کوئی دن یا وقت مقرر نہیں کیا تھا، بلکہ شب و روز میں جس وقت بھی کوئی مظلوم داد خواہ ہوتا اسی وقت انصاف کر دیتے ——— سے[1]

محتسب احکامِ شرعی کا تحفظ اور ان کی پابندی کراتا تھا، منڈیوں اور بازاروں کے نظم و نسق کی نگرانی کرتا تھا، وہ وزنوں اور پیمانوں کی جانچ پڑتال بھی کرتا رہتا تھا، اور اس کام کے لیے ایک باقاعدہ دفتر بھی موجود تھا[2] جہاں تمام دوکانداروں اور خرید و فروخت کرنے والوں کو معین اوقات میں آنا پڑتا تھا،

حضرت عمرؓ نے سب سے پہلے احتساب کا نظام قائم کیا ———!
حضرت علیؓ اور ابوبکرؓ کے زمانہ میں بھی احتساب کی کارفرمائی جاری تھی، خلافتِ راشدہ کے بعد دوسرے ادوار میں اس شعبہ نے خاصی ترقی کر لی۔

——— !"

مساوات کا شور ہم آج بھی سنتے ہیں، اور اس شور سے کان پڑی آواز نہیں سنائی دیتی، لیکن اسلام نے مساوات کا جو نظارہ دُنیا کو دکھایا اس کی مثال آج تک نہ مل سکی، عہدِ خلافتِ راشدہ میں مساوات کی جو مثالیں چند سال کی مختصر سی مدت میں نظر آگئیں، وہ جمہوریت اور عوامیت کے صدہا سال میں بھی نظر نہ آسکیں،

—— عہد صدیقی میں زکوٰۃ، عشر، جزیہ اور غنیمت کی آمدنی مد کافی

[1] النظم الاسلامیہ بحوالہ احکام السلطانیہ

اضافہ ہوگیا تھا، لیکن حضرت ابو بکرؓ نے کوئی خزانہ نہیں قائم کیا، اسلامی ضروریات میں صرف کرنے کے بعد جو کچھ بچتا، اس کو بلا تفریق آزاد و غلام، ادنیٰ و اعلیٰ مرد اور عورت، عام مسلمانوں میں تقسیم فرما دیتے، اس مساوات پر ایک شخص نے اعتراض کیا، تو فرمایا، فضل و منقبت اور شے ہے، اس کو رزق کی کمی بیشی سے کوئی علاقہ نہیں ہے[1]!

حضرت عمرؓ پر مقدمہ

ایک مرتبہ ابن ابی کعب نے عمرؓ کے خلاف زید بن ثابت کی عدالت میں مقدمہ دائر کیا، عمرؓ مدعا علیہ کی حیثیت سے پیش ہوئے، حضرت زیدؓ نے تعظیم کی، عمرؓ نے فرمایا یہ تمہارا پہلا ظلم ہے، یہ کہہ کر اپنے فریق ابی کے ساتھ بیٹھ گئے، اُبی کے پاس کوئی ثبوت نہ تھا، عمرؓ کو دعوے سے انکار تھا، ابی نے قاعدے کے موافق عمرؓ سے قسم لینی چاہی، زید نے ابی سے کہا، امیرالمومنین کو قسم سے معاف رکھو، عمرؓ اس ترمیم پر آزردہ ہوگئے، فرمایا جب تک تمہارے نزدیک ایک عام آدمی اور عمر برابر نہ ہوں اس وقت تک تم منصب قضا کے اہل نہیں ہو سکتے[2]

ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ صحابیٔ رسول ابی بن کعب کی خدمت میں کچھ لوگ حاضر ہوئے، جب وہ اٹھے تو از راہ تعظیم لوگ ساتھ ہو گئے، اسی موقع پر عمر کا ادھر سے گذر ہوا، انہوں نے فوراً ابی کے ایک کوڑا لگایا، فرمایا۔ — "تم نہیں جانتے اس طرح کی تعظیم تبوع کے لیے فتنہ اور تابع کے لیے ذلت ہے[3]!

---

[1] تاریخ اسلام بحوالہ طبقات ابن سعد [2] تاریخ اسلام بحوالہ کنزالعمال [3] تاریخ اسلام بحوالہ مسند دارمی۔

فرمانروائے وقت جبلہ بن ایہم مسلمان ہو گیا طوافِ کعبہ کے وقت اس کی چادر کا ایک گوشہ بدو کے پاؤں کے نیچے آگیا، جبلہ نے اس کے منہ پر ایک تھپڑ مارا، بدو نے بھی ترکی بہ ترکی جواب دیا، جبلہ نے عمرؓ سے شکایت کی، فرمایا، تم نے جیسا کیا ویسا پایا، جبلہ نے کہا، ہم وہ ہیں کہ اگر ہم سے کوئی گستاخی کرے تو اس کی سزا قتل ہے، جواب دیا۔ ہاں عہدِ جاہلیت (کفر) میں ایسا ہی تھا، لیکن اسلام نے پست و بلند کو ایک کر دیا ہے"!

قریش کے کچھ سردار، ایک مرتبہ حضرت عمرؓ سے ملنے آئے، اتفاق سے صہیب، بلال اور عمار وغیرہ موجود تھے، جو آزاد شدہ غلام تھے، اور دنیاوی لحاظ سے معمولی درجہ کے لوگ سمجھے جاتے تھے، عمرؓ نے سب سے پہلے انہی لوگوں کو بلایا، سردارانِ قریش انتظار میں باہر بیٹھے رہے، ابوسفیان کو یہ طرزِ عمل ناگوار گذرا تھا، خدا کی قدرت ہے، غلاموں کو باریابی کی اجازت ملتی ہے ہم منتظر بیٹھے ہیں، ایک ساتھی نے کہا، ہم کو عمر کی نہیں اپنی شکایت کرنی چاہیئے، اسلام نے سب کو ایک آواز سے بلایا، لیکن جو اپنی شامت سے پیچھے پہنچے، وہ آج بھی پیچھے رہنے کے مستحق ہیں ——!

علیؓ اور یہودی

ایک مرتبہ حضرت علیؓ کی زرہ کھو گئی وہ ایک یہودی کو ملی، آپ نے اُسے دیکھ کر پہچان لیا، اور قاضی شریح کی عدالت میں دعویٰ کیا، قاضی نے حضرت علی سے ثبوت مانگا، آپ ثبوت نہ دے سکے، قاضی نے یہودی کے حق میں فیصلہ کر دیا، وہ اس واقعہ سے اتنا متاثر ہوا کہ فوراً مسلمان ہو گیا، اُس نے کہا —— یہ انصاف تو پیغمبروں جیسا ہے، امیرالمؤمنین مجھے اپنی عدالت کے قاضی کے سامنے پیش کرتے ہیں اور قاضی امیرالمؤمنین کے خلاف فیصلہ دیدیتا ہے۔!

آزادیٔ تقریر

ایک دفعہ حضرت عمرؓ سے ایک آدمی نے برسرِ عام کہا، عمرا کیا عاملوں (گورنروں) کے لیے چند قواعد مقرر کر دینے سے تم عذابِ الٰہی سے بچ جاؤ گے؟ تم کو یہ خبر ہے کہ ——— عیاض بن غنم جو مصر کا عامل ہے، باریک کپڑے پہنتا ہے اور اس کے دروازے پر دربان مقرر ہے!
عمرؓ نے محمد بن مسلمہ کو بلایا، اور حکم دیا، عیاض کو جس حالت میں پاؤ ساتھ لے آؤ، محمدؓ نے وہاں پہنچ کر دیکھا تو واقعی دروازے پر دربان تھا، اور وہ باریک کرتہ پہنے بیٹھے تھے اسی ہئیت اور لباس میں انہیں لے کر مدینہ آئے حضرت عمرؓ نے وہ کرتہ اتروا کر بالوں کا ایک کرتہ پہنوایا اور بکریوں کا ایک گلہ منگوا کر حکم دیا جنگل میں لے جا کر چراؤ، عیاض کو انکار کی مجال نہ تھی، مگر بار بار کہتے تھے اس سے مرجانا بہتر ہے، عمر نے کہا، تجھے اس سے عار کیوں ہے؟ تیرے باپ کا نام غنم اسی لیے پڑا تھا کہ وہ بکریاں چرایا کرتا تھا، عیاض نے دل سے توبہ کی اور جب تک زندہ رہے اپنے فرائض نہایت خوبی سے سرانجام دیتے رہے[1]!

حضرت عمرؓ نے ایک مرتبہ منبر پر چڑھ کر کہا، "صاحبو اگر میں دنیا کی طرف جھک جاؤں تو تم کیا کروگے؟ ایک شخص وہیں کھڑا ہو گیا۔ اور تلوار میان سے کھینچ کر بولا، تمہارا سر اڑا دیں گے، عمرؓ نے اس کے آزمانے کو ڈانٹ کر کہا کیا تو میری شان میں یہ لفظ کہتا ہے، اس نے کہا، ہاں ہاں تمہاری شان میں عمرؓ نے کہا، الحمدللہ قوم میں ایسے لوگ موجود ہیں کہ میں کج ہوں گا تو وہ

---

[1] الفاروق بحوالہ کتاب الخراج۔

سیدھا کر دیں گے ۔ !

حضرت عثمانؓ اور عمروؓ بن العاصؓ

۲۵ھ میں حضرت عثمانؓ نے عمروؓ بن العاصؓ کو معزول کر کے عبداللہؓ بن ابی سرحؓ کو مصر کا گورنر بنا دیا، عمروؓ بن العاص سے مصر کا خراج زیادہ موصول نہیں ہوتا تھا، تقاضہ پر انہوں نے عثمانؓ سے کہا، اونٹنی اس سے زیادہ دودھ نہیں دے سکتی، ابن ابی سرح نے دوسرے سال بہت کافی توفیر دکھائی، عثمانؓ نے عمرو بن العاص سے کہا: دیکھو اونٹنی نے دودھ دیا! عمروؓ نے جواب دیا "ہاں لیکن بچے بھوکے رہ گئے"!

ابو موسیٰؓ سے سوال

ابو موسےٰ اشعری بصرہ کے والی تھے، ۲۹ھ میں کردوں نے بغاوت کی ابو موسےؓ نے جہاد پر وعظ کیا، اور راہِ خدا میں پیادہ پا چلنے کے فضائل بیان کئے بہت سے لوگ آمادہ ہو گئے، ابو موسےؓ جب روانہ ہوئے، اُن کی سواری میں ایک عمدہ ترکی گھوڑا تھا، اور چالیس خچروں پر ان کا سامان بار تھا، ایک شخص نے بڑھ کر باگ روک لی، اور کہا، "قول و فعل میں یہ اختلاف؛ اب ہم کو سواری دو اور خود پیدل چلنے کا ثواب حاصل کرو، ابو موسےٰ نے کوڑا مارا، لوگ شکایت لے کر عثمانؓ کے پاس پہنچے اور ابو موسےٰ کی معزولی کا مطالبہ کیا۔ حضرت عثمانؓ نے ابو موسےٰ کو معزول کر کے عبداللہؓ بن عامر کو والی مقرر کر دیا ۔۔۔۔ [1]

---

[1] تاریخ اسلام بحوالہ ابن اثیر

حکومتِ اسلامیہ کا ربط و تعلق

غیر مسلم اقوام و ملل کے ساتھ

کسی قوم کی رواداری یا نارواداری کا سچا اور اصلی پیمانہ یہ ہے کہ دوسری قوموں اور ملتوں کے ساتھ اس کی پالیسی کیا ہے؟ برتاؤ کیا ہے؟ معاملات اور تعلقات کی کیفیت کیا ہے؟

مصر سے علامہ عبدالوہاب خلاف مفتش بالمحاکم شرعیہ کی ایک بڑی اہم کتاب، آج سے، بارہ پندرہ سال پہلے "السیاستہ الشرعیہ" کے نام سے شائع ہوئی تھی، میں اس پوری کتاب کا ترجمہ کر چکا ہوں، لیکن، اس موقع پر کسی طرح بھی میں اس کے ایک باب کو قارئین کرام کی خدمت میں پیش کیے بغیر نہیں رہ سکتا۔ اس باب میں فاضل مصنف نے بڑی دیدہ کاری اور عرق ریزی سے اس موضوع پر گراں بہا اور قابل قدر مواد فراہم کیا ہے، اس باب کے مطالعہ سے بہت سی غلط فہمیاں اسلام اور اس کی سیاست کے بارے میں رفع ہو جائیں گی"!

علامہ عبدالوہاب فرماتے ہیں: —

غیر حکومتوں کے ساتھ جو تعلقات و روابط قائم کئے جاتے ہیں وہی سیاست خارجی کہلاتے ہیں، پچھلے زمانہ میں اس قسم کے صلات باہمی مساعد نہیں ہوا کرتے تھے، کیونکہ قوی حکومت، ضعیف قوم کو غلام بنا لینا چاہتی تھی، اور ضعیف

قوم کو ہمیشہ دھڑکا لگا رہتا تھا کہ قوی قوم کہیں اسے کچل نہ دے، لیکن اگر باہمی طور پر ضمانات موجود ہوں، تو طمع اور ہوس کا دروازہ بھی بند ہو جائے گا، اور خوف و دہشت کا سدباب بھی ہو جائے گا، لہٰذا ہر امت ایک دوسرے سے الگ رہتی تھی، اور کسی قوم کی سیاستِ خارجیہ جنگ و پیکار، اور قتل و غارت کے سوا کچھ اور نہیں ہوتی تھی۔

عصرِ حاضر کے تعلقاتِ خارجیہ

لیکن زمانہ جدیدہ کی قومیں جب ایک دوسرے سے ضروریات و احتیاجات رکھنے پر مجبور ہوتی ہیں اور ایک دوسرے سے بے نیازی نہیں برت سکتیں تو انہیں یہ حاجات متبادلہ مجبور کرتے ہیں کہ تعلقاتِ خارجیہ ایک دوسرے سے قائم کریں، چنانچہ اس سلسلہ میں خاص اصول بھی وضع کر لئے گئے ہیں، اور قوانین بھی بنا لئے گئے ہیں، اور ایسی قوتیں بھی رکھی گئی ہیں، جو ان قوانین کی تنفید کی کفیل ہوتی ہیں، اس سلسلہ میں قانون دولی کا علم مرتب و منضبط ہوا، اور ایسے قواعد بنائے گئے کہ ہر حکومت کے حقوق ایک دوسرے سے رابطہ کا منہاج ایک دوسرے کے فرائض وواجبات — جنگ اور صلح کے زمانہ میں — واضح ہو گئے۔

قوانین امن و صلح

علماء قانون نے سب سے پہلے جو قواعد بنائے، وہ امن و صلح سے متعلق تھے، تاکہ باہمی تعاون اور رفاقت، اور باہمی تبادل منافع انسانی امکان و استطاعت کے مطابق درجۂ کمال تک پہنچ جائے، انہوں نے یہ بھی طے کر دیا، کہ تعلقاتِ صلح و امن اس وقت تک منقطع نہیں کئے جائیں گے، جب تک شدید ضروریات نے جنگ و پیکار پہ مجبور نہ کر دیا ہو، اور جب تک امن و صلح

کی بحالی کی تمام تدبیریں ناکام نہ ہوں، ان قواعد کی رُو سے ایسے احکامات
مرتب کر دیئے گئے، کہ غیر حکومت کے مقابلہ میں ہر حکومت کے حقوق و
واجبات واضح ہو گئے، تا کہ ہر ممکن طور پر اسباب اختلاف کا ازالہ اور انقطاع
ہو جاتے۔

اسی طرح ان علمائے قانون نے جنگ و پیکار کے زمانہ کے قواعد و ضوابط
بھی بنا دیئے، کہ جب اختلاف رُونما ہی ہو جائے، اور لڑائی چھڑ ہی جائے
تب بھی جہاں تک ممکن ہو، شر اور فتنہ کا وقوع کم سے کم ہو۔

قانون جنگ و امن

احکام سلمیہ میں حکومتوں پر واجب کیا گیا ہے کہ وہ ان حکومتوں کو تسلیم کریں
جو حکومت کے "شرائط" پر پُوری اُترتی ہوں اور ہر حکومت کے اس حق کو تسلیم
کیا گیا ہے کہ سیاستِ داخلیہ میں اس کی آزادی کامل تسلیم کی جائے، اس
کے حدود کا احترام کیا جائے، اس کی رعایا کے معاملات میں مداخلت نہ کی
جائے۔ تجارت کے سلسلہ میں دوسروں پر ناروا پابندیاں نہ عاید کی جائیں
سفر اور تناسل کا پُورا پُورا احترام کیا جائے، غرض یہ اور اسی طرح کے احکام
مرتب کئے گئے تا کہ خلاف و اختلاف کا امکان کم سے کم ہو جائے۔

احکام حربیہ میں یہ ضروری قرار دیا گیا کہ باقاعدہ اعلان جنگ کیا جائے
اور اس وقت کیا جائے جب اتمام حجت ہو چکا ہو اور لڑائی کے شروع
ہونے کے بعد بھی، وہ آلات و اسلحہ نہ استعمال کئے جائیں، جن سے انسان کی
تعذیب ہوتی ہو، اور دشمن کے جو لوگ مجروح ہوں یا گرفتار ہو کر آئیں،
اُن کے ساتھ اچھا سلوک کیا جائے، غرض یہ اور اسی طرح کے دوسرے قوانین
بنائے گئے کہ جنگ کے اثرات کم ہوں، اس کی تباہ کاریاں محدود رہیں، اور انسان

انسان کے ساتھ رحم و کرم کا سلوک کرے۔

اسلام کیا کہتا ہے

اب ہم بتاتے ہیں کہ اسلام نے حالت جنگ و صلح اور امن و پیکار میں، دولت اسلامیہ کے لیے کون سے اصول مرتب کیے ہیں؟ اور کس طرح کے قواعد کی تشکیل کی ہے؟

حکومت اسلامیہ اور غیر مسلم ممالک

علماء اسلام اس پر متفق ہیں کہ دولت اسلامیہ کا قیام وحدت دینیہ پر مبنی ہے، اور وہ تمام عناصر جو اس وحدت کے اجزا ہیں، ان کا جو مجموعہ ہے، وہی امت واحدہ ہے اگرچہ ان کی زبان مختلف ہو، جنس مختلف ہو، حکومت مختلف ہو، بادشاہت مختلف ہو، یا تمام ممیزات قومیہ مختلف ہوں اس لیے کہ دین کی وحدت ان تمام فروق پر غالب ہے، لہٰذا ان تمام اختلافات اور فروق کے باوجود امت واحدہ اپنی جگہ قائم رہے گی۔

دولت اسلامیہ میں، اور غیر اسلامی حکومت میں علاقہ کی نوعیت کیا ہونی چاہیے؟ اس پر علماء اسلام میں اختلاف ہے۔

ایک فریق کا یہ خیال ہے کہ اسلام اپنے مخالف کو قبول اسلام کی دعوت دیتا ہے اور یہ دعوت دو طرح سے دی جاتی ہے،

(۱) زبان سے۔

(۲) تلوار سے۔

پس جن لوگوں کو زبان سے تبلیغ اسلام کی گئی، اور انہوں نے یہ دعوت قبول کی اور اسلام لے آئے، تو وہ لوگ حق کے پیرو ہو گئے، اور اگر اسلام کی دعوت دی گئی اور وہ قبول نہیں کی گئی، تو مسلمانوں پر فرض ہے کہ پھر

وہ تلوار اٹھائیں، اور منکروں سے قتال کریں، خواہ وہ عرب کے مشرکین ہوں، یا کسی دوسرے مقام کے مشرک اور کافر، ان سے اس وقت تک قتال و جدال کا سلسلہ بند نہیں کیا جائے گا جب تک وہ اسلام نہ قبول کر لیں، اسی طرح خواہ وہ غیر عرب مشرکین یا اہل کتاب ہوں، ان سے بھی اس وقت تک جدال و قتال بند نہیں کیا جا سکتا جب تک وہ اسلام قبول نہ کر لیں، یا جزیہ دینے پر راضی نہ ہو جائیں اور ماتحتی کی زندگی بسر کرنے پر رضا مند نہ ہو جائیں، جب تک یہ غایت حاصل نہ ہو، ان سے صلح نہیں کی جا سکتی، اس وقت تک جدال و قتال بند نہیں کیا جا سکتا جب تک کوئی خاص ضرورت صلح و سلام کی داعی نہ ہو گئی ہو مثلاً یہ کہ مسلمان کمزور ہوں، اور مخالف توانا ہوں، تو اس صورت میں وقتی مسالمت جائز ہے، لیکن اسی وقت تک جب تک ضرورت اس مسالمت کی داعی ہو، جیسے ہی یہ ضرورت ختم ہوئی۔ جہاد و قتال واجب ہو جائے گا۔

چند قابل غور دلیلیں

اس نظریہ کے علمبردار، اپنے دعوے پر متعدد دلیلیں پیش کرتے ہیں

(۱) خدائے تعالیٰ نے مسلمانوں کو قرآن میں حکم دیا ہے کہ وہ غیر مسلموں سے مقابلہ کریں، یہاں تک کہ وہ اسلام قبول کر لیں، یا جزیہ دینے پر راضی ہو جائیں، خدا کا یہ حکم امر مطلق ہے، اس کے ساتھ اس طرح کی قید نہیں عائد کی گئی ہے، کہ یہ مقابلہ کفار اور مشرکین کے عدوان سے بچنے کے لیے اختیار کیا جائے، یا وہ آمادہ جنگ ہوں تو ان سے جنگ کی جائے،

اس اطلاق سے ثابت ہوتا ہے کہ کفار و مشرکین سے قتال و جدال کا عام حکم دیا گیا ہے، پھر جب قتال دین کی طرف ایک طرح کی دعوت

ہے، تو جب کبھی بھی مسلمانوں میں امکان و قدرت حاصل ہو، اس سے وہ گریز نہیں کر سکتے۔

اسی طرح سورۂ بقر میں خدائے تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ —

کتب علیکم القتال وھو کرہ لکم وعسیٰ ان تکرھوا شیئاً وھو خیر لکم

"یعنی تم پر قتال واجب کر دیا گیا ہے۔ خواہ وہ تمہیں گراں کیوں نہ گذرے کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ بعض چیزوں کو برا سمجھتے ہو۔ لیکن وہ تمہارے لیے بھلی ہوتی ہیں۔"

یا سورۂ نساء میں ارشاد ہوا ہے —

فلیقاتل فی سبیل اللہ الذین یشرون الحیٰوۃ الدنیا بالآخرۃ

"آپ اللہ کے راستہ میں ان لوگوں سے قتال کیجئے جنہوں نے آخرت کے بدلے دُنیا کی زندگی خریدلی ہے۔"

یا سورہ انفال میں ارشاد فرمایا گیا یا ایھا النبی حرض المؤمنین علی القتال یعنی اے نبی! مسلمانوں کو (کفار و مشرکین سے) قتال پر اُبھارو!" —

یا سورۂ توبہ میں ارشاد ہوا ہے فاذا انسلخ الاشھر الحرم فاقتلوا المشرکین حیث وجدتموھم وخذوھم واحصروھم واقعدوا لھم کل مرصد فان تابوا واقاموا الصلوٰۃ واتوا الزکوٰۃ فخلوا سبیلھم ان اللہ غفور رحیم یعنی جب امن کے مہینے تمام ہو جائیں، تو مشرکوں سے "قتال کرو، جہاں بھی ان کو پاؤ، اُنہیں گرفتار کرو، اور ان کا محاصرہ کرلو، اور ہر گھات میں ان کی تاک لگاؤ، پھر اگر وہ توبہ کرلیں، نماز قائم کریں، زکوٰۃ دیں، تو انہیں ان کے راستہ پر جانے دو، بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔"

یا فرمایا گیا — قاتلوا الذین لا یؤمنون باللہ ولا بالیوم الآخر ولا یحرمون ما حرم اللہ ورسولہ ولا یدینون دین الحق من الذین اوتوا الکتاب حتی یعطوا الجزیۃ عن ید وھم صاغرون

یعنی ان لوگوں سے مقاتلہ کرو، جو اللہ پر ایمان نہیں لائے، نہ یومِ آخرت پر ایمان لائے، اور نہ اس چیز کو حرام جانتے ہیں جسے اللہ اور اس کے رسول نے حرام قرار دیا ہے، اور نہ یہ اہل کتاب سچے دین (اسلام) کو قبول کرتے ہیں، یہاں تک کہ یہ نگوں سار ہو کر جزیہ دینے لگیں" —

یا ارشاد ہوا ہے — وقاتلوا المشرکین کافۃ کما یقاتلونکم — یعنی مشرکوں سے اکٹھے ہو کر لڑو جس طرح وہ تم سے اکٹھے ہو کر لڑتے ہیں، اور جان لو کہ اللہ تعالےٰ پرہیزگاروں کے ساتھ ہے"

حدیث قتال

(۲) بخاری اور مسلم کی ابن عمر سے یہ روایت ہے کہ — (قال رسول اللہ) امرت ان اقاتل الناس حتی یشھدوا ان لا الہ الا اللہ وان محمد رسول اللہ ویقیموا الصلوٰۃ ویوتوا الزکوٰۃ فان فعلوا ذلک عصموا منی دماءھم، واموالھم الا بحق الاسلام وحسابھم علی اللہ .....

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے اس وقت تک مقاتلہ کروں جب تک وہ کلمہ توحید اور، رسالت محمدی پر ایمان نہ لے آئیں، نماز نہ قائم کریں، اور زکوٰۃ نہ دیں، اگر وہ یہ سب کچھ کرنے لگیں تو اپنی جان و مال کو مجھے محفوظ کر لیں گے سوائے اسکے اسلام کے اصول کے مطابق ان سے مواخذہ کی نوبت آئے، اور ان کا حساب وکتاب اللہ کے ذمہ ہے — ظاہر ہے یہ نص ہے، اور اس سے یہ ثابت ہے کہ قتال کا حکم دیا گیا ہے، اور یہ کہ

دعوت اسلام کا ایک طریقہ قتال بھی ہے،

کافروں سے ربط و تعلق کی ممانعت

(۳) خدائے بزرگ و برتر نے قرآن کریم کی بہت سی آیات میں مسلمانوں کو ممانعت کی ہے کہ وہ کافروں کو دوست نہ بنائیں، ان سے ربط و محبت کے تعلقات قائم نہ کریں، اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ مسلمان، غیر مسلموں کو نہ اپنا حلیف بنا سکتے ہیں، نہ ان سے موالات کر سکتے ہیں،

سورۂ آل عمران میں وارد ہوا ہے ——— لا یتخذ المؤمنون الکافرین اولیاء من دون المؤمنین یعنی مسلمانوں کے لیے یہ زیبا نہیں دیتا کہ وہ مسلمانوں کو چھوڑ کر کافروں کو دوست بنائیں۔

سورۂ مائدہ میں آیا ہے ——— یا ایها الذین امنوا لا تتخذوا الیهود والنصارٰی اولیاء بعضهم اولیاء بعض ومن یتولهم منکم فانه منهم ——— یعنی اے مسلمانو! یہود اور نصاریٰ کو دوست مت بناؤ تم میں سے جو انہیں اپنا دوست بنائے گا اس کا شمار انہی میں ہو گا۔

سورۂ ممتحنہ میں کہا گیا ہے، یا ایها الذین امنوا لا تتخذوا عدوی وعدوکم اولیاء تلقون الیهم بالمودة وقد کفروا بما جاءکم من الحق یخرجون الرسول وایاکم ان تؤمنوا بالله ربکم، ——— یعنی اے مسلمانو اپنے اور میرے دشمن کو دوست مت بناؤ کہ تم انہیں دوستی کا پیام بھیجو، حالانکہ وہ اس خبر کا (اسلام) کا انکار کرتے ہیں جو تمہارے پاس سچائی کے ساتھ آئی ہے وہ پیغمبر کو، اور تم کو جلاوطن کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ تم اللہ پر ایمان لے آئے ہو!

جبری تبلیغ

(۴) جب صحیح اسلوب پر اسلام کی دعوت دی جائے تو اسلام کے علاوہ
کسی اور مذہب پر قائم رہنے کی پھر ان کے پاس کوئی معقول دلیل نہیں رہ جاتی
اس لیے کہ خدائے حکیم نے جن زبردست دلائل سے اپنی وحدانیت اور اپنے
رسول کی صداقت ثابت کی ہے، ان کا کوئی توڑ ہی نہیں ہے، اور اس کے
بعد مخالفین کے عذرات و دلائل پادر ہوا ہو جاتے ہیں، پھر جب انہیں حکمت
اور موعظۂ حسنہ کے ساتھ اسلام کی دعوت دی جائے، اور اسے رد کرنے کے
لیے ان کے پاس کوئی معقول حیلہ یا عذر یا دلیل نہ ہو، تو کوئی حرج نہیں ہے، اگر
ہم زبردستی ان کو خیر اور فلاح کے راستہ پر لا کر کھڑا کر دیں، اور جبر و قہر سے
کام لے کر انہیں راہ ہدایت دکھائیں اگر وسائل حکمت بھی انہیں راہ راست پر
لانے میں ناکام ہوں، اور جبر و قہر سے بھی وہ راہ ہدایت نہ اختیار کریں
تو پھر فرض ہو جاتا ہے، کہ انہیں قتل کر دیا جائے، اور شر کی جڑ کاٹ دی جائے
تاکہ ان کی گمراہی سوسائٹی کے دوسرے اعضا میں نفوذ نہ کرے، جس طرح
اگر ایک عضو کا علاج نہ ہوگا، اور اس سے دوسرے اعضائے بدن کے متاثر
ہونے کا اندیشہ ہو تو اسے کاٹ دینا ہی بہترین علاج سمجھا جاتا ہے،

یہ رائے رکھنے والے حضرات دولت اسلامیہ کی سیاست زارجیہ کو حسب
ذیل اصولوں پر مبنی کرتے ہیں:—

(۱) جہاد ——

جہاد فرض ہے، اسے ترک نہیں کیا جا سکتا، سوا اس کے کہ حالات ایسا
کرنے پر مجبور کریں، مثلاً مسلمان کمزور ہوں، اور غیر مسلم طاقتور ہوں، لہٰذا تیاری
کے دوران تک جہاد ملتوی کیا جا سکتا ہے، صرف امان وغیرہ پر اسے نہیں

چھوڑا جا سکتا،

جب قتال، مسلمانوں کے سامنے یا ان کے قریب ہو رہا ہو، تو ہر اس مسلمان پر جہاد فرض ہو جاتا ہے جو جہاد کرنے کا اہل ہو، بصورت دیگر یہ فرض، فرض کفایا بن جاتا ہے۔ یعنی اگر کوئی ایک مسلمان بھی، بعید از حسال مسلمانوں کی طرف سے شریک جہاد ہو جائے گا، تو باقی مسلمانوں پر سے یہ فرض ساقط ہو جائے گا۔ اور اگر کوئی مسلمان بھی شریک جہاد نہ ہو، تو پوری قوم گنہ گار ہوگی،

(۲) ایمان و امان۔ مسلمانوں اور غیر مسلموں کے درمیان، دینی نقطۂ نظر سے علاقہ کی جو بنیاد ہے وہ حرب و پیکار ہے، جب کہ ایمان اور امان کی صورتیں نہ پیدا ہو رہی ہوں،

امان کی دو قسمیں ہیں:

(۱) وقتی امان

(۲) دائمی امان

وقتی امان کی بھی دو قسمیں ہیں۔

(۱) خاص وقت کے لیے امان۔

(۲) عام وقتی امان۔

خاص وقت کے لیے جو امان ہوتی ہے، وہ تمام محصورین کو، یا کسی ایک شخص کو ایک مسلمان مجاہد کی طرف سے بھی دی جا سکتی ہے اور اس تامین۔ خاص کے حق کو برقرار رکھنے کے لیے مسلمانوں کو سختی سے ممانعت کر دی گئی ہے کہ وہ ہرگز مقابلہ نہ کریں، اس لیے کہ ضرورت اور مصلحت مسلمین کا تقاضا یہی ہوتا ہے، اور ہر جنگ آزما کے لیے یہ ضروری ہوتا ہے کہ وہ اس مصلحت

کا پورا پورا لحاظ رکھے، اور بغیر امام یا اس کے نائب کی اجازت کے کوئی قدم نہ اٹھائے،

اگر کوئی مسلمان مجاہد، محاربین میں سے سب سے، یا ان کی کسی جماعت سے، یا ان کے فرد واحد سے یہ کہہ دے کہ میں نے تمہیں امان دی! یا تم لوگوں کو امان دی گئی؟ تو اس امان کی پاسداری ہر مسلمان پر واجب ہوگی، اور وہ شخص، یا جماعت جسے کسی مسلمان نے امان دی ہے، بالکل محفوظ و مصئون ہو جائے گی۔ اس سے نہ مقاتلہ جائز ہوگا، نہ کسی قسم کا تعرض!

عام وقتی امان، تمام مسلمانوں کی طرف سے دی جاتی ہے، اور اس میں کسی فرد واحد یا جماعت خاص کی تخصیص نہیں ہوتی ہے، اور یہ وہ حق ہے جسے صرف امام یا اس کا نائب استعمال کر سکتا ہے، اس لیے کہ مصلحت عامہ پر وہی نظر رکھتا ہے، اور اس کا فیصلہ وہی کر سکتا ہے اور وہی ایک شخصیت ہے، جو مصالح امت اور حاجات وقت کا مرجع ہے، لہٰذا اسی کو حق ہے کہ جتنی مدت تک کے لیے چاہے، قتال اور جہاد کو روک دے،

اس عام وقتی امان میں، مسلمانوں، اور ان کے مخالفوں کے درمیان ایک معاہدہ ہوتا ہے، جس میں جنگ و پیکار اور جدال و قتال بند کرنے کا عہد کیا جاتا ہے، اور وہ بھی ایک مدت معینہ کے لیے، جس کی معاہدہ میں صراحت کر دی جاتی ہے۔

اس اصول کی بنیاد مسلمانوں کا وہ معاہدہ ہے جو صلح حدیبیہ میں انہوں نے مشرکین قریش سے کیا تھا، اس صلحنامہ کی دفعات میں سے ایک دفعہ یہ بھی تھی کہ دس برس تک قتال و جدال نہیں کیا جائے گا، اور خود رسول اللہ نے اس معاہدہ پر دستخط ثبت فرمائے، کیونکہ انہیں یقین ہو گیا تھا کہ

مصلحت عامہ کا تقاضہ یہی ہے کہ جدال و قتال بند کر دیا جائے، تاکہ مسلمان مشرکین
عرب کی زیادتیوں سے محفوظ ہو جائیں، اور اپنے دین کے مخالفوں سے اختلاط
پیدا کریں۔ اور انہیں خدا کی آیات سنائیں، اور انہیں دعوت اسلام دیں،
نتیجہ یہ ہوا کہ مشرکین دین اسلام میں فوج در فوج داخل ہونے لگے اور معاہدۂ
التوا جنگ سے مسلمانوں کو بہت بڑی نصرت ملی، اس التوا جنگ سے جو
فائدہ انہیں ہوا، وہ ہرگز جنگ و پیکار سے نہ حاصل ہوتا یہاں تک کہ بعض علماء
کا قول ہے کہ "فتح مبین" سے مراد (انا فتحنا لک فتحا مبینا) فتح مکہ نہیں ہے، بلکہ
صلح حدیبیہ ہے!

امان وقتی ہیں، اگر امام حالات کا تقاضا، اور امت کی مصلحت یہ
دیکھے کہ اسے توڑ دیا جائے، تو وہ ایسا کر سکتا ہے، لیکن نقض امان سے پیشتر اس
کے لیے یہ ضروری ہے کہ مومنین (امان یافتہ لوگوں) کو وہ متنبہ کر دے اور قتال
سے پیشتر انہیں خبردار کر دے، تاکہ ان کے پاس کوئی عذر باقی نہ رہ جائے
اور یک بیک وہ حملہ کی زد میں نہ آ جائیں، یہ اصول اس ارشاد رسول ؐ پر مبنی
ہے کہ ——— فی العہود وفاء لا غدر ——— یعنی عہد کی پابندی کرنی
چاہیے، بدعہدی سے پرہیز کرنا چاہیے" ——— مسلمانوں کی طرف سے اگر وقتی امان
توڑی جائے تو اس کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ انتباہ و اطلاع کے ساتھ
مؤمنین (امان یافتہ لوگوں) کو اتنی مہلت دی جائے کہ نقض امان کی اطلاع
ان سب کو ہو جائے، اور ان کی مملکت کے ایک ایک گوشہ میں اس کی خبر
ہو جائے، تاکہ وہ اپنی قرار واقعی تیاریاں کر سکیں، اور مسلمانوں پر بے وفائی اور
بدعہدی کا الزام نہ لگا سکیں، اور اگر نقض امن خود مومنین (امان یافتہ لوگوں)
کی طرف سے ہو تو پھر کسی انتباہ کی ضرورت نہیں، اور اب مقاتلہ کے لیے

کسی اطلاع کی ضرورت نہیں ہے، کیونکہ اُنہوں نے خود نقض عہد کیا ہے، خود اپنا امان توڑی ہے خود غدر اور بے وفائی پر آمادہ ہوئے ہیں۔

رہائن کے ساتھ رعایت

البتہ اس صورت میں بھی مسلمانوں کو اس کا خیال رکھنا چاہیئے کہ ان کے پاس جو رہائن (یعنی یرغمال کے طور پر ان کے پاس مومنین میں سے جو لوگ) ہوں انہیں ہرگز قتل کرنا نہیں چاہیئے، کیونکہ غداری اور بدعہدی کے مقابلہ میں اپنے عہد اور پاس وفا پر قائم رہنا بہرحال بہتر ہے، جیساکہ فرمان رسول ہے ـــ "لاتخن من خانک" ـــ یعنی جو تم سے خیانت کرے تم اس سے خیانت نہ کرو ـــ۔

اب امان مؤبد یعنی دائمی امان کو لیجیئے، یہ باقاعدہ معاہدہ کے ماتحت ہوتی ہے، اور یہ عہد کوئی فرد واحد یا عامی نہیں کر سکتا، صرف امام یا اس کا نائب کر سکتا ہے، یہ اقدام اہل کتاب اور مشرکین غیر عرب کے ساتھ صحیح ہے، اور مرتدین، نیز مشرکین عرب کے ساتھ قطعاً جائز نہیں ہے، جب اس امان کے عہد نامہ پر دستخط ہو جائیں، تو ہر مسلمان پر لازم ہے کہ اس کا پاس کرے، اور یہ کسی حالت میں بھی نہیں ٹوٹ سکتی،

ذمیوں کی امان کب ٹوٹتی ہے؟

ذمیوں کی امان تین صورتوں میں ٹوٹ سکتی ہے۔

(۱) کوئی اسلام لے آئے۔

(۲) کوئی دارالحرب چلا جائے۔

(۳) مسلمانوں پر زیادتی کرے۔

باقی جزیہ دینے سے انکار کرنا، یا کسی مسلمان کی خطا کرنا، یا کسی جرم کا

ارتکاب کرنا، بشرطیکہ وہ شخصی ہو، اجتماعی نہ ہو، نقض عہد کا متوجب نہیں ہوتا، یہ پابندیاں جو مسلمان پر عائد کی گئی ہیں، وہ اس اصول پر مبنی ہیں کہ اگر ذمی سے کوئی ایسا فعل سرزد ہو جس کی تاویل ہوسکتی ہو، یا جو محتمل شک ہو اس سے "ذمہ" کا معاہدہ نہیں ٹوٹتا بلکہ وہ بدستور عائد رہتا ہے

(۳) دارالاسلام

شرع کی اصطلاح میں دارالاسلام وہ ہے، جس میں اسلام کے احکام جاری ہوں، اور اس میں ہر وہ شخص مامون ہو جو مسلمانوں کی امان میں ہو، خواہ وہ مسلمان ہو یا ذمی۔

اور دارالحرب وہ ہے، جس میں احکام اسلام کا اجرا نہ ہوتا ہو، اور مسلمانوں کی امان میں جو ہوں وہ مامون نہ ہوں،

بہرحال اس رائے کے اصحاب نے اپنی رائے اور اصول کی بنیاد جو قرار دی ہے وہ یہ ہے کہ غیر مسلمین کو، جب اسلام کی دعوت دی جائے، اور انہیں دلائل حقہ سے روشناس کر دیا جائے، اور ان کے دلائل رد کر دیئے جائیں، ان کے شکوک رفع کر دیئے جائیں، اور ان پر آیات قرآنی واضح کر دی جائیں، اور پھر بھی وہ اپنی ضد پر اڑے رہیں اور اسلام قبول کریں، اور اس کی آیات سے اعراض کرتے رہیں، اس کی دعوت مسترد کرتے رہیں۔ تو گویا وہ خود مسلمانوں کو جنگ کی دعوت دے رہے ہیں، اور اس صورت میں مسلمانوں پر واجب ہے کہ وہ ان غیر مسلموں کو راہ حق پر جبراً لے آئیں، کیونکہ جب وہ دعوت حکمت، اور موعظہ حسنہ سے راہ راست پر نہیں آتے، تو اب اس کے علاوہ چارۂ کار ہی کیا ہے کہ ان پر جبر کیا جائے، اور انہیں راہ ثواب پر گامزن کر دیا جائے۔"

مسلم اور غیر مسلم

دوسرے فریق کا یہ خیال ہے کہ دولتِ اسلامیہ کا تعلق غیر مسلم حکومتوں سے اس اصول پر مبنی ہونا چاہیئے، جو علمارِ قانون دولی نے مقرر کر دیا ہے، اور جو عہد حاضر کے اصول و قانون سے مطابق ہو، اور یہ کہ صرف اسلام اس بنا پر کسی غیر مسلم کے قتل کو جائز نہیں قرار دیتا کہ اس کا مذہب اسلام کے علاوہ کوئی اور ہے، اور مسلمانوں کے لیے ہرگز یہ روا نہیں ہے کہ وہ لوگوں سے صرف اس بنا پر مقاتلہ کریں، کہ وہ مذہب اور دین میں ان کے مخالف ہیں، مسلمانوں کو قتال و جدال کی اجازت صرف اس صورت میں دی گئی ہے، کہ غیر مسلم، مسلمانوں پر زیادتی کریں، ان کے حقوق پامال کریں، اور انہیں پریشان کریں، یا دعوتِ اسلام کی راہ میں حائل ہوں، ایسی صورت ہو، تو بے شک قتال و جدال واجب ہے، تاکہ ظلم و زیادتی کا استیصال ہو جائے، اور دعوتِ اسلامیہ کا راستہ صاف ہو جائے، لیکن اگر یہ صورت ہو کہ مسلمانوں کے دینی معاملات پر دراز دستیاں نہ ہو رہی ہوں، نہ مسلمانوں پر ظلم ہو رہا ہو، نہ دعوتِ اسلام کے راستہ میں سنگ گراں حائل ہوں، تو کسی طرح بھی جدال و قتال واجب نہیں ہے، نہ ان سے معاملت ناجائز ہے، نہ ان سے کاروبار حرام ہے غرض اس گروہ کی رائے میں جدال و قتال کی اس بنا پر اجازت نہیں دی جاسکتی کہ یہ بھی دعوتِ اسلام کا ایک طریقہ ہے۔ اس کی اجازت تو جب ہی مل سکتی ہے، جب دعوتِ اسلام پر ناروا پابندیاں ہوں، اور مقصود ظلم و زیادتی کرنے والوں کی سرکوبی ہو،

دلائل و بیّنات

اس گروہ کے دلائل و براہین حسب ذیل ہیں و۔ ش

آیات قتال کی تشریح

(۱) قرآن کریم میں آیات قتال جو وارد ہوئی ہیں وہ زیادہ تر مکی و مدنی سورتوں میں ہیں، اور ان میں جدال و قتال کا جو حکم دیا گیا ہے وہ دو وجہوں سے دیا گیا ہے:-

(الف) دفع ظلم، اور قطع فتنہ،

(ب) دعوت اسلام کی حمایت

اس لیے کہ عہد رسول میں، کفار — عام اس سے کہ مشرکین عرب ہوں یا اہل کتاب — بہر صورت سے مسلمانوں کی ایذا رسانی پر مائل تھے، اور ہر ظلم و زیادتی، اور فتنہ و شرارت پر تلے رہتے تھے، ان کی کوشش یہ ہوتی تھی، کہ خواہ کتنا ہی ظلم و جبر کرنا پڑے، لیکن جو اسلام قبول کر چکا ہے، وہ ترک اسلام کر کے، پھر اپنے آبائی دین پر واپس آجائے، یا جو شخص اسلام قبول کرنے والا ہو، وہ اپنے اس ارادہ سے باز آجائے،

اس شرارت اور فتنہ سے کفار و مشرکین عرب کا مقصد یہ تھا، کہ دعوت اسلام کی راہ میں رکاوٹیں پیدا کریں، اور دعوت اسلام کا راستہ مسدود کر دیں، پس، خدائے بزرگ و برتر نے مسلمانوں پر واجب کر دیا، کہ وہ ان سرکشوں اور خطا کاروں سے جدال و قتال کریں، ان کی زیادتی کا سر کچل دیں، ان کی پیدا کی ہوئی رکاوٹوں کو دور کر دیں، یہاں تک کہ فتنہ کا قلع قمع ہو جائے، اور شرک کی جڑ کٹ جائے، اور مدعوئین اسلام اور دعوت اسلام میں کوئی حد فاصل، کوئی روک، کوئی رکاوٹ باقی نہ رہے، تاآنکہ دین صرف خدا ہی کا ہو جائے۔

آیات قرآنی سے استدلال

خدائے تعالیٰ نے سورۂ بقرہ میں، جو مدنی سورت ہے، ارشاد فرمایا ہے:

وقاتلوا فی سبیل اللہ الذین یقاتلونکم ولا تعتدوا
ان اللہ لا یحب المعتدین وا قتلوھم حیث ثقفتموھم
واخرجوھم من حیث اخرجوکم والفتنۃ اشد من القتل
ولا تقاتلوھم عند المسجد الحرام حتی یقاتلوکم فیہ فان
قاتلوکم فاقتلوھم کذالک جزاء الکافرین فان انتھوا فان
اللہ غفور رحیم، وقاتلوھم حتی لا تکون فتنۃ ویکون
الدین للہ، فان انتھوا فلا عدوان الا علی الظلمین ـــــ

ـــ یعنی اللہ کے راستہ میں قتال کرنے والوں سے مقاتلہ کرو، لیکن زیادتی مت کرو،
بلاشبہ اللہ زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا اور تم انہیں جہاں پاؤ ہلاک
کردو، اور نکال دو ان کو جہاں سے انہوں نے تمہیں نکال دیا، اور کفر[1] سخت
تر ہے قتل سے، اور ان سے مسجد حرام کے نزدیک مقاتلہ مت کرو، یہاں تک
کہ وہ اس کے درمیان تم سے لڑیں پس اگر وہ تم سے لڑیں تم انہیں مارو، یہی
سزا ہے کافروں کی، اور اگر وہ باز آجائیں تو بلاشبہ خدا بخشنے والا ہے
اور لڑو ان سے یہاں تک کہ کفر نہ رہے، اور اللہ کا دین رہ جائے، اور
اگر وہ باز آجائیں تو سوا ظالموں کے زیادتی کسی پر نہ کرنا، ـــــ"

اسی طرح سورۂ نساء میں، جو مدنی سورت ہے، وارد ہوا ہے،

وما لکم لا تقاتلون فی سبیل اللہ والمستضعفین من الرجال

---

[1] سیاق عبارت کے لحاظ سے اس جگہ شاہ رفیع الدین صاحب مرحوم نے "فتنہ" کا ترجمہ "کفر" کیا ہے لہٰذا میرے نزدیک وہی اقرب الی الصواب ہے۔" (رئیس احمد جعفری)

والنساء والولدان الذين يقولون ربنا اخرجنا من
هذه القرية الظالم اهلها واجعل لنا من لدنك
وليا واجعل لنا من لدنك نصيرا۔ اور اللہ کے راستہ میں (جنگ
کرتے ہوئے) تم ناتواں مردوں سے اور عورتوں سے) اور لڑکوں سے نہ لڑو،
وہ جو کہتے ہیں اے پروردگار ہمارے ہم کو اس شہر سے کہ یہاں کے رہنے
والے ظالم ہیں، اور اپنی طرف سے ہمیں دوست دے اور اپنی طرف سے
ہمیں مددگار دے۔"

اسی طرح سے خدائے تعالیٰ نے سورۂ انفال میں، جو مدنی سورت
ہے ارشاد فرمایا ہے۔

وقاتلوهم حتى لا تكون فتنة ويكون الدين كله
لله فان انتهوا فان الله بما يعملون بصير۔۔۔" اور
ان سے مقاتلہ کرو، یہاں تک کہ کفر باقی نہ رہ جائے، اور دین شریعت خدا
کا رہ جائے۔ اور اگر وہ باز آ جائیں، تو جو کچھ وہ کرتے ہیں، خدا اسے
دیکھتا ہے۔۔۔"

اسی طرح سورۂ حج میں ارشاد فرمایا گیا ہے، جو مکی سورت ہے:۔

اذن للذين يقاتلون بانهم ظلموا وان الله على نصرهم
لقدير الذين اخرجوا من ديارهم بغير حق الا ان يقولوا ربنا الله
"۔۔۔ یعنی جن پر ظلم کیا گیا، انہیں مقاتلہ کی اجازت دی گئی، اور بلاشبہ
اللہ ان کی مدد پر قادر ہے، وہ لوگ کہ نکالے گئے اپنے گھروں سے ناحق
(اس جرم میں) کہ انہوں نے کہا ہمارا پروردگار اللہ ہے۔۔۔"

ناجائز مقاتلہ

(۲) جمہور مسلمین کا اس پر اتفاق ہے، کہ عورتوں، بچوں، راہبوں، بوڑھوں، اندھوں، بیماروں، اور اس طرح کے دوسرے لوگوں سے نہ مقاتلہ جائز ہے نہ ان کا قتل جائز ہے، اگر مقاتلہ، اور جدال و قتال دعوتِ اسلام کا ایک جز ہوتا اور طریق دعوت میں سے ایک طریقہ ہوتا کہ دینِ اسلام کا کوئی مخالف باقی نہ رہنے پائے تو ان لوگوں کو مستثنیٰ کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ ان لوگوں کا استثنا اس بات کی دلیل ہے کہ قتال صرف انہی لوگوں سے جائز ہے جن کے عدوان، ظلم اور سرکشی کو دفع کرنا مقصود ہو۔

اگر یہ کہا جائے کہ یہ لوگ اس لیے مستثنیٰ کیے گئے ہیں کہ ان کی حیثیت تو تابع کی ہوتی ہے، وہ جوان کے بڑوں کی رائے وہ ان کی رائے، مثلاً شوہر کافر ہے، تو اس کی بیوی بھی اس کی پیروی پر مجبور ہے۔ باپ کافر ہے تو اولاد بھی کافر ہوگی، تو یہ خیال، عورتوں، اور بچوں کے بارے میں تو صحیح بھی ہو سکتا ہے، لیکن مستثنیات کے بواقی (باقی مستثنیٰ اصحاب) کے بارے میں کیا کہا جائے گا، ؟ خصوصاً راہبوں کے بارے میں کیا کہا جائے گا؟ (وہ تو اپنے دین (غیر اسلامی) کے مبلغ اور داعی کہلاتے ہیں)

وسائل قہر و اکراہ دعوت دین کے طریقے سے خارج ہیں

(۳) یہ کہ وسائل قہر و اکراہ کا شمار دعوت دین کے طریقوں میں شمار نہیں ہو سکتا، اس لیے کہ دین کی بنیاد اعتقاد اور قلبی ایمان پر ہوتی ہے۔ اور یہ بنیاد دلیل و حجت پر مبنی ہو سکتی ہے نہ کہ تلوار اور نیزہ پر،

چنانچہ خود خدا کا ارشاد ہے ——— " لا اکراہ فی الدین قد تبین الرشد من الغی ——— " یعنی دین کے معاملہ میں

جبر روا نہیں اس لیے کہ ہدایت گمراہی سے ممتاز ہو چکی ہے۔

اسی طرح یہ بھی فرمایا گیا کہ ـــــ ولو شاء ربك لآمن من في الارض كلهم جميعا افانت تكره الناس حتى يكونوا مؤمنين

یعنی اگر تمہارا رب چاہتا تو اس کرۂ ارض کا ہر فرد مسلمان ہوتا، کیا تم لوگوں پر جبر کرنا چاہتے ہو یہاں تک کہ وہ سب مسلمان ہو جائیں ـــــ؟

دولت اسلامیہ کی سیاست خارجیہ کے اصول

غرض اس رائے کے جو لوگ حامل ہیں، انہوں نے دولت اسلامیہ کی سیاست خارجیہ کو ان اصول و قواعد ذیل پر مبنی قرار دیا ہے:-

دعوت اسلام

(۱) اسلام کی طرف غیر مسلموں کو دعوت دینا، امت اسلامیہ پر فرض کفایہ ہے، اگر کوئی ایک جماعت پیام دعوت لے کر کھڑی ہو جائے تو یہ فرض باقی امت پر سے ساقط ہو جائے گا، اور اگر کوئی فریق بھی اس پیام کو لے کر نہ کھڑا ہو تو ساری امت اسلامیہ گنہ گار ہوگی، اس لیے کہ محمدؐ کی رسالت عام ہے وہ خدا کی طرف سے تمام آدمیوں کے لیے بھیجے گئے تھے اس میں کسی امت کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے، نہ اس کا امتیاز ہے کہ کون رسولؐ کے زمانۂ گرامی میں موجود تھا۔ اور کون ان کے اس دنیا سے پردہ فرما جانے کے بعد، عالم ہست و بود میں آیا؟ رسالت سب کے لیے ہے مدعو سب ہیں اور اللہ تعالےٰ نے اپنے رسولؐ کو حکم دیا تھا کہ جو کچھ ان کے رب کی طرف سے نازل ہو، اس کی تبلیغ فرمائیں، چنانچہ آپ اپنی حیات گرامی کے زمانہ میں امکان بھر دعوت و تبلیغ پر قائم رہے، اور زبان مبارک، خطوط، اور پیامبروں کے ذریعہ آپنے برابر دعوت و تبلیغ کا سلسلہ جاری رکھا۔

خطبۂ حجۃ الوداع

آپؐ نے حجۃ الوداع کے موقع پر جو خطبہ ارشاد فرمایا تھا، اس میں خدا کو اپنی تبلیغ کا گواہ کیا تھا اور حکم دیا تھا کہ جو لوگ یہاں اس وقت موجود ہیں وہ آپ کا پیام ان لوگوں تک پہنچا دیں جو غیر حاضر ہیں، اور موجود نہیں ہیں اس فرمان کے مطابق، مسلمانوں پر واجب ہو گیا کہ کسی زمانہ میں بھی اسلام کی دعوت و تبلیغ کا سلسلہ منقطع نہ ہونے پائے، اور محمدؐ پر جو کچھ نازل ہوا ہے وہ ہر اس شخص تک پہنچا دیا جائے، جس تک اسلام کا پیام نہیں پہنچا ہے۔

چنانچہ دولتِ اسلامیہ کے شئون خارجہ میں سے پہلی جو چیز ہے، وہ "دعوتِ اسلام" کی تنظیم اور مبلغوں کا تیار کرنا ہے، اور انہیں ان امتوں اور ملتوں میں منتشر کر دینا ہے، جن کا مذہب اسلام نہیں ہے، اور ایسے تمام شہروں اور ملکوں میں ان کا جال بچھا دینا ہے، اور اس سلسلہ میں اپنے امکان و استطاعت کے مطابق جملہ آسانیاں اور سہولتیں بہم پہنچانا واجب اور لازمی ہے۔

غیر مسلموں سے تعلق اور علاقہ کی بنیاد

(۲) مسلمانوں اور غیر مسلموں میں، تعلق اور علاقہ کی بنیاد صلح و امن ہے سوا اس صورت کے کہ ایسے حالات نہ ہو جائیں، جو جنگ کو واجب کر دیتے ہوں، یا دعوتِ اسلام میں رکاوٹ ڈالتے ہوں، یا مسلمانوں کے حقوق اور زندگی پر چھاپہ مارتے ہوں، یا مسلمان مبلغوں اور داعیوں کی آمد پر، ان کی تبلیغ پر، اور ان کے کاموں پر ناروا پابندیاں عاید کرتے ہوں، اور جو لوگ راہ ہدایت قبول کرنے والے ہوں۔ ان کے لیے فتنہ و شر کے دروازے کھول دیتے ہوں،

(۳) دارالاسلام و دارالحرب۔

دارالاسلام سے مراد ہے، وہ علاقہ جہاں اسلامی احکام نافذ ہوں۔
اور مسلمان علی الاطلاق امن و امان میں ہوں، اور دارالحرب سے مراد وہ علاقہ
ہے جس کا امن دارالاسلام کا سا نہ ہو، وہاں مسلمانوں پر، ان کے حقوق پر،
ان کے مراسم پر زیادتیاں ہوتی ہوں، نیز ان کی دعوت اسلام پر، اور
داعیان اسلام پر بھی نا روا پابندیاں عائد ہوں،

اب ثابت ہوگیا کہ دولت اسلامیہ اور غیر مسلم حکومت کے درمیان، دارالاسلام
اور دارالحرب کا اختلاف کیا ہے؟

اگر غیر مسلم عہد حکومت میں مسلمانوں پر ظلم ہو رہا ہو، ان کی دعوت روکی
جا رہی ہو، اور مسلمان اس ظلم کو رفع کرنے کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے ہوں، اور
اپنی دعوت اسلام کے اجراء کے لیے آمادہ عمل ہوگئے ہوں، اور ان علاقوں سے
انہوں نے تعلقات منقطع کر لیے ہوں، اور حمایت و حفاظت کا عہد ٹوٹ گیا
ہو، اور دونوں ممالک (دارالاسلام اور دارالحرب) کے رہنے والے ایک دوسرے
کے ملک میں مامون رہ گئے ہوں، تو یہ جائز ہے،

لیکن وہ غیر مسلم قوم جس نے مسلمانوں پر ظلم نہ کیا ہو، اور دعوت اسلام میں
آڑے نہ آتی ہو، اور انہیں آزاد چھوڑ دیا ہو، کہ وہ اپنے دین پر جس طرح چاہیں
عمل کریں، اور جس طرح چاہیں اپنے براہین قائم کریں، نہ وہ داعی (اسلام) کے راستہ
میں رکاوٹ ڈالتی ہو، نہ مدعو (نومسلم) کے لیے فتنہ کا سامان کرتی ہو، تو ایسی حکومت
سے نہ جدال و قتال جائز ہے نہ اس سے امن و صلح کے تعلقات کا قطع کرنا روا
ہے، اس کے اور مسلمانوں کے درمیان امان ثابت ہے، اس بنیاد پر کہ اصل تو بہرحال
صلح و امن ہے، اور یہ بنیاد اسی وقت ٹوٹ سکتی ہے، جب مسلمانوں پر زیادتی

ہو، یا ان کی تبلیغ دعوت پر ناروا اور ناقابل برداشت پابندیاں ہوں،

افکار و آرا کا اہم فرق

ان دونوں گروہوں کے افکار و آرا میں جو فرق ہے، اسے اگر مختصر الفاظ میں بیان کرنا چاہیں، تو یوں کہہ سکتے ہیں کہ پہلے گروہ کے نزدیک جہاد اس لیے مشروع ہے کہ دعوت اسلام کے طریقوں میں سے ایک طریقہ یہ بھی ہے، یا دوسرے الفاظ میں یوں سمجھئے کہ غیر مسلم مجبور ہے کہ دین اسلام قبول کرے، خواہ برضا و رغبت — حکمت اور موعظۂ حسنہ سے — یا بہ جبر و اکراہ — غزوہ اور جہاد سے —

اور دوسرے گروہ کے نزدیک جہاد اس لیے مشروع ہے کہ مسلمانوں پر جو ظلم ہو رہا ہو، اسے دفع کیا جائے، اور دعوت اسلام کے راستہ میں جو رکاوٹیں ہوں انہیں روکا جائے، لیکن اگر کوئی اسلام کی دعوت نہ قبول کرے، اور ساتھ ہی ساتھ مسلمانوں سے مقاومت بھی نہ کرے، دعوت اسلام کے راستہ میں مانع بھی نہ ہو، تو نہ اس سے جدال و قتال جائز ہے، اور نہ اس کے امن کو خوف سے بدلنا روا ہے،

اسی طرح پہلے گروہ کے نزدیک مسلمانوں اور غیر مسلموں میں امان کا تعلق صرف اسی طرح قائم ہو سکتا ہے، کہ انہیں امان عام یا خاص دیدی گئی ہو، یا ان سے کوئی عہد کر لیا گیا ہو، یا انہیں ذمی بنا لیا گیا ہو، اور دوسرے گروہ کے نزدیک مسلمانوں اور غیر مسلموں میں جنگ قطعاً جائز نہیں ہے، جب تک غیر مسلم مسلمانوں پر ظلم نہ کریں، دعوت اسلام میں رکاوٹ نہ ڈالیں، داعیان اسلام کو تکلیف نہ پہونچائیں، نو مسلموں پر عرصۂ حیات نہ تنگ کریں؛

دوسرے الفاظ میں پہلا گروہ، دارالاسلام اور دارالحرب کو اختلاف

دین پر مبنی قرار دیتا ہے، اور دوسرے گروہ کے نزدیک، اختلاف اس وقت پیدا ہوتا ہے، جب انقطاع عہد ہو، گویا اختلاف کی بنیاد اسلام یا عدم اسلام نہیں ہے، بلکہ امن اور وحشت ہے۔

ہر دو افکار پر محاکمہ

نظر صحیح ان لوگوں کی تائید کرتی ہے، جو یہ کہتے ہیں کہ اسلام نے مسلمانوں اور نامسلمانوں کے درمیان تعلق کی بنیاد مسالمت اور امان قرار دی ہے، نہ کہ حرب و قتال! سوا اس صورت کے کہ مسلمان فتنہ میں مبتلا کر دیئے گئے ہوں، ان کے دین کے راستہ میں رکاوٹیں ڈالی جا رہی ہوں، ان کی دعوتِ اسلام کا دروازہ بند کر دیا گیا ہو، اس صورت میں بلاشبہ مسلمانوں پر جہاد فرض ہے کہ وہ شر کو دفع کر دیں، اور دعوت و تبلیغ کا راستہ کھول دیں،

قرآن کریم کی چند آیتیں

اس خیال کی تائید سورۂ ممتحنہ (مدنی) کی ان آیات سے بھی ہوتی ہے۔

لَا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَلَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَتُقْسِطُوْٓا اِلَيْهِمْ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ. اِنَّمَا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ قٰتَلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَاَخْرَجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ وَظٰهَرُوْا عَلٰٓي اِخْرَاجِكُمْ اَنْ تَوَلَّوْهُمْ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ

—" ان لوگوں پر احسان کرنے سے نہیں منع کرتا اللہ کہ جو تم سے نہیں لڑے دین کے معاملہ میں اور نہ تم کو تمہارے گھروں سے نکالا، یہ کہ تم ان پر احسان کرو، ان سے انصاف کرو، بلاشبہ انصاف کرنے والوں کو اللہ دوست رکھتا ہے، سوا اس کے کہ منع کرتا ہے احسان کرنے سے ان لوگوں کے بارے

ہیں کہ لڑے تم سے دین کے معاملہ میں اور نکال دیا تم کو تمہارے گھروں سے اور تمہارے اخراج کے سلسلہ میں مدد کی ، اور تم میں سے جو کوئی ان سے دوستی کرے وہ ظالموں میں سے ہے ـــــ ۱۱، "

اسی طرح سورہٗ نساء (مدنی) میں وارد ہوا ہے :-

فان اعتزلوکم فلم یقاتلوکم والقوا الیکم السلم فما جعل اللہ لکم علیھم سبیلا" ـــــ یعنی :- اگر وہ تم سے الگ رہیں، اور تم سے مقاتلہ نہ کریں تو ان سے صلح رکھو، اللہ نے تمہارے لیے ان سے لڑنے کی کوئی صورت نہیں رکھی ـــــ

یا سورہٗ توبہ (مدنی) میں ارشاد ہوا :-

وان جنحوا للسلم فاجنح لھا وتوکل علی اللہ ـــــ یعنے اگر وہ صلح پر مائل ہوں تو تم بھی مائل ہو جاؤ، اور اللہ پر بھروسہ رکھو۔

قرآن مجید کی بہت سی آیاتِ مبارکہ سے ثابت ہوتا ہے کہ اصل روح امن و صلح ہے، اور سچ پوچھیے تو یہ مستبعد بھی ہے کہ اسلام نے مسلمانوں اور نامسلمانوں کے درمیان ایک غیر منقطع اور دائمی جنگ کا تعلق پیدا کر دیا ہو اور جہاد و قتال اس لیے مشروع کیا گیا ہو، کہ دعوتِ اسلام کا ایک طریقہ یہ بھی ہے، یہ مستبعد یوں ہے کہ اسلام دین میں "اکراہ" کو پسند نہیں کرتا، وہ اسے بھی ناپسند کرتا ہے کہ لوگوں کو خلافِ مرضی دین اسلام میں داخل کر لیا جائے اور یہ ممکن بھی کس طرح ہے جبر و جور سے ایمان پیدا ہو جائے، اور تلوار دل کی نوک دل تک بھی پہنچ جائے؟

دعوتِ اسلام، دعوتِ توحید، اور دعوتِ اخلاص اللہ کا ایک ہی طریقہ

۱۱، ترجمۂ قرآن رفیع الدین مرحوم ۔

ہے۔ اور وہ ہے دلیل و حجت، نہ کہ تلوار و خنجر، چنانچہ اسلام کی تاریخ اس کی شہادت دیتی ہے کہ جب کبھی غیر مسلموں نے فتنہ و شر سے علیحدگی اختیار کیے رکھی۔ اور مسلمانوں کو دعوتِ اسلام کے بارے میں آزاد چھوڑ دیا، تو مسلمانوں نے کبھی تلوار نہیں اٹھائی، اور کبھی اعلان جنگ نہیں کیا،

آیاتِ قتال کی نوعیت

فریق اول جن آیاتِ قتال سے دلیل لاتا ہے وہ اس کے نزدیک مطلق ہیں، مقید نہیں ہیں۔ لیکن یہ دلیل صحیح نہیں ہے، اس لیے کیوں نہ تطبیق کی یہ صورت نکالی جائے کہ آیاتِ مطلقہ کو بھی آیات مقیدہ پر حمل کیا جائے؟

مثلاً اللہ تعالےٰ نے قتال کا حکم قطع فتنہ، حمایتِ دعوت کے لیے دیا ہے، اس حکم قتال کے ساتھ کہیں سبب بیان فرمایا گیا ہے، اور کہیں سبب کا ذکر نہیں کیا گیا ہے۔ جہاں ذکر نہیں کیا گیا ہے اس کی وجہ بھی ہو سکتی ہے کہ چونکہ دوسری آیات میں ذکر ہو چکا ہے۔ لہٰذا سبب بیان کرنے کی ضرورت نہیں سمجھی گئی،

اگر آیات میں تعارض ہوتا، تو ہم یہ سمجھتے کہ آیات متاخرہ، آیات متقدمہ کی ناسخ ہیں،

ہم آیات مقیدہ کو منسوخ بھی نہیں مان سکتے، کیونکہ جدال و قتال کا وجوب، دفع عدوان کے لیے مجمع علیہ ہے، آج تک اس وجوب کے نسخ کے بارے میں کسی نے بھی کچھ کہنے کی جرأت نہیں کی ہے،

آیات کے تعارض، اور آیات مطلقہ سے آیاتِ مقیدہ منسوخ سمجھے بھی نہیں مانا جا سکتا، اس طرح تو بہت سی آیتیں ہمارے ہاتھ سے نکل جائیں گی، اور پھر نہ معلوم کتنی بہت سی آیتوں کو ہمیں منسوخ ماننا پڑے گا

چنانچہ اس اصول پر بعض مفسرین کے قول کے مطابق صرف آیت سیف سے، تقریباً ایک سو بیس آیتیں منسوخ ماننا پڑیں گی یہ وہ آیتیں ہیں، جن میں عفو کی ترغیب دی گئی ہے، حکمت اور موعظۂ حسنہ کے ساتھ دعوت و تبلیغ کی ہدایت کی گئی ہے، جدال حسن کا ذکر کیا گیا ہے، دین کے معاملہ میں جبر و اکراہ کی ممانعت کی گئی ہے تو کیا یہ آیتیں ایک مطلق آیت کی وجہ سے ان حضرات کے نقطۂ نظر کے موافق منسوخ مان لی جائیں؟ یہ تو کسی طرح بھی ممکن نہیں ہو سکتا۔

حدیث نبوی سے کیا ثابت ہوتا ہے؟

پہلا گروہ اپنی دوسری دلیل حدیث نبوی — امرت ان اقاتل الناس — "یعنی مجھے حکم دیا گیا کہ میں لوگوں سے مقاتلہ کروں" پیش کرتا ہے، لیکن اس سے بھی اس کا مدعا ثابت نہیں ہوتا، اس لیے کہ عام مسلمانوں کا اس پر اتفاق ہے کہ اس حدیث میں "ناس" سے مراد "مشرکین عرب" ہیں مشرکین عرب کے علاوہ، دوسرے غیر عرب مشرکین اور اہل کتاب کے لیے دوسرا حکم ہے، وہ حکم یہ ہے، وہ اگر صلح پر مائل ہوں، اور مسالمت کی دعوت دیں، اور جزیہ دینے پر آمادہ ہوں، تو ان سے صلح کی جائے،

غرض حدیث بالا میں "ناس" سے مراد خاص طور پر مشرکین عرب ہیں، جو مسلمانوں پر حد سے زیادہ ظلم و جور کرتے تھے، لہٰذا اللہ نے اپنے رسولؐ کو حکم دیا کہ وہ ان سے مقاتلہ فرمائیں، یہاں تک کہ ان کا شر ٹوٹ جائے اور ان کا وہ جمود کہ ہم تو وہی کریں گے جو ہمارے باپ دادا کرتے تھے، دور ہو جائے، اور ان کی سرکشی کا زور کم ہو جائے، ان کے شر کو اس کے سوا کسی طرح دفع کیا ہی نہیں جا سکتا تھا، کہ یا تو وہ اسلام لے آئیں، یا ہمیشہ

ہمیشہ کے لیے کچل دیئے جائیں ۔

مشرکین عرب سے اگر ذرا بھی اصلاح احوال کی اُمید ہوتی، تو یقیناً انہیں بھی ذمی بنانے کی اجازت دے دی ہوتی، اور ان سے جزیہ لیا قبول کر لیا جاتا، جس طرح سے دوسرے مشرکوں کے ساتھ کیا گیا۔

لہٰذا ثابت ہوا کہ یہ حدیث ایک خاص گروہ کے بارے میں ہے، اور اس میں جس "قتال" کا ذکر کیا گیا ہے، وہ دفع شر کے لیے ہے نہ کہ دعوت اسلام کے لیے، اور یہ قتال دعوت اسلام کے لیے ہوتا۔ تو تمام مشرکوں اور کافروں سے رسول اللہ جہاد فرماتے، اور کسی سے صلح نہ کرتے۔

کافروں سے پیمانِ دوستی

اس گروہ کی تیسری دلیل یہ ہے کہ کافروں کو دوست بنانے سے منع کیا گیا ہے، لیکن یہ کوئی دلیل نہیں ہوئی، اس لیے کہ اس نہی کا مورد یہ ہے کہ مسلمانوں کے مقابلہ میں کافروں سے موالات نہ کی جائے، انہیں حلیف نہ بنایا جائے، ان کی مدد نہ کی جائے، لیکن اگر موالات، مسالمت کی ہم معنیٰ ہو، حسن معاملت کا مفہوم رکھتی ہو، یا باہمی کاروبار، اور تبادلہ منفعت اس سے مقصود ہو، تو اس کی نہ شرعاً ممانعت ہے، اور نہ یہ غیر مناسب ہے اور ایسا ہو بھی کیونکر سکتا ہے، جب کہ خود خدائے تعالیٰ نے مسلمان کے لیے جائز کر رکھا ہے، کہ وہ کافرہ کتابیہ سے نکاح تک کر سکتا ہے، کیا شادی بغیر موالات، اور محبت کے ہو سکتی ہے؟ غرض اس سے اگر کچھ ثابت ہوتا ہے تو یہی کہ کافر اور مشرک، اگر مسلمانوں سے برسرپیکار ہوں، جنگ آزما ہوں ان پر ظلم اور زیادتی کرتے ہوں، ان سے مقاتد کر رہے ہوں تو انہیں حلیف بھی نہیں بنایا جا سکتا، اور ان سے موالات بھی نہیں کی جا سکتی،

امام رازی کا قول کافروں سے موالات کے بارے میں

امام فخرالدین (رازی) نے اپنی مشہور تفسیر میں فرمایا ہے کہ موالات کے تین درجے ہوتے ہیں!

(۱) وہ موالات جو کفر پر راضی ہو، یہ موالات حرام ہے، اس لیے کہ کفر کے ساتھ رضامندی بجائے خود کفر ہے،

(۲) دنیاوی زندگی کے سلسلہ میں ایک موالات ہوتی ہے، جسے "معاشرت جمیلہ" سے تعبیر کرتے ہیں، اس کی اسلام ممانعت نہیں کرتا،

(۳) کفار کی طرف یہ جانتے ہوئے کہ ان کا دین باطل اور ان کا عقیدہ غلط ہے، میلان کا اظہار، ان کی امداد و اعانت ان کی حمایت اور پشت پناہی یہ بھی شرعاً منع ہے اس لیے کہ اس صورت میں موالات کا جاری رکھنا، یہ مطلب رکھتا ہے، کہ گویا کافروں کا طریقہ پسندیدہ ہے، اور ان کا دین اچھا ہے یہ طرز عمل بھی تعلیمات اسلامی کے منافی ہے،

جو علماء صلح کی اسپرٹ کے موید ہیں، ان میں امام فخرالدین رازی بھی ہیں، چنانچہ وہ اپنی تفسیر میں ——— لا اکراہ فی الدین قد تبین الرشد من الغی ——— تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ

"جب خدائے تعالٰے نے توحید کے دلائل کو شافی اور قاطع طور پر بیان فرما دیا اور ہر عذر کو زائل کر دیا، تو فرمایا کہ ان دلائل توحید کے ایضاد تشریح کے بعد، اب کافروں کے لیے کوئی عذر باقی نہیں رہ گیا ہے، کہ اپنے کفر پر قائم رہیں، پھر بھی جبر و قہر کے ساتھ انہیں مسلمان بنانا ہرگز جائز نہیں ہے، اس لیے کہ یہ دنیا دارالابتلا ہے، یہاں اگر دین کے معاملہ میں قہر اور قسر سے کام لیا جائے

"تو ابتلا اور امتحان کا مطلب ہی غلط ہو جائے گا، اور اس کی نظیر خدا کا یہ قول ہے کہ — ولو شاء ربك لآمن من في الارض كلهم جميعا افانت تكره الناس حتى يكونوا مؤمنين اس تاویل کی تائید خدائے تعالیٰ کے اس قول سے بھی ہوتی ہے کہ لا اکراہ فی الدین کہنے کے بعد "قد تبین الرشد من الغی" ارشاد ہوا، یعنی خدا جانتا ہے کہ دلائل ظاہر ہو گئے، بینات واضح ہو گئے اور اب بھی اگر کوئی ان دلائل اور بینات کو نہ مانے تو بظاہر اسے راہ راست پر لانے کا طریقہ یہی ہے کہ جبر و قہر سے اسے راہ صواب پر گام فرسا کیا جائے، لیکن پھر بھی اس کی اجازت نہیں ہے، کیونکہ یہ طرز عمل ابتلا کے منافی ہے، —"[1]

امام ابن تیمیہ کے ارشادات

امام ابن تیمیہ نے اپنی کتاب "السیاستہ الشرعیہ فی اصلاح الراعی و الراعیہ" میں فرمایا ہے :-

"قتال مشروع یعنی جہاد کا مقصود یہ ہے کہ مذہب (دین) صرف خدا ہی کا باقی رہ جائے، اور خدا ہی کا کلام سربلند رہے، تو جو اس راہ کا مانع ہوگا، اس کا قتل اور اس سے قتال باتفاق مسلمین جائز ہے، اور جو لوگ اہل ممانعت و مقاتلہ نہ ہوں، — مثلاً عورتیں، بچے، بوڑھے، راہب اندھے بیمار وغیرہ سوا اس صورت کے کہ وہ اپنے قول یا عمل سے مقاتلہ

---

[1] ملاحظہ ہو تفسیر کبیر (امام رازی)

کریں، جمہور علماء کے نزدیک ان کا قتل ناجائز ہے، اگرچہ بعض علماء کی یہ رائے بھی ہے کہ عورتوں اور بچوں کے علاوہ سب کا قتل صرف جرم کفر میں جائز ہے، اس لیے کہ وہ مسلمان نہیں ہیں اور ان سے مقاتلہ جائز ہے،

جو ہم سے قتال پر آمادہ ہو، یا جو ہماری دعوت و تبلیغ کے راستہ میں آڑے آتا ہو، اس سے قتال جائز ہے، خدائے تعالیٰ کا ارشاد ہے ــــ وقاتلوا فی سبیل اللہ الذین یقاتلونکم ولا تعتدوا، ان اللہ لا یحب المعتدین۔

"یعنی ان لوگوں سے مقاتلہ کرو جو خدا کے راستہ میں تم سے مقاتلہ کرتے ہوں، لیکن ظلم و زیادتی نہ کرو، اللہ زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا [1]"

سنت رسول کی تائید

سنن رسول سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے، ایک مرتبہ رسول اللہ صلعم ایک مقتول عورت کے پاس سے گزرے، جو کسی غزوہ میں قتل ہوئی تھی، اور لوگ اس کے پاس کھڑے ہوئے تھے، آپ نے پوچھا کہ کیا اس نے بھی مقاتلہ کیا تھا؟ پھر آپ نے ایک شخص سے فرمایا، جاؤ خالد سے کہو، بچوں کو اور مجبوروں کو قتل نہ کریں، اسی طرح ایک موقع پر سرکار رسالت نے فرمایا، شیخ فانی طفل صغیر، اور عورت کا قتل ناجائز ہے، اس حکم کی مصلحت یہ ہے کہ قتل انہی لوگوں کا جائز ہے کہ جن کے قتل میں بندگان خدا کی صلاح و فلاح مضمر ہو، جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے الفتنۃ اشد من القتل!

---

[1] ملاحظہ ہو السیاسۃ الشرعیۃ فی اصلاح الراعی والرعیۃ (ابن تیمیہ)

امام رازی نے اپنی تفسیر میں سورۂ بقرہ کی اس آیت

وقاتلوا فی سبیل اللہ الذین یقاتلونکم ولا تعتدوا

کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا ہے۔

یہ آیات مجمل ہیں ان کی تفسیر اور شان نزول پر غور کیا جائے تو معلوم ہو گا، کہ حالتِ احرام میں، بلد احرام میں، شہرِ حرام میں مسلمانوں کے لیے قتال اس صورت میں جائز ہے، کہ مشرکین خود ان پر حملہ کریں بشرطیکہ وہ پرسکون رہیں، اپنے عہد پر قائم رہیں، ظلم و زیادتی نہ کریں"

ناسخ و منسوخ کی حیثیت

ان آیات میں ناسخ و منسوخ کا سوال نہیں ہے، یہ واقعات کے سلسلہ میں نازل ہوئی ہیں، اور ان کے احکام اپنی جگہ پر قائم ہیں، ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ ان میں نسخ نہیں ہے، اور جو شخص حکم قتال کو عمومی طور پر مراد لے تو وہ ان آیات کا ایسا مفہوم مراد لے رہا ہے، جو ان کا اصل مفہوم نہیں ہے، سورۂ آل عمران کی آیات غزوہ احد کے وقت نازل ہوئی تھیں، اور یہ وہ وقت تھا، جب مشرکین عرب مسلمانوں پر زیادتی کر رہے تھے، سورۂ انفال کی آیات غزوۂ بدر میں اتری تھیں، اس زمانہ میں مشرکین دراز دستیوں پر تلے ہوئے تھے، سورۂ براۃ کی آیات بھی مشرکین کے نکث عہد کے سلسلہ میں اتری تھیں، اسی لیے فرمایا۔

الا تقاتلون قوما نکثوا ایمانھم وھموا باخراج الرسول وھم بدءوکم اول مرۃ — یعنی ان لوگوں سے ضرور مقاتلہ کرو، جنہوں نے معاہدے توڑ دیئے، اور اخراج رسول کی کوشش کی اور جنہوں نے پہل کی، ش

مشرکین کا ظلم و جور

مشرکین خود مسلمانوں کو جدال و قتال پر مجبور کر رہے تھے، اور اگر مسلمان آمادۂ قتال نہ ہوتے تو مسلمانوں کا اعتدا اخراج رسول پر منتج ہوتا، مسلمان فتنہ میں مبتلا ہوتے، انہیں ایذا دی جاتی، ان کی دعوت و تبلیغ بند کر دی جاتی ان میں سے ہر چیز مشرکین کے اعتدا اور زیادتی کو ثابت کرنے کے لیے کافی تھی، اور اس کے مقابلہ میں مقاتلہ جائز تھا، لہٰذا ان مواقع پر رسول اکرمؐ کا قتال حق کی مدافعت اور دعوت حق کی حمایت کے لیے تھا، اسی لیے جواز قتل کی شرط میں تقدیم دعوت ملحوظ رکھی گئی ہے۔ اور دعوت حجت اور برہان پر مبنی ہوتی ہے نہ کہ تلوار اور سنگین پر، پس اگر کفار و مشرکین ہمیں دعوت کا حق نہ دیں اور قوت سے روکیں، داعی کو دھمکائیں، یا قتل کریں۔ تو ہم پر فرض ہے کہ حمایت دعوت اور نشر دعوت کے لیے ہم مقاتلہ کریں، اور یہ مقاتلہ اس لیے نہیں ہوگا کہ انہیں زبردستی مسلمان بنا لیا جائے، کیونکہ خدا اس سے منع فرماتا ہے،

فرماتا ہے ——— "لا اکراہ فی الدین قد تبین الرشد من الغی ——" یا فرمایا ——— افانت تکرہ الناس حتی یکونوا مؤمنین

بلکہ اس حق کے لیے ہوگا، کہ ہم دعوت اسلام دے سکیں۔

خواہ مخواہ جنگ نہیں کی جا سکتی

اور اگر یہ صورت ہو کہ دعوت اسلام پر پابندی نہ ہو، دعاۃ کو ایذا نہ پہونچائی جاتی ہو، انہیں قتل نہ کیا جاتا ہو، انہیں ڈرایا دھمکایا نہ جاتا ہو، مسلمانوں پر ظلم و زیادتی نہ ہوتی ہو، تو ہم پر خدا نے اس حالت میں ہرگز قتال فرض نہیں کیا ہے۔ کہ ہم خواہ مخواہ خدا کے بندوں کا خون بہائیں، لوگوں کے جسم

و جان کا رشتہ منقطع کریں، یا کسی اور طمع کے سبب حرب و پیکار پر آمادہ ہوں۔

صحابہ کی لڑائیاں

صدر اول میں حروب صحابہ پر غور کیجئے، تو معلوم ہوگا کہ صحابہ نے جتنی لڑائیاں لڑیں، وہ سب صرف حمایت دعوت کے لیے تھیں، اس لئے تھیں کہ مسلمان کفار و مشرکین کے ظلم و جور سے محفوظ رہیں، اس لیے نہیں تھیں کہ مسلمان خود ظلم کریں،

روم والے بلاد عربیہ کی سرحدوں پر دھاندل مچایا کرتے تھے، جو شخص اسلام قبول کر لیتا تھا اسے طرح طرح کی تکلیفیں دیتے تھے،

فارس کے لوگ ان سے بھی دو قدم آگے بڑھے ہوئے تھے۔ یہ وہ تھے جنہوں نے رسول اللہ کے مکتوب گرامی کا پھاڑ ڈالا تھا، دعوت اسلام رد کردی تھی، مسلمانوں کو شدید ایذائیں پہونچاتے تھے، اسلام کے قاصدوں کو دھمکی دی تھی، غرض اسی طرح کی بہت سی حرکتیں کرتے رہتے تھے، لہٰذا ان کے خلاف تلوار اٹھانا، لازمی اور ضروری تھا۔

قوی اور ضعیف کی کشمکش

اور اس کے بعد فتوحات کو لیجیئے، تو معلوم ہوگا، کہ قوی اپنے کمزور پڑوسی پر دست تظلم دراز کرتا تھا، کوئی غالب قوم بھی، مغلوب قوم کے ساتھ رحم و کرم کا برتاؤ نہیں کرتی تھی، دُنیا کی کوئی قوم عربوں کے مقابلہ میں نہیں پیش کی جاسکتی تھی، جس نے اپنے فتوحات کے دور میں ضعیف اور کمزور اقوام کے ساتھ عربوں سے زیادہ رحم و شرافت کا سلوک کیا ہو، اور اس کی شہادت خود علمائے فرنگ دیتے ہیں،

غرض قتال کے بارے میں صاف بات یہ ہے، کہ جہاد دفاع حق حمایت دعوت اور نصرت دین کے لیے فرض کیا گیا ہے،

ہماری ان تصریحات سے ثابت ہوگیا کہ اعداء اسلام کا یہ دعویٰ بالکل جھوٹ ہے کہ اسلام تلوار سے پھیلا ہے، اور جاہلوں اور متعصبوں کا یہ قول بھی غلط ہے کہ اسلام دین الٰہی نہیں ہے، کیونکہ خدائے رحمٰن و رحیم خون ریزی کی اجازت نہیں دے سکتا، نیز اسلام کے دشمنوں کا یہ دعوےٰ بھی مہمل ثابت ہوگیا کہ عقائد اسلامیہ مدنیت و حضارت کے لیے ایک مستقل خطرہ ہے، اسلام تو سارے جہان کے لیے رحمت عامہ ہے، اور بس!

امثال ونظائر

کیا چشمِ فلک نے یہ منظر بھی کبھی دیکھا ہے؟

گزشتہ اوراق میں عہدِ خلافت کا ایک مختصر سا خاکہ ہم پیش کر چکے ہیں، جس سے اندازہ ہو جاتا ہے کہ، اس عہدِ گرامی میں حکومت کس طرح کی جاتی تھی؛ رعایا کے ساتھ کیسا برتاؤ ملحوظ رکھا جاتا تھا؟ عامۃ مسلمین کے شہری اور ذاتی حقوق کی کیونکر نگہداشت کی جاتی تھی؟ غیر مسلموں کو نہ صرف اپنے دینی معاملات میں مکمل آزادی حاصل تھی، بلکہ مملکتِ اسلامیہ کے ایک شہری ہونے کی حیثیت سے وہ تمام آزادیاں اور سہولتیں حاصل تھیں۔ جو کسی مسلمان کو حاصل ہو سکتی تھیں، بلکہ بعض اعتبارات سے تو انہیں مسلمانوں سے بھی زیادہ رعایتیں حاصل تھیں،

اسی دور میں فتوحات کا سلسلہ شروع ہوا۔ اور وسیع پیمانہ پر جاری رہا۔ غیر مسلموں سے جنگ ہوئی۔ صلح ہوئی، معاہدے ہوئے، انہوں نے رضاکارانہ طور پر محکومی اختیار کر لی، وہ شکست سے دوچار ہوئے، انہوں نے ذمی بننا منظور کر لیا، وہ خراج دینے پر آمادہ ہو گئے، انہوں نے جزیہ دینے پر آمادگی ظاہر کی، انہیں سرکاری ملازمتیں ملیں، ان پر اعتماد کیا گیا، ان سے راہ و رسم بڑھائی گئی، ان سے رشتہ و پیوند کے تعلقات قائم ہوئے، ان

سے میل جول بڑھا، اُنھوں نے صلح کے باوجود جنگ کی تیاریاں کیں، معاہدے کے باوجود بغاوت کی، پیمانِ دوستی باندھ کر سازش کی، اعتماد حاصل کرکے اعتماد شکنی کی، مسلمانوں کی حمایت میں آنے کے باوجود، اپنے ہم قوموں اور ہم مذہبوں سے نہ صرف ربط ضبط قائم رکھا بلکہ ان کے جاسوس بنے رہے۔ ان کے لیے معلومات حاصل کرتے رہے، اُنہیں طرح طرح سے فائدے پہنچاتے رہے، لیکن ان مختلف اور متعدد، اور متنوع حالات کے طویل دور میں ایک مثال بھی ایسی نہیں ملتی کہ ان سے انتقام لیا گیا ہو۔ انہیں ہدفِ ستم بنایا گیا ہو، ان کے ساتھ زیادتی کی گئی ہو، ان کے حقوق چھینے گئے ہوں، جو مراعات اُنہیں دیے گئے تھے، وہ واپس لے لئے گئے ہوں، عیسائی حکومتوں سے مسلمان لڑتے تھے، لیکن عیسائی ذمیوں کے ساتھ برادرانہ برتاؤ کرتے تھے، یہودیوں سے جنگ و پیکار کا سلسلہ جاری تھا۔ لیکن معاہد یہودیوں کے ساتھ اُن کا برتاؤ صرف فراخ دلی اور رواداری ہی کا تھا، مشرکوں اور کافروں کے سروں پہ تلواریں کھنچی تھیں، لیکن ان میں سے جو مشرک اور کافر — مجوسی وغیرہ — مسلمانوں کی امان میں آ گئے۔ انہیں یہ محسوس ہی نہیں ہوتا کہ پالا دشمن سے پڑا ہے۔

ان واقعات کو پیش نظر رکھ کر بار بار۔ واقعات ہندوستان کے یاد آتے ہیں۔ بھارت کی حکومت کو اس پر فخر ہے کہ وہ مہذب ہے متمدن ہے مسلم ممالک کے ساتھ اس کے تعلقات بہت زیادہ دوستانہ ہیں، کرنل ناصر نے بھارت کی دوستی میں پاکستان سے بگاڑ پیدا کر لیا، سلطان ابن سعود نے بھارت کا دورہ کیا، ہاتھوں ہاتھ لیے گئے، اور چلتے وقت انڈین گورنمنٹ کو سرٹیفکیٹ دیتے گئے، کہ یہاں مسلمان بڑی اچھی حالت میں ہیں، شام

کے صدر مملکت سید قوتلی نے بھارت کا دورہ کیا، پنڈت نہرو کو برادر گرامی، کے خطاب سے نوازا، اور جب روانہ ہونے لگے، تو، دنیا کو یہ باور کرا گئے کہ بھارت میں مسلمان اچھی طرح شاد اور خرم ہیں، پنڈت نہرو سعودی عرب کے دورے پر تشریف لے گئے، دارالحکومت ریاض میں جب پہنچے تو انہیں، رسول السلام کے نام سے یاد کیا گیا۔ اسی طرح، کہ صلح و سلام اور امن و امان ان کی زندگی کا نصب العین ہے، لیکن انہی پنڈت نہرو کے دور حکومت میں اور عالم اسلام کے اسی دوست ملک بھارت میں آج بھی ہزاروں مسجدیں پکار پکار، کر کہہ رہی ہیں کہ ہمیں فواحش کا اڈہ بنا یا گیا ہے، ہمارے صحن دار سے قمار خانے کا کام لیا جاتا ہے، ہمارے مینارے سنسان پڑے ہیں، وہاں سے اب اذان کی آواز بلند نہیں ہو سکتی، جن محرابوں میں سجدے کیے جاتے تھے، وہ اب نجاست کا مرکز ہیں، خدا را ہمیں بچاؤ، لیکن یہ فریاد نہ سلطان ابن سعود کے گوش حق نیوش تک پہنچتی ہے، نہ سید قوتلی کے دہن مبارک تک، نہ کرنل ناصر کی بارگاہ فلک پائگاہ میں، یہی نہیں پنڈت نہرو کے دارالحکومت میں، اور، دوست ملک بھارت میں اب بھی ایسی ہزاروں لڑکیاں اور عورتیں موجود ہیں، جنہیں صرف اس جرم میں کہ وہ مسلمان ماں کے پیٹ سے پیدا ہوئی تھیں، بے آبروئی، اور بے عصمتی کی زندگی بسر کرنے پر مجبور کیا گیا، انہیں ان کے ماں باپ سے چھین لیا گیا، بھائیوں سے چھڑا لیا گیا۔ ملت، قوم، مذہب، خاندان، برادری، سے محروم کر دیا گیا، ان کے دل مسلمان ہیں، لیکن، جسم، ——— ؟ آہ کاش کرنل ناصر کی عقابی نگاہ، سلطان ابن سعود کی نگاہ کرم، اور سید قوتلی کی چشم التفات کبھی خدا دیر کے لیے اس طرف بھی اٹھ جاتی۔ لیکن سیاست اور رقابت ان امور پر غور کرنے

کا موقع کب دیتی ہے۔

ہاں تو ایک طرف، ۱۹۴۷ء سے، ۱۹۵۰ء تک کا متمدن اور مہذب بھارت ہے، دوسری طرف آج سے چودہ سو برس پہلے کا اسلامی نظام حکومت ہے۔ جس کی کہنگی اور فرسودگی پر آج کے مہذب اور متمدن ارباب سیاست استہزا فرماتے ہیں، —— لیکن کیا ان دونوں میں کوئی مناسبت ہے؟ کوئی دُور کی بھی مناسبت ہے؟

داستان کہن

ان اوراق میں یہی داستان بیان کی گئی ہے کہ، یہ کہنہ اور فرسودہ اسلام، یہ دیرینہ اور پارینہ نظام اسلام، اپنے دامن میں، غیروں اور بیگانوں، بلکہ دشمنوں اور مخالفوں تک کے لیے، کتنی گنجائش رکھتا ہے؟ جنگ آج بھی ہوتی ہے، صلح آج بھی کی جاتی ہے، معاہدے آج بھی ہوتے ہیں، لیکن خدارا ہمیں بتایا جائے، کیا اس جنگ میں خون انسانی کی اتنی ہی حرمت ملحوظ رکھی جاتی ہے، جتنی اسلامی جنگوں میں رکھی گئی ہے؟ کیا کوئی صلح اتنی پائیدار، اور کوئی معاہدہ اتنا مستحکم انسانیت کے اس دَور فروغ میں نظر آتا ہے، جتنا عہد اسلام میں؟ ان حقائق کو دیکھتے اور جانتے ہوئے بھی، اگر کچھ لوگ اسلام کی رواداری کے خلاف زبان طعن دراز کرتے ہیں، تو اس کی ذمہ داری اسلام پر کیونکر عائد ہو سکتی ہے؟

گر نہ بیند بہ روز شپرہ چشم
چشمۂ آفتاب را چہ گناہ؟

حضرت ابوبکرؓ صدیقؓ کا زمانہ

سب سے پہلے، ہم خلیفۂ اوّل حضرت ابوبکر صدیقؓ کے عہدِ معدلت پر ایک نظر ڈالتے ہیں، اور دیکھتے ہیں کہ آپ نے اپنے زمانۂ خلافت وحکومت میں غیر مسلموں کے ساتھ کیسا برتاؤ کیا ؟ بلکہ مسندِ خلافت پر متمکن ہونے سے پہلے بھی، اس بارے میں آپ کا رویّہ کیا تھا ؟

اسیرانِ جنگِ بدر

اسلام کی تاریخ میں جنگِ بدر کو غیر معمولی حیثیت اور اہمیّت حاصل ہے۔ اس جنگ میں بے سروسامانی کے باوجود خدا نے مسلمانوں کو غلبہ عطا فرمایا، اور سازوسامان کی فراوانی کے باوجود، کفار کے حصّہ میں شکست اور ہزیمت آئی۔ اور اس شکست ہزیمت کا لازمی نتیجہ یہ نکلا کہ دشمن (کفار) کے بہت سے آدمی، گرفتار کر لیے گئے۔

اب سوال یہ پیدا ہوا کہ ان لوگوں کے ساتھ کیا برتاؤ کیا جائے ؟ وقت کا عام طریق کار یہ تھا کہ جو لوگ میدانِ جنگ میں گرفتار ہوتے تھے،

غلام بنا لیے جاتے تھے، اور غلامی کے بعد ان پر لرزہ خیز اور ہولناک مظالم ڈھائے جاتے تھے، انہیں مارا جاتا تھا، ان سے دن بھر کام لیا جاتا تھا۔ ان کی بے عزتی کی جاتی تھی، ان کے ساتھ ننگ انسانیت سلوک کیا جاتا تھا، انہیں فقر و فاقہ کی زندگی بسر کرنے پر مجبور کیا جاتا تھا، غرض شقاوت، اور بہیمیت کا رونگٹے کھڑے کرنے والا برتاؤ ان مجبوروں کے ساتھ روا رکھا جاتا تھا، اور ان غریبوں کو نہ فریاد کی اجازت تھی، نہ آہ و نالہ کی،

کیا اسلام بھی، وقت کی عام سفاکیوں کی پیروی کرتا اور اسیران جنگ بدر کو غلام بناکر، ان پر طرح طرح کے ستم توڑتا؟ یہ بات اسلام کی سرشت اور مزاج کے خلاف تھی، معاملہ بے حد اہم تھا، رحمۃ للعالمین نے، یہ مسئلہ صحابہ کرام کے سامنے بغیر حسن و صلاح و مشورہ پیش کیا،

حضرت عمر رضہ نے رائے دی کہ، ان کو قتل کر دیا جائے، اور حالات کے لحاظ سے عمر فاروق کی یہ رائے مناسب بھی تھی، یہ وہی لوگ تو تھے، جنہوں نے مکہ میں اسلام کی تبلیغ ناممکن بنا دی تھی، جنہوں نے داعی اسلامؐ کی زندگی اجیرن کر دی تھی، جنہوں نے مسلمانوں کو ترک وطن اور مہاجرت پر مجبور کر دیا تھا۔ جنہوں نے مدینہ کے یہودیوں سے سازشیں کی تھیں کہ مسلمان امن اور عافیت کی زندگی پردیس میں بھی نہ بسر کرنے پائیں، حضرت عمر کی اس رائے پر اگر عمل کیا جاتا، تو ہرگز کوئی ظلم نہ ہوتا، کسی طرح کی ناانصافی نہ ہوتی، بلکہ عین انصاف ہوتا۔

لیکن حضرت ابوبکر رضہ نے پانسہ پلٹ دیا۔ اُنہوں نے یہ رائے ظاہر فرمائی کہ اسیران جنگ کو فدیہ لے کر چھوڑ دیا جائے، اپنی رائے کی تائید میں حضرت ابوبکر رضہ نے جو باتیں فرمائیں، اور ان میں ایک اہم بات یہ تھی کہ

ممکن ہے آگے چل کر یہ لوگ اسلام و مقام قبول کر لیں ،

رحمۃ العالمین ﷺ نے حضرت ابوبکر رض کی رائے قبول فرما لی ، اور رب العالمین نے بھی اس قبولیت پر مہر تصدیق ثبت کر دی ، اور بعد کے واقعات سے ثابت کر دیا کہ حضرت ابوبکر کی رائے کتنی صحیح تھی ، یہ واقعہ ہے کہ اسیران جنگ بدر میں سے ، متعدد لوگ اسلام کی حقانیت سے تنگ آکر رضا کارانہ طور پر ، کچھ عرصہ بعد حلقۂ اسلام میں داخل ہو گئے ، اگر یہ لوگ قتل کر دیئے جاتے یا غلام بنا لیے جاتے ، تو بے شک وقت کے رواج اور تعامل کے مطابق یہ کوئی بری بات نہ ہوتی ، لیکن ان کی آزادی توسیع اسلام میں ممد و معاون ہوئی ، اسلام کی یہ رواداری اور وسعت گدائی دیکھ کر دشمن بھی اسلام کا کلمہ پڑھنے لگے ۔

شام کے پادری کا سر

بیہقی نے عقبہ بن عامر سے روایت کی ہے کہ عمرو بن عاص اور شرجیل بن حسنہ نے حریہ کے ہاتھ بطریق شام کا سر حضرت ابوبکر صدیق کے پاس بھیجا جب آپ کے پاس آیا تو آپ نے اس فعل سے منع کیا ، عقبہ نے عرض کیا یا خلیفۂ رسول اللہ وہ بھی تو ہمارے ساتھ ایسا ہی کرتے ہیں ۔ آپ نے فرمایا کہ عمرو بن عاص اور شرجیل فارس اور روم کی اقتدا کرتے ہیں کسی کا سر نہ کاٹ کر روانہ کیا جائے ہمیں اقتدا کے لیے قرآن اور حدیث کافی ہیں ۔[1]

مسلمانوں کی ہجو کی سزا ذمی کو نہیں ملے گی

اگر کوئی ذمی ، ـــــ وہ غیر مسلم جو مسلمانوں کی پناہ میں ہو ـــــ

---

[1] تاریخ الخلفا (سیوطی) ، ص۹۶

ــ مسلمانوں کی من حیث القوم ہجو کرے، ان کی برائیاں بیان کرے، ان کے خلاف، توہین آمیز اور اشتعال انگیز گیت گائے۔ تو اس کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے گا؟ ــــــ جنیبہ:

کچھ آدمی مہاجر بن امیہ حاکم یمامہ کے پاس دو عورتوں کو جن میں سے ایک رسول اللہ صلعم کی شان مبارک کے خلاف اور دوسری مسلمانوں کے خلاف ہجو آمیز گیت گایا کرتی تھی۔ پکڑ لائے حاکم یمامہ نے دونوں کو یہ سزا دی کہ ان کے ہاتھ کٹوا دیئے اور دانت نکلوا ڈالے، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان کو لکھا کہ مجھے یہ خبر ملی ہے کہ تم نے دو عورتوں کو ایسی ایسی سزا دی ہے اگر تم نے ان کے سزا دینے میں جلدی نہ کی ہوتی تو میں اس عورت کے متعلق کہ جس نے حضور اکرم صلعم کی شان مبارک میں گستاخی کی ہے قتل کی سزا تجویز کرتا۔ کیونکہ انبیاء علیہ اسلام کی شان سب سے اعلیٰ ارفع ہے۔ خصوصاً اگر ایسی گستاخی کسی مسلمان سے سرزد ہو تو وہ مرتد ہے یا غدار محارب اور اس عورت کے متعلق جو مسلمانوں کی ہجو کرتی تھی۔ اگر وہ اسلام کا دعوے کرتی ہے تو اس کی تادیب کرتا اور اسے شرم دلانا چاہیئے تھا۔ ہاتھ پیر نہ کاٹنا چاہیئے تھے۔ اور اگر ذمیہ ہے تو یہ شرک سے زیادہ برا فعل نہ تھا۔ جب اس کے شرک پر صبر کیا جاتا ہے اس فعل پر بھی کرنا چاہیئے تھا۔ ہاتھ پیر سوائے قصاص کے کٹوا دینے کو میں مکروہ سمجھتا ہوں کیونکہ ایسی سزا پانے والے کو ہمیشہ شرم دامنگیر رہتی ہے[1]

[1] تاریخ الخلفاء (سیوطی) صفحہ ۹

اس واقعہ کی آخری سطروں پر غور کیجئے۔ حضرت ابوبکر فرماتے ہیں ،
مسلمان قوم کی ہجو ، شرک سے برا فعل نہیں ہے ، جب اسے گوارا کرتے
ہوئے ایک کافر کو ہم نے اپنے ذمہ میں لے لیا ۔ تو پھر کمتر جرم پر سنگین سزا کیونکر
دی جا سکتی ہے ۔ یہ بھی ملاحظہ فرمایئے ۔ کہ ہر حالت میں خواہ معاملہ دشمن ہی کیوں
نہ ہو ، حضرت ابوبکر انسانیت کے پہلو کو کتنا عزیز رکھتے تھے ؟ فرماتے ہیں ،
اس طرح کی سزا ہیں ، جن لوگوں کو ملتی ہیں ، وہ ہمیشہ دوسروں سے آنکھ ملاتے
ہوئے شرماتے ہیں ، سزا کا مقصد اصلاح ہے نہ کہ رسوائی ، اور تضحیک

کیا یہ باریکیاں ان لوگوں نے بھی کبھی پیش نظر رکھیں ، جنہوں نے مسلمانوں
پر غلبہ پایا ؟ ـــــ واقعات و حقائق کا جواب انکار میں ہے ۔

جیش اسامہؓ

مسند خلافت پر بیٹھنے کے بعد ، سب سے پہلا کام جو حضرت ابوبکرؓ
نے کیا وہ جیش اسامہ رضؓ کی روانگی تھی ، یہ وہ لشکر تھا ، جسے رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم نے مرتب فرمایا تھا ۔ اور کفار کی سرکوبی کے لیے روانگی کا حکم دیا تھا ،
لیکن قبل اس کے کہ یہ لشکر کوچ کرے آپ کی وفات ہوگئی ۔ حالات بہت ناموافق
تھے ۔ لیکن ابوبکر صدیق کی عزیمت نے اس لشکر کی روانگی میں تاخیر نہ روا رکھی
اور روانگی کا حکم صادر کر دیا ۔ اور

خود پیادہ اس کی مشایعت کی اسامہ اونٹ پر سوار تھے اور
عبدالرحمان بن عوف ابوبکر کے گھوڑے کو آگے سے لگام پکڑ کر لا رہے
تھے ، اسامہ نے کہا یا خلیفہ رسول اللہ یا تو آپ بھی سوار ہو جائیں ورنہ
میں اتر جاتا ہوں ۔ ابوبکر نے کہا یہ دونوں باتیں نہیں ہو سکتیں ، نہ
تم اتر سکتے ہو اور نہ میں سوار ہوں گا میں اس وقت اس لیے

پیدل چل رہا ہوں تاکہ اللہ کی راہ میں کچھ دیر تک پیدل چلکر اپنے قدم خاک آلود کر لوں کیونکہ مجاہد کے ہر قدم کے عوض میں سات سو نیکیاں لکھی جاتی ہیں سات سو درجے بڑھائے جاتے ہیں اور اس کی سات سو خطائیں معاف کی جاتی ہیں۔

دس نصیحتیں

یہ لشکر ایک بڑی مہم پر جا رہا تھا، یہ اسلام کی فوج تھی، جو غیر مسلموں کی زیادتی، ظلم اور عدوان کا انتقام لینے جا رہی تھی، تلوار جب میان سے نکلتی ہے۔ تو کسی کے ساتھ رعایت نہیں کرتی ـــــــ لیکن اسلام کی تلوار اندھا دھند کبھی نہیں چلتی، چلتے چلتے حضرت ابوبکر رکے اور فرمایا:

ذرا ٹھہر جاؤ ــــ میں دس باتوں کی تم کو نصیحت کرتا ہوں۔ ان کو اچھی طرح یاد رکھو۔

(۱) خیانت نہ کرنا،

(۲) نفاق نہ برتنا۔

(۳) بدعہدی نہ کرنا،

(۴) مثلہ نہ کرنا، (اعضائے جسم کو قطع نہ کرنا)

(۵) کبھی چھوٹے بچے کو پیر مرد کو اور عورت کو قتل نہ کرنا،

(۶) کسی کھجور کے درخت کو نہ کاٹنا اور نہ جلانا،

(۷) اور کسی ثمر دار درخت کو قطع نہ کرنا سوائے کھانے کی ضرورت کے

(۸) بیکار کسی بکری گائے اور اونٹ کو ذبح نہ کرنا،

(۹) تم کو ایسے لوگ بھی ملیں گے جو ترک دنیا کر کے خانقاہوں میں بیٹھ گئے ہیں، اُن سے کوئی تعارض نہ کرنا،

(۱۰) بعض لوگ تمہارے لیے کھانے کے خوان لائیں گے اگر تم اس میں سے

کچھ کھانا چاہو تو اللہ کا نام لیکر کھاؤ ،

جنگ میں دشمن کا خون پانی کی طرح بہایا جاتا ہے۔ لیکن اسلام کی جنگ میں خیانت سے روکا جاتا ہے، نفاق سے دُور رہنے کی ہدایت کی جاتی ہے ، بدعہدی سے منع کیا جاتا ہے مثلہ کی ممانعت کی جاتی ہے ۔ دشمن کے بچوں، بوڑھوں ، اور عورتوں کے قتل سے باز رہنے کا حکم دیا جاتا ہے ، درختوں کے کاٹنے اور جلانے ، دشمن کے جانوروں کو پکڑنے اور ذبح کرنے سے روکا جاتا ہے ، اور ترک دنیا کرکے خانقاہوں میں بیٹھنے والے (عیسائی پادری راہب وغیرہ) لوگوں سے تعارض کرنے کی ممانعت فرمائی جاتی ہے۔

کیا اس جنگ کو بھی مقدس نہیں کہا جا سکتا ؟ کیا ایسی جنگ میں بھی ، کسی پر زیادتی ممکن ہے ؟ کیا دُنیا میں اسلام کے سوا کسی اور نے بھی ایسی لڑائیاں لڑی ہیں ؟

جنگ ارتداد

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد ، جب حضرت ابو بکرؓ جلوہ آرائے مسند خلافت ہوئے ، تو اس منصب پر فائز ہوتے ہی ، آپ کو ایک نہایت سنگین اور خطرناک صورت حال سے دوچار ہونا پڑا ، اس کا اگر بروقت تدارک آپ نے نہ کیا ہوتا تو اسلام کا ماننے والا ایک فرد بھی اس کرۂ ارض پر باقی نہ رہتا ، جیسے ہی آں حضرتؐ نے اس دُنیا سے پردہ فرمایا ، قبائل کی بہت بڑی تعداد مرتد ہوگئی ، اور یہ ارتداد ، صرف ارتداد نہ تھا ، اپنے ساتھ بغاوت کی شورش بھی لایا ، درحقیقت یہ ارتداد دین سے نہیں حکومت سے تھا ، کسی عقیدہ کی تبدیلی نہ تھی ، حکومت کا تختہ الٹ دینے کی سازش تھی ،

طبری کی روایت ہے،

تھوڑی ہی مدت میں بلا استثناء رسول اللہ صلعم کے مقرر کردہ تمام اُمراء نے اپنے اپنے مستقر سے یہ اطلاع دی کہ ہر جگہ فتنہ ارتداد برپا ہوگیا ہے کوئی قبیلہ ایسا نہیں جو کہ کُل یا اس کے کچھ لوگ مرتد ہوکر باغی نہ ہو گئے ہوں اور مسلمانوں پر ہر طرح کی مصیبت اور پریشانی چھائی ہوئی ہے،

اگر یہ ارتداد صرف دین سے ہوتا۔ یعنی، کسی شخص نے۔ یا کچھ لوگوں نے یا ایک بہت بڑی جماعت نے اپنا عقیدہ تبدیل کر لیا ہوتا، اسلام کے بجائے کسی اور مذہب کو اپنا لیا ہوتا۔ تو ان کے ساتھ سختی اور تشدّد کی ضرورت نہیں تھی، اس لیے کہ دین کے معاملہ میں اسلام کسی طرح کا جبر و بیجا روا نہیں رکھتا۔ جیسا کہ اس کتاب کے پہلے حصہ میں، ہم تفصیل سے بتا چکے ہیں، وہ واضح طور پر کہتا ہے۔

لا اکراہ فی الدین — دین کے معاملہ میں کسی طرح کا جبر و بیجا جائز نہیں ہے،

اسی کا ارشاد یہ بھی ہے،

لکم دینکم ولی دین — تمہارے لیے تمہارا دین اور میرے لیے میرا دین،

متعدد قرآنی آیات میں، اسلام نہ قبول کرنے والوں، یا اسلام قبول کرکے ارتداد اختیار کرنے والوں کا ذکر ہے لیکن سارے قرآن میں کہیں بھی انہیں قتل کر دینے، یا ہدف تعزیر بنانے کا ذکر نہیں ہے، پھر بھلا حضرت ابوبکر صدیق جیسا جانشین رسول کیونکر یہ کر سکتا تھا کہ روح اسلام کے منافی

کوئی قدم اُٹھاتا ؟ بات یہی تھی کہ ارتداد کی آڑ میں بغاوت کی جا رہی تھی، مسلمانوں کو ختم کر دینے کے منصوبے بنائے جا رہے تھے، دین اسلام کو مٹا دینے کی سازشں کی جا رہی تھی، ظاہر ہے کوئی حکومت بھی، شورش بدامنی، اور بغاوت پر خاموش نہیں رہ سکتی سوائے دبانے اور کچلنے پر مجبور ہے،

نازک گھڑی

یہ بڑا نازک وقت تھا، آں حضرت ؐ کے وصال نے، مسلمانوں کی نگاہ میں دنیا تیرہ و تار کر دی تھی، جیش اسامہ کی روانگی نے ان کی فوجی حیثیت اندرون خانہ کمزور کر دی تھی، وسائل و ذرائع پہلے ہی نہ ہونے کے برابر تھے، اب اور زیادہ مفقود نظر آ رہے تھے، ان حالات میں قبائل عرب کی ایک بہت بڑی تعداد نے ارتداد اختیار کیا، بغاوت اور شورش اختیار کی، اور مدینہ منورہ پر حملہ کی تیاریاں شروع کر دیں، اور یہ ارتداد بھی کیسا عجیب تھا، یعنی صرف یہ نہیں تھا کہ ہم اسلام ترک کرتے ہیں، یہ تھا کہ زکواۃ نہیں دیں گے، گویا صرف ارتداد ہی نہیں، بغاوت اور شورش ہی نہیں، فساد انگیزی بھی، فتنہ آمائی بھی، مسلمانوں کے اندر تفرقہ پیدا کرنے کی سعی نا روا بھی، ارتداد بھی، اور اسلام کا دعویٰ بھی،

یہ بڑی نازک گھڑی تھی، اس موقع پر اگر ذرا بھی نرمی کا اظہار کیا جاتا، تو مسلمان بھی ختم تھے، اسلامی حکومت بھی، اور اسلام بھی، لیکن آں حضرت ؐ کا وہ رفیق بلند قدر اپنی عزیمت سے اس مرحلہ کو جیت لے گیا، اس نے ظاہری بے سرو سامانی کے باوجود اعلان جہاد کیا، اور ارتداد کا لبادہ اوڑھنے والے باغیوں کی کمر توڑ دی، جمعیت منتشر کر دی، اور

اسلام کا دبدبہ پھر قائم کر دیا۔

مسلمانوں کی مظلومیت

ارتداد کے وقت صورت حال کیا تھی،؟ اسے ہم طبری کے حوالہ سے پیش کرتے ہیں:۔

ان قبائل نے اپنے وفد مدینے بھیجے تھے یہ مدینے آکر عائد مدینہ کے یہاں فروکش ہوئے عباس رض کے علاوہ اور سب نے ان کو اپنے یہاں مہمان بنا لیا اور ان کو ابو بکر رض کی خدمت میں لے آئے، اس شرط کے ساتھ کہ وہ نماز تو پڑھتے رہیں مگر زکواۃ نہ دیں، اللہ نے ابو بکر رض کو حق پر راسخ کر دیا انہوں نے کہا کہ اگر یہ زکواۃ کی اونٹ باندھنے کی رسی بھی نہ دیں گے تو میں ان سے جہاد کروں گا، اس وقت (زکواۃ کے جانوروں کی رسیاں بھی زکواۃ ادا کرنے والوں پر عائد تھیں،) ابو بکر رض نے ان کی بات نہ مانی، مدینے کے قریب والے مرتدین کا وفد اُن کے پاس سے واپس آگیا اور اُنہوں نے اپنے قبائل سے کہا کہ اس وقت مدینے میں بہت کم آدمی ہیں حملہ کرنے کا اچھا موقع ہے۔ ابو بکر رض بھی غافل نہ تھے انہوں نے اس وفد کے اخراج کے بعد مدینے کے تمام ناکوں پر باقاعدہ پہرے متعین کر دیئے علی رض زبیر رض طلحہ اور عبداللہ بن مسعود اس کام پر مقرر کئے گئے، اس کے علاوہ ابو بکر رض نے تمام اہلِ مدینہ کو حکم دیا کہ وہ مسجد میں جمع ہوں، اور پھر اُن سے کہا کہ تمام ملک کافر ہو گیا ہے اور وہ تمہاری قلت تعداد کو دیکھ گئے،

ہیں وہ ضرور دن یا رات میں تم پر حملہ آور ہوں گے، دشمن کی سب سے قریب جماعت یہاں سے صرف ایک ڈاک کی منزل پر ہے، وہ چاہتے تھے کہ ہم ان کے شرائط قبول کر کے ان سے سمجھوتہ کرلیں مگر ہم نے ان کی بات نہ مانی اور اُن کے شرائط مسترد کر دیئے لہٰذا اب مقابلے کے لیے بالکل تیار ہو جاؤ۔

اور یہ واقعہ ہے کہ:

" ابوبکر رض کی اس تقریر کے بعد صرف تین راتیں گذری تھیں کہ مرتدین نے رات ہوتے ہی مدینہ پر دھاوا کر دیا"![1] —

حضرت ابوبکر رض سمجھ رہے تھے کہ کیا ہونے والا ہے۔ لہٰذا انہوں نے اسباب و وسائل کی نایابی کے باوجود، دفاع اور پھر ہجوم کی تیاری کرلی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مدینہ پر حملہ کرنے والے مشرکین بُری طرح ہارے، لیکن مضافات اور مقامات بعید میں، جو مسلمان موجود تھے، وہ مرتدین کی دست برد سے کیونکر بچ سکتے تھے، چنانچہ موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے مشرکین نے ان مسلمانوں کو ستانا شروع کر دیا۔ بلکہ اپنی قوت و طاقت، اور مسلمانوں کی درماندگی، اور پریشانی کا اندازہ کرنے کے بعد،

" اُنہوں نے ظلم پر کمر باندھی بنی ذبیان اور بنی عبس نے اپنے یہاں کے مسلمانوں پر اچانک حملہ کر کے ان کو نہایت بے دردی سے طرح طرح کے عذاب دے کر شہید کر ڈالا، (پھر)"

---

[1] طبری، ج ۱ ح ۴، صـ ۲۴۳

ان کی تقلید میں دوسرے قبائل نے بھی مسلمانوں کے ساتھ یہی (سلوک) کیا۔"

کیا ان مرتدین کے ساتھ رفق اور نرمی کا برتاؤ کیا جا سکتا تھا؟ کیا ان کے ساتھ رعایت کرنے کے معنی، خودکشی کے نہ تھے؟ اور کیا مرتدین، ایسے ہی ہوتے ہیں؟ کیا کسی عقیدہ یا دین سے برگشتہ ہو جانے والوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ تلوار باندھ کر میدان میں آئیں۔ اور خون کے دریا بہا دیں؟ مجبوروں، اور نہتوں کو قتل کریں، شہروں اور آبادیوں پر حملہ کریں، اگر ارتداد اس کا نام ہے تو پھر بغاوت کو کیا کہیں گے؟ ——— نہیں یہ مرتد نہیں باغی تھے،

اتمام حجت

ان لوگوں کی سرکوبی، اخلاقی، سیاسی، جنگی، قومی، ملکی، ہر نقطۂ نظر سے ضروری تھی۔ چنانچہ، وہ کی گئی، لیکن اندھا دھند نہیں، حدود سے تجاوز کرکے نہیں، انصاف و عدل، اور انسانیت کے اصولوں کو بالائے طاق رکھ کر نہیں۔ حضرت ابوبکرؓ نے ان مرتد یعنی باغی قبائل کی سرکوبی کے لیے متعدد اطراف میں جیوش روانہ کیے، لیکن اقدام و ہجوم سے، پہلے اتمام حجت بھی کر لیا، چنانچہ آپ نے تمام مرتدین کو ایک پیام بھی خط کی صورت میں بھیجا، جو حسب ذیل ہے:۔

"بسم اللہ الرحمان الرحیم۔ یہ خط ابوبکرؓ خلیفہ رسول اللہ کی جانب سے اُن تمام اور خاص لوگوں کے نام ہے جن کو یہ موصول ہو چاہے وہ اسلام پر قائم ہوں، یا اس سے مرتد

ہو گئے ہوں، سلامتی ہو اُن پر جنہوں نے راہِ راست کی اتباع
کی اور ہدایت کے بعد ضلالت اور گمراہی اختیار نہیں ، میں
تمہارے سامنے اس معبودِ حقیقی کی جس کے سوا کوئی دوسرا معبود
نہیں ہے تعریف کرتا ہوں اور اعلان کرتا ہوں کہ اللہ واحد لا
شریک ہے اور محمدؐ اُس کے بندے اور رسول ہیں اللہ کا جو
پیام وہ ہمارے لیے لائے ہم اس کا اقرار کرتے ہیں اور جو اس
سے انکار کرے ہم اسے کافر سمجھتے ہیں اس سے جہاد کریں گے۔
اللہ تعالےٰ نے محمدؐ کو واقعی اپنی جانب سے اپنی مخلوق کے لیے
بشارت دینے والا اور ڈرانے والا اور اللہ کی جانب اس کے
حکم سے دعوت دینے والا اور ایک شمع روشن بنا کر مبعوث
فرمایا، تاکہ وہ جو زندہ ہوں ان کو اللہ کا خوف دلائیں۔ اور
اس طرح منکرین کے برخلاف بات پکی ہو جائے۔ جس نے اس
کی بات مانی اللہ نے اسے راہِ راست بتا دی اور جس نے اُن
سے انکار کیا رسول اللہ نے اللہ کے حکم سے اُسے اچھی طرح
سزا دی یہاں تک کہ وہ خوشی سے یا بادل ناخواستہ اسلام لے
آیا، پھر اللہ نے اپنے رسولؐ کو اپنے پاس بلا لیا مگر وہ اللہ
کے حکم کو پوری طرح سے نافذ کر چکے تھے، اور اس کی امت کے
ساتھ مخلصانہ خیر خواہی کر چکے تھے، اللہ نے ان کی موت کی صاف
اطلاع خود رسول اللہ اور تمام مسلمانوں کو اپنی کتاب میں جسے
اُس نے نازل فرمایا ہے پہلے سے دے دی تھی اسی کے متعلق
وہ فرماتا ہے، انک میت وانہم میتون (بے شک تم مرنے والے

ہو، اور وہ سب بھی مرنے والے ہیں، پھر اللہ تعالےٰ فرماتا ہے
وما جعلنا لبشر من قبلک الخلد افان مت فھم الخلدون
(ہم نے تم سے پہلے کسی انسان کو ہمیشہ کے لئے دوام نہیں دی تو کیا اگر
تم مرگئے تو وہ ہمیشہ جیتے رہیں گے ؟) پھر اللہ تعالےٰ مسلمانوں سے
فرماتا ہے۔ وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رسول قد خلت من قبلہ الرسل
افائن مات او قتل انقلبتم علی اعقابکم ومن ینقلب علی
عقبیہ فلن یضر اللہ شیئا وسیجزی اللہ الشکرین
(محمدؐ بھی ایک رسول ہیں ان سے پہلے بہت سے رسول گذر
چکے ہیں کیا اگر وہ مرجائیں یا مارے جائیں تم اپنے پچھلے پیروں
پلٹ جاؤگے اور جو ایسا کرے گا وہ اللہ کو ہرگز کوئی ضرر نہیں
پہنچا سکتا اور اللہ ضرور اپنے شکرگذار بندوں کو جزائے خیر
دے گا) اس لیے جو لوگ محمدؐ کی عبادت کرتے تھے اُن کو آگاہ
ہو جانا چاہیئے کہ محمدؐ مرگئے اور جو اللہ وحدہٗ لاشریک کی عبادت
کرتے تھے۔ ان کو اطمینان رکھنا چاہیئے کہ اللہ ان کا نگہبان ہے
وہ زندہٗ جاوید ہے نہ اُسے موت ہے نہ اُسے نیند اور
اونگھ آتی ہے۔ وہ اپنی بات کا محافظ ہے اپنے دشمن
سے پورا پورا انتقام لینے والا ہے۔ میں تم کو نصیحت کرتا ہوں
کہ تم اللہ سے ڈرتے رہو اور اس طرح اپنا حصہ اور نصیبہ اس
سے حاصل کرسکو اور تمہارے نبی جو اللہ کا پیام تمہارے پاس
لائے ہیں اس سے بہرہ ور ہوسکو اور اللہ کی ہدایت پر گامزن
رہو اللہ کے دین پر مضبوطی سے قائم رہو جسے اللہ ہدایت نہ

وے وہ گمراہ ہے اور جسے اللہ معاف نہ کرے وہ سخت مصیبت
میں مبتلا ہوتا ہے، جس کی اعانت اللہ نہ کرے وہ ذلیل اور
ناکام رہ جاتا ہے، جس کی ہدایت اللہ نے کی وہ واقعی راہِ
راست پر گامزن ہوا اور جسے اللہ نے گمراہ کر دیا وہ بالکل گمراہ
ہوا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے من یہدِ اللہ فھو المہتدی ومن
یضلل فلن تجد لہ ولیا مرشدا جسے اللہ
نے ہدایت دی وہ واقعی کامیاب ہوا اور جسے اللہ نے گمراہ کر دیا
تو اس کے بعد ہرگز اُسے کوئی صحیح اور خیر خواہ رہبر نہیں مل سکتا،
اور جب تک کوئی اس دین البیٰ کا اقرار نہ کرے اور نہ دنیا میں
اس کا کوئی عمل مقبول ہوگا اور نہ آخرت میں کوئی بدلہ یا معاوضہ
قبول کیا جائے گا مجھے معلوم ہوتا ہے کہ بہت سے لوگ اسلام
لائے اور اس پر عمل پیرا ہونے کے بعد اس سے مرتد ہو گئے
ہیں، ان کو یہ جسارت اس لیے ہوئی کہ انہوں نے اللہ کے متعلق
غلط اندازہ قائم کیا ہے اور اس کے طریقہ کار سے وہ واقف نہیں
اور انہوں نے شیطان کے اغوا کو قبول کیا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے
واذ قلنا للملائکۃ اسجدوا لآدم فسجدوا الا ابلیس کان من
الجن ففسق عن امر ربہ افتتخذونہ وذریتہ اولیاء من دونی
وھم لکم عدو بئس للظالمین بدلا ۔ اور جب ہم نے
فرشتوں سے کہا کہ آدم کو سجدہ کرو انہوں نے سجدہ کیا سوائے
ابلیس کے جو جن تھا اس لیے اس نے اپنے رب کے حکم سے
سرتابی کی تو اب کیا تم اُسے اور اس کی جماعت کو میرے

سوا اپنا مالک بناتے ہو حالانکہ وہ تمہارے دشمن ہیں راہ راست سے ہٹنے والوں کو یہ بہت برا معاوضہ ملا) اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، ان الشیطان لکم عدو فاتخذوہ عدوا انما یدعوا حزبہ لیکونوا من اصحاب السعیر

"بے شک شیطان تمہارا دشمن ہے تم بھی اُسے اپنا دشمن ہی سمجھو۔ اس کی جماعت تم کو اس لیے اغوا کرتی ہے کہ تم دوزخ میں جاؤ، میں نے فلاں شخص کو مہاجرین انصار اور پہلے تابعین کی جمعیت کے ساتھ تمہارے پاس بھیجا ہے اور ان کو حکم دیا ہے کہ تاوقتیکہ وہ اللہ کا پیام تم تک نہ پہنچا دیں نہ کسی سے جنگ کریں اور نہ کسی کو قتل کریں لہٰذا جو اس دعوت کو قبول کرکے اُس کا اقرار کرلے اپنے موجودہ طرز عمل سے باز آجائے اور عمل صالح کرنے لگے اس کے اقرار اور عمل کو قبول کرکے اس پر بقا اور قیام کے لیے اس شخص کی اعانت کی جائے، [1]

مؤرخین کا اس پر اتفاق ہے کہ یہ پیام پہلے بھیجا گیا - فوجیں بعد میں روانہ کی گئیں،

بدترین اور خون کے پیاسے دشمن کے ساتھ، یہ برتاؤ صرف اسلام ہی کا ہوسکتا ہے،

امرائے عساکر کے نام فرمان

" اس پیام کی ناکامی کے بعد، جب اسلامی جیوش و عساکر، ان باغیوں

---

[1] طبری ج ۱ ح ۴ صفحہ ۲۵۰

کا قلع قمع کرنے کے لیے روانہ کیے گئے، تو بارگاہِ خلافت سے، ان لشکروں
کے امیروں اور سرداروں کے نام حسب ذیل فرمان شرف صدور لایا:

یہ فرمان ابوبکرؓ خلیفۂ رسول اللہ کی طرف سے فلاں شخص
کے لیے لکھا گیا ہے جب انہوں نے اُسے مسلمانوں کی فوج کے
ساتھ مرتدین سے لڑنے کے لیے روانہ کیا، ہم نے ان امرا کو
اس شرط پر منصب دیا ہے کہ وہ دل میں اور علانیہ جہاں
تک ہو سکے گا اللہ کے معاملے میں اللہ سے ڈرتے رہیں گے
اور مرتدین کے مقابلے میں خلوص نیت کے ساتھ پوری سعی
کریں گے اور ان سے اللہ کے لیے لڑیں گے ہاں مگر اس سے
پہلے وہ ان کو اپنی اصلاح کا موقع دیں گے اور اسلام کی
دعوت دیں گے تاکہ اگر وہ اُسے قبول کریں ان سے کوئی
تعارض نہ کیا جائے اور اگر انکار کریں تو فوراً ان پر یورش کر دی
جائے یہاں تک کہ وہ پھر اسلام لے آئیں تب ان کو ان کے
حقوق اور فرائض بتلائے جائیں جو ان پر واجب الادا ہو
وہ وصول کیا جائے اور جس کے وہ مستحق ہوں وہ ان کو دیا جائے
اس معاملے میں ان کو ہرگز مہلت نہ دی جائے، اور جب
تک یہ اغراض حاصل نہ ہو جائیں مسلمانوں کو جہاد سے واپس
نہ لایا جائے جو شخص اللہ عزوجل کی بات کو تسلیم کر کے اس
کا اقرار کر لے اس کے ایمان کو قبول کر کے تپاک کے ساتھ دین
پہ قیام کے لیے اس کی مدد کی جائے، ان لوگوں سے بھی جہاد

کیا جائے جو ایک طرف اللہ کے دین کا اقرار کرتے ہیں اور پھر اللہ کے حکم سے انکار کرتے ہیں البتہ اگر وہ ہماری دعوت کو۔ قبول کرلیں تو اُن سے کوئی تعارض نہ کیا جائے ایسی صورت میں اللہ تعالیٰ آخرت میں اُن سے حساب لے لے گا اگر انھوں نے نفاق سے کام لیا ہوگا البتہ جو اعلانیہ طور پر اللہ کی دعوت کو رد کردے اُسے جہاں اور جس طرح ہوسکے ذلت سے قتل کردیا جائے اور اسلام لانے کے سوا کوئی دوسری شرط اس کی قبول نہ کی جائے جو اسلام کا اقرار کرے اُسے مسلمان سمجھا جائے اور اسی طرح سلوک کیا جائے ۔ (۱)

اس فرمان کی روح یہ جملہ ہے۔ :

"اگر وہ (مرتدین) ہماری دعوت قبول کرلیں، تو ان سے کوئی تعارض نہ کیا جائے، ایسی صورت میں اللہ تعالیٰ آخرت میں ان سے حساب لے لے گا، اگر اُنھوں نے نفاق سے کام لیا ہوگا۔ ـــــ "

یعنی لشکر کے امرا کو ہدایت فرمائی گئی، اگر کسی شخص کے اسلام پر تمہیں نفاق کا شبہ ہو، تو بھی اس سے تعارض نہ کرو، اس کے دعوائے اسلام کو تسلیم کرو، اگر اس نے نفاق سے کام لیا ہے، تو خدا اس سے سمجھ لے گا۔ تم اس کی ٹٹول نہ کرو، تمہارا کام، ظاہر کو دیکھنا، اور الفاظ پر فیصلہ کرنا ہے۔ عالم السرار صرف خدا ہے۔ نیت کا کھوٹ، اور دل کا فریب، وُہی جانتا ہے، وُہی جان سکتا ہے، اس کی پوچھ گچھ اور عتاب و تعزیر اس کے ذمہ

---

(۱) طبری ج ۱ ج ۴ صفحہ ۱۸۸

سہنے دو، یہ ارشاد آج بھی ہمارے کفر ساز علماء کے لیے، ایک درس حقیقت ہے،

چشم ندامت

حضرت ابوبکرؓ کا تو یہ عالم تھا کہ وہ مجرم کی چشم ندامت دیکھ کر عفو و درگزر سے کام لیتے تھے، وہ جھکی ہوئی نظریں دیکھ کر توبہ قبول کر لیتے تھے معاف کر دیتے تھے۔ اس پر اصرار نہیں کرتے تھے کہ باقاعدہ توبہ نامہ دیا جائے، اور عفو جرائم کی درخواست کی جائے،

آں حضرت کی وفات کے بعد، عمرو بن العاص، عمان سے مدینہ آتے ہوئے، قرۃ بن ہبیرہ کے پاس جہاں کے علاقہ پر ٹھہرے، قرہ نے عمرو بن العاص کی ایسی شاندار دعوت کی کہ میزبانی کا حق ادا کر دیا، جب وہ روانہ ہونے لگے تو قرہ نے ان سے کہا،

"عرب یہ بات بھی گوارا نہیں کر سکتے، کہ اپنی آمدنی کا ایک حصہ نہیں بطور لگان (زکوٰۃ) دیں، البتہ اگر یہ رقمی مطالبہ معاف کر دیا جائے تو وہ تمہاری بات گوش ہوش سے سنیں گے بھی، اور مانیں گے بھی، اور اگر تم یہ نہیں کر سکتے تو پھر ان کو اطاعت و انقیاد سے ہاتھ دھو لو،! "

اس اثنا میں خالد بن ولید، مرتدین (یعنی باغیوں) سے جنگ کرنے کے لیے نکلے، انہوں نے ۲ اہم مجرم، سرداروں، قرہ بن ہبیرہ اور عیینہ بن حسن کو گرفتار کر کے حضرت ابوبکرؓ کی خدمت میں روانہ کر دیا، جدید خلافت میں پہنچنے کے بعد، :——

قرہ نے کہا اے خلیفۂ رسول اللہ میں مسلمان ہوں عمرو بن العاص میرے

اسلام کے شاہد ہیں، وہ جب میرے پاس اٹھائے سفر میں آئے
میں نے ان کو اپنا مہمان بنایا ان کی تعظیم و تکریم کی اور ان کی
حفاظت کی۔ ابوبکرؓ نے عمرو بن العاص کو بلا کر اس کی تصدیق چاہی
عمرو نے تمام واقعہ بیان کیا اور جو کچھ قرہ نے کہا تھا وہ کہا۔ بیان کرتے
کرتے جب وہ زکاۃ کے متعلق اس کی گفتگو کو بیان کرنے لگے قرہ
نے کہا اب بس کیجئے آگے بیان نہ کیجئے آپ پر اللہ کی رحمت ہو
عمرو نے کہا یہ نہیں ہو سکتا میں پوری بات ابوبکرؓ سے بیان
کروں گا چنانچہ انہوں نے تمام گفتگو بیان کر دی ابوبکرؓ نے
اسے معاف کر کے اس کی جان بخشی کر دی (۱)

حضرت ابوبکرؓ کا یہ اقدام صرف اس بات پر مبنی تھا کہ انہوں نے
قرہ کی ندامت محسوس کر لی تھی، جب وہ عمرو بن العاص کو زکواۃ والی بات
بتانے سے منع کر رہا تھا، تو گویا، وہ اپنی غلطی پر ندامت کا اظہار کر رہا تھا۔

مجرم کے ساتھ رعایت

عیینہ بن حصن قرہ سے بھی زیادہ مجرم تھا۔ اس نے قرہ کی طرح، اظہار
ندامت بھی نہیں کیا۔ بلکہ اپنی دیدہ دلیری اور گستاخی پر قائم رہا:—

عیینہ بن حصن اس حالت میں کہ اس کے دونوں ہاتھ رسی
سے اس کی گردن پر بندھے تھے مدینے آیا، مدینے کے
لڑکے کھجور کی شاخوں سے اسے کونچتے تھے اور کہتے تھے اے
اللہ کے دشمن ایمان لانے کے بعد تو کافر ہو گیا اس نے جواب دیا کہ
میں آج تک اللہ پر ایمان ہی نہیں لایا تھا، ابوبکرؓ نے اسے

---

(۱) طبری، ج ۱، ص ۴

بھی معاف کرکے اس کی جان بخشی کردی،"[1]

ملاحظہ فرمایئے، ایک شخص ہے جو بہ جرم ارتداد ماخوذ ہے، اس کی تشہیر ہورہی ہے، اور اس حالت میں بھی وہ کہہ رہا ہے،

"میں آج تک اللہ پر ایمان ہی نہیں لایا، ———— ۔"

مگر حضرت ابوبکرؓ یہ دیکھ کر کہ اب سانپ کے دانت ٹوٹ چکے ہیں باغی کا زور ختم ہو چکا ہے، اس کی جان بخشی کردیتے ہیں، اور پروانۂ معافی صادر کردیتے ہیں، کیا یہ اس بات کا ثبوت نہیں ہے کہ لڑائی انہی لوگوں سے کی گئی، جو صرف مرتد ہی نہیں، باغی بھی تھے، لیکن جن کا باغیانہ دم خم ختم ہوگیا انہیں معاف کردیا گیا!؟

تجدید عہد

نجران کے عیسائیوں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک معاہدہ فرمایا تھا، اور انہیں ذمی کی حیثیت سے وہ تمام سہولتیں دی تھیں جو ایک باعزت باشندۂ ریاست کو حاصل ہوتی ہیں، آں حضرتؐ کی وفات کے بعد، اہل نجران کا ایک وفد، حضرت ابوبکر کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ نے بے تامل تجدید عہد کا فرمان صادر کردیا، اس فرمان کی عبارت یہ تھی:

"یہ فرمان اللہ کے غلام ابوبکرؓ خلیفۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اہل نجران کے لیے لکھا جاتا ہے، میں نے ان کو (اہل نجران کو) اپنی اور اپنی فوج کی طرف سے پناہ دی اور جو فرمان مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں دیا تھا، میں بھی اسے تسلیم کرتا، اور اس کی توثیق کرتا ہوں!"

---

[1] طبری، ج ۱ ح ۴ ص ۲۲

آگے چل کر اسی فرمان میں ارشاد فرمایا، !

"ان کی جان، مذہب، املاک، حاشیہ، متعلقین چاہے وہ اس وقت نجران میں ہوں یا باہر ہوں، اس کے پادری، راہب اور گرجا جہاں وہ بنے ہوئے ہیں اور تھوڑی یا زیادہ جس قدر ان کی املاک ہیں ان سب کو ان کے حق میں رہنے دیتے ہیں بشرطیکہ جو سرکاری لگان مقرر ہے وہ ادا ہوتا رہے، اور جب وہ اپنے حاجات پورے کر دیں تو پھر ان کو خارج البلد کیا جائے، نہ ان سے عشر لیا جائے نہ کسی پادری کو اس کے حلقے سے بدلا جائے اور کسی راہب کو اس کی خانقاہ سے نکالا جائے جو کچھ اس تحریر میں لکھا گیا ہے اس کے ایفاء کی محمد رسول اللہ صلعم کی ضمانت اور تمام مسلمانوں کی نگہبانی کی ضمانت دی جاتی ہے اس کے ساتھ اہل نجران کے لیے بھی ضروری ہے کہ وہ ہمیشہ مسلمانوں کے خیر خواہ اور وفادار رہیں۔"

ابن عمرو اور عمرو مولیٰ ابوبکر رض نے اس تحریر پر اپنی شہادت ثبت کی، [1]

کیا یہ ضمانت آج بھی کوئی ترقی یافتہ قوم، کسی محکوم قوم کو دے سکتی ہے ؟

حاکم پر عتاب

ایک ذمیہ عورت کا واقعہ، گذشتہ صفحات میں سیوطی کی تاریخ الخلفاء کے حوالہ سے ہم درج کر چکے ہیں، ذیل میں وہ واقعہ دوبارہ اس لیے درج

---

[1] طبری، ج اح ۳، صفحہ ۱۱۰

کرتے ہیں کہ مسئلہ کے بعض نئے پہلو نظر کے سامنے آتے ہیں، ملاحظہ ہو طبری کی روایت!

جس عورت نے مسلمانوں کی ہجو میں اشعار گائے تھے، اس کے متعلق امیرالمومنین نے مہاجر کو لکھا کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم نے اس کو ہاتھ کاٹنے اور دانت توڑنے کی سزا دی ہے اگر وہ عورت مدعی اسلام تھی اس کو تادیب اور تنبیہ کرنا کافی تھا نہ کہ اس کے اعضا کاٹنا اور اگر ذمی تھی تو بخدا اس کے جس جرم سے تم نے اب تک درگذر کیا وہ اس سے کہیں زیادہ بڑا تھا۔ اگر میں اس قسم کی باتوں پر تمہاری گرفت کروں تو ممکن ہے کوئی ناگوار صورت پیش آجائے، لہٰذا بہتر یہ ہے کہ ایسا طرزِ عمل اختیار کرو جس میں امن رہے کبھی کسی کو قطع اعضا کی سزا نہ دو کیونکہ یہ گناہ ہے اور اس سے لوگوں کے دلوں میں نفرت پیدا ہوتی ہے، البتہ قصاص کی صورت میں اور بات ہے۔[1]

حضرت ابوبکر رضؓ کے ہدایات

فتوحات کا سلسلہ حضرت ابوبکر رضؓ کے عہد گرامی ہی سے شروع ہو گیا تھا، خالد بن ولید، اور دوسرے سرداروں کی سرکردگی میں اسلام کے جیوش وعساکر، کافروں سے ان کی شرارتوں، اور دراندازیوں کے باعث، جنگ و پیکار کا سلسلہ کامیابی کے ساتھ جاری رکھے ہوئے تھے، لیکن فتوحات کے اس دور میں کبھی، اور کہیں بھی ایسا نہیں ہوا کہ ان حدود سے تجاوز کیا گیا ہو

---

[1] طبری، ج ۱ ح ۴ صفحہ ۲۰۳۱

جو اسلام نے جنگ و پیکار کے سلسلہ میں مقرر کر دیئے گئے ہیں، چنانچہ طبری کی روایت ہے:

خالد اور ان کے تمام افسروں نے ان فتوحات کے دوران میں کاشتکار طبقے سے کوئی تعرض نہیں کیا کیونکہ ابو بکر رضؓ کی طرف سے ان کو ایسی ہی ہدایات دی گئی تھیں البتہ ان جنگجو لوگوں کی اولاد کو جو اہلِ عجم کی خدمات سرانجام دیتے تھے، گرفتار کر لیا. کاشتکاروں میں سے جو مقابلے پر نہیں آئے ان کو بحالہ رہنے دیا اور ان کو ذمی بنا لیا۔ (۱)

قید کر لو، قتل نہ کرو

حضرت خالد کی سرکردگی میں حضرت ابو بکر کے حسب الحکم، عجمیوں سے جنگ شروع ہوئی، ان لڑائیوں میں الیس کی جنگ خاص طور پر اہمیت رکھتی ہے، اس کی اہمیت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ اس میں دشمن کے ستر ہزار آدمی میدانِ جنگ میں کھیت رہے، جب اتنے آدمی ہلاک ہوئے، تو ظاہر ہے اسیرانِ جنگ کی تعداد بھی بہت کافی ہوگی، اسی جنگ کا واقعہ ہے کہ جب دشمن نے شکست کھائی، اور راہِ فرار اختیار کی تو مسلمانوں کی طرف سے، قتل و غارت کا سلسلہ فوراً بند کر دیا گیا، چنانچہ جیسے ہی:

خدا تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح عطا فرمائی اور ان کے دشمن کو مغلوب کر دیا، خالدؓ نے اعلان کر دیا قید کرو، قید کرو، بجز اس کے کہ جو تمہارا مزاحم ہو کسی کو قتل نہ کرو۔ (۲)

۱۔ طبری ج ۱ ح ۴ صفحہ ۱۴۲ ۲۔ طبری ج ۱ ح ۴ صفحہ ۱۵۴

ذمیوں کے تحائف جزیہ میں محسوب ہونگے

عیسائیوں کے ایک عرب قبیلہ سے، جب حضرت خالد کی مڈ بھیڑ ہوئی اور وہ جنگ میں زیر ہوگیا، تو حضرت خالد نے اسلام، یا جزیہ پیش کیا ان لوگوں نے اسلام نہیں قبول کیا، جزیہ دینے پر راضی ہو گئے، اور خیر سگالی کے طور پر اپنے فاتح، حضرت خالد کی خدمت میں بہت سے تحائف بھیجے، حضرت خالد نے یہ تحائف، دربار خلافت میں بھیج دیئے حضرت ابوبکر نے ان تحائف کو، تحفے کے طور پر نہیں قبول کیا، بلکہ جزیہ میں محسوب کرلیا، ۱؎

اس کے بعد خالد نے کہا تین چیزوں میں سے تم ایک کو اختیار کر دیا تو ہمارے دین میں داخل ہو جاؤ اس صورت میں ہمارے تمہارے حقوق ایک ہو جائیں گے پھر خواہ تم یہاں سے کہیں ہجرت کر جاؤ یا اپنے وطن میں مقیم رہو، یا جزیہ دینا قبول کر دیا مقابلہ اور لڑائی کیونکہ خدا کی قسم میں تمہارے مقابلے کے لیے ایسی قوم کو لایا ہوں جو موت کی اس سے زیادہ فریفتہ ہے جتنا کہ تم زندگی کے، ان لوگوں نے کہا کہ ہم آپ کو جزیہ ادا کرتے ہیں خالد نے کہا کم بختو تم پر افسوس ہے، کفر گمراہی کا ایک میدان ہے احمق ترین عرب وہ ہے جو اس میدان بھٹکتا پھرتا ہو، اس کو دو رہنما ملیں ایک عربی مگر وہ اس کو چھوڑ دے دوسرا عجمی اور اس سے رہنمائی چاہے ۔

ان لوگوں نے خالد سے ایک لاکھ نوے ہزار پر مصالحت

کرلی اور دوسرے دفود نے بھی ۔ ان کی تقلید کی اور خالد کی خدمت میں تحائف بھیجے خالد نے ہذیل کاہلی کے ذریعے سے فتح کی خوشخبری اور وہ تحائف حضرت ابوبکرؓ کی خدمت میں بھیج دیئے، حضرت ابوبکرؓ نے ان کو جزیے میں محسوب کرکے قبول کرلیا، اور خالد کو لکھا کہ یہ تحائف اگر جزیے میں شامل ہیں تو خیر ورنہ تم ان کو جزیے میں شامل کرکے بقیہ رقم وصول کرکے اپنی فوج کی تقویت کے لیے کام میں لاؤ۔ (۱)

کیا یہ دیانت صرف مسلمانوں ہی پر ختم نہیں ہوگئی، ؟ کیا آج بھی فاتح مفتوح کے ساتھ ایسا ہی سلوک کرتا ہے ؟

بغاوت، صلح، ۔ صلح بغاوت

عہد صدیقی میں، حضرت خالد نے، عراق اور شام کے متعدد مقامات پر یلغار کی، حیرہ کے عیسائی، تاب نہ لا سکے، انہوں نے صلح کا پرچم لہرایا، اور صلح کرلی، معاہدہ یہ طے پایا :-

خالد نے اہل حیرہ کو حسب ذیل معاہدہ لکھ کر دیا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم ۔ یہ معاہدہ خالدؓ بن الولید نے عدی کے دونوں بیٹوں عدی اور عمر سے اور عمرو بن عبدالمسیح سے اور ایاس بن قبیصہ سے اور حیری بن اکال سے کیا ہے یہ لوگ اہل حیرہ کے نقیب ہیں انہوں نے ان لوگوں کو اس معاہدے کی تکمیل کے لیے مجاز گردانا ہے اور وہ اس معاہدے پر رضامند ہیں، معاہدہ اس امر پر ہے کہ اہل حیرہ سے

---

(۱) طبری، ج ۱ ح ۴ صفحہ ۱۶

اور ان کے پادریوں اور راہبوں سے سالانہ ایک لاکھ
نوے ہزار درہم جزیہ وصول کیا جائے گا مگر غیر مستطیع
تارک الدنیا راہب اس سے مستثنیٰ ہوں گے اس کے معاوضے
میں ہم ان کے جان و مال کی حفاظت کریں گے، اور جب
تک ہم حفاظت نہ کریں جزیہ نہ لیا جائے گا، اگر ان لوگوں
نے اپنے کسی قول یا فعل سے اس کی خلاف ورزی کی تو یہ
معاہدہ فسخ ہو جائے گا، اور ہم ان کی حفاظت کی ذمہ داری
سے بری ہو جائیں گے۔ (۱)

المرقوم ماہ ربیع الاوّل ۱۲ھ

لیکن اس عادلانہ، منصفانہ، اور روادارانہ برتاؤ کا ان عیسائیوں
نے جواب کیا دیا؟ تاریخ ہمیں بتاتی ہے:۔

یہ تحریر اہل حیرہ کے حوالے کر دی گئی تھی مگر حضرت ابوبکرؓ
کی وفات کے بعد اہل سواد مرتد ہو گئے تو ان لوگوں نے
اس معاہدے کی توہین کی اور چاک کر ڈالا اور دوسرے لوگوں
کے ساتھ یہ بھی پھر گئے اس کے بعد ان لوگوں پر اہل فارس
کا تسلط ہو گیا۔

جب مثنیٰ نے حیرہ کو دوبارہ فتح کیا تو ان لوگوں نے
اسی معاہدے پر تصفیہ چاہا مگر مثنیٰ نے اسے منظور نہیں کیا،
اور ان پر دوسری شرط عائد کی، اس کے بعد جب مثنیٰ
بعض مقامات پر مغلوب ہو گئے تو ان لوگوں نے پھر وہی

---

(۱) طبری، ج ۱ ح ۴ ص۲۰۱۹

حرکت کی، اور لوگوں کے ساتھ پھر گئے، باغیوں کی اعانت اور معاہدے کی توہین کی، اور اس کو چاک کر دیا، پھر جب اس کو سعد نے فتح کیا تو ان لوگوں نے پھر سابقہ معاہدوں پر تصفیہ چاہا سعد نے کہا ان دونوں میں سے کوئی ایک معاہدہ پیش کرو، مگر وہ لوگ پیش کرنے سے قاصر رہے اس لیے سعد نے ان پر خراج عائد کیا اور ان کی مالی استطاعت کی تحقیقات کرنے کے بعد علاوہ موتیوں کے چار لاکھ کا خراج عائد کیا۔

ان پیہم شرارتوں، اور فتنہ طرازیوں کے بعد، یہ اہل حیرہ اس کے مستحق تھے، کہ پھر ان سے کوئی معاہدہ نہ کیا جائے، اور انہیں سخت سے سخت سزا دی جاتی، لیکن جانشین رسولؐ کے دور میں ایسا نہیں ہو سکتا تھا، رحمت العالمینؐ نے بار بار خطاکاروں، مفسدوں، اور باغیوں کو معاف فرمایا تھا، آپؐ کے جانشین کا طرز عمل بھی یہی رہا، ہر غلطی معاف فرمائی، ہر جرم بخش دیا،

ایک عجیب شرط اور اس کا نفاذ

ایک مسلمان تنویل نے جب آں حضرتؐ سے فتح حیرہ کی پیشین گوئی سنی تھی، تو عرض کیا تھا کرامہ میری ہوگی، میں اس سے شادی کروں گا، اور آپؐ نے ہاں کہہ دیا تھا، یہ کرامہ عبدالمسیح کی بیٹی تھی، جو حیرہ کے عیسائیوں کا سردھر تھا، حیرہ عہد صدیقی میں، فتح ہوا، تنویل نے صلح نامہ مرتب ہونے سے پہلے، حضرت خالد کو یہ واقعہ یاد دلایا، انہوں نے اہل حیرہ

لہ طبری ج ۱ ح ۴ ص ۲۰۴۱، ۲۰۴۲

سے ایسی شرط پر مصالحت کی کہ کرامہ شویل کو دے دی جائے گی، یہ بات کرامہ کے خاندان والوں کو، بہت گراں گذری مگر کرامہ نے اپنے اہلِ خاندان سے کہا کوئی بات نہیں، تم صبر سے کام لو، جس عورت کی عمر، اسی سال کی ہو چکی ہے، اس کے بارے میں تم کیوں فکر مند ہوتے ہو؟ اس شخص نے مجھے جوانی میں دیکھا ہو گا، اور سمجھتا ہے کہ جوانی ہمیشہ قائم رہتی ہے، یہ بات کرامہ کے اہلِ خاندان کی سمجھ میں آ گئی، تو انھوں نے اسے خالد کے پاس بھیج دیا خالد نے اسے شویل کے حوالے کر دیا، کرامہ نے شویل سے کہا، میں بڑھیا ہو چکی ہوں، اب بھلا تمہارے کس کام کی رہی؟ معاملہ فہمی سے کام لو، بہتر یہ ہے کہ:

مجھ سے فدیہ لے لو شویل نے کہا مگر رقم معین کرنے کا اختیار مجھے ہو گا کرامہ نے کہا ہاں تمہیں اختیار ہے جتنی چاہو مقرر کرو شویل نے کہا میں اپنی ماں کی اولاد نہیں ہوں اگر تجھ سے ایک ہزار درہم سے کم لوں، کرامہ نے شویل کو دھوکہ دینے کے لیے کہا اوہو یہ تو بہت ہے اس کے بعد وہ رقم لا کر شویل کو دے دی اور اپنے گھر واپس چلی گئی۔

لوگوں کو معلوم ہوا تو سب شویل کو بُرا بھلا کہنے لگے اُنہوں نے کہا کہ میں سمجھتا تھا کہ ہزار سے اوپر کوئی عدد نہیں ہے لوگوں نے کہا تمہیں تم جا کر اُن سے جھگڑو شویل خالدؓ کے پاس آئے اور کہا میری مراد انتہائی عدد سے تھی مگر لوگ کہتے ہیں کہ عدد ہزار سے اوپر بھی ہوتا ہے، خالدؓ نے کہا تم کچھ چاہتے تھے اور اللہ نے کچھ چاہا، ہم اُسی پر عمل کریں گے

جو ظاہر ہے تم جانو تمہاری نیت جانے خواہ تم صادق ہو یا کاذب ہم اس تصفیے میں اب کوئی تبدیلی نہیں کر سکتے۔ (۱)

ایک اور معاہدہ

عہد صدیقی میں، خالد نے، ایک معاہدہ۔ بانقیا اور باسما کے عیسائیوں سے ان کے پادریوں کی وساطت سے کیا۔ ا ــــ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم - یہ معاہدہ خالدؓ بن الولید کی طرف سے صلوبا بن نسطونا اور اس کی قوم کے لیے لکھا جاتا ہے میں تم سے جزیہ قبول کرتا ہوں اور اس کے معاوضے میں تمہاری دونوں بستیوں بانقیا اور باسما کی حفاظت کا ذمہ لیتا ہوں، اس جزیے کی رقم دس ہزار دینار ہے موتی اس کے علاوہ ہیں یہ رقم ہر مستطیع اور جز معاش سے اس کی حیثیت کے مطابق سالانہ وصول کی جائے گی، اور تم کو اپنی قوم کا نقیب مقرر کیا جاتا ہے رجس کو تمہاری قوم قبول کرتی ہے میں اور میرے ساتھ کے سب مسلمان اس معاہدے پر رضامند ہیں اور اس کو قبول کرتے ہیں اسی طرح تمہاری قوم بھی رضامند ہے آج سے تم ہماری ذمہ داری اور حفاظت میں داخل ہو، ہم تمہاری حفاظت کریں گے تو جزیے کے حقدار ہوں گے ورنہ نہیں" اس معاہدے پر ہشام بن الولید قعقاع بن عمرو، جریر بن عبداللہ حمیری حنظلہ بن ربیع نے گواہی کے دستخط کیے اور یہ ماہ صفر ۱۲ھ میں لکھا گیا۔ (۱)

ان معاہدوں میں غور طلب بات یہ ہے کہ اس امر کی وضاحت کر دی

---

(۱) طبری، ج ۱ ح ۴ ص۲۰۱۶

جاتی تھی کہ

"ہم تمہاری حفاظت کریں گے تو جزیہ کے حق دار ہوں گے ورنہ نہیں، ! "

آج کل تو محکوموں سے جبری چندے لیے جاتے ہیں، جبری تعاون حاصل کیا جاتا ہے، لیکن اسلام کے عہد گرامی میں، جزیہ بھی اس وقت تک لیا جاتا تھا جب تک ان کی حفاظت ممکن ہو، اور اگر حالات ایسے ہوں کہ مسلمان اپنی اس "ذمہ" داری کو انجام نہ دے سکیں، تو پھر جزیہ کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا

نومسلم شہید

جنگ یرموک کا ایک واقعہ، ــــــ:

یہ جنگ تاریخ اسلام میں، غیر معمولی اہمیت کی حامل ہے، مسلمان بہت کم تھے، اور عیسائی حد شمار سے خارج، وقت بھی بڑا نازک ہے، عین اس حالت میں، حضرت ابوبکر کی خبر وفات خالدؓ کو ملتی ہے۔ وہ اس خبر کو افشا نہیں کرتے۔

جنگ جاری رہتی ہے۔ !

اور اسی جنگ کے دوران میں، ایک عجیب واقعہ رُونما ہوتا ہے،

ــــــ اور اس طرح کے عجیب واقعات تاریخ اسلام کے جزو بن چکے ہیں ــ

ــــــ واقعہ یہ ہے کہ دشمن لشکر کا ایک سردار !

جرجہ اپنی فوج سے نکل کر دونوں صفوں کے درمیان کھڑا ہو گیا اور آواز دی خالدؓ اپنی فوج سے نکل کر میرے پاس آئیں، خالد بڑھ کر اس کے پاس پہنچے اور اپنی جگہ ابو عبیدہ کو کھڑا کر گئے۔

جرجہ نے خالدؓ کو دونوں صفوں کے درمیان ٹھہرا لیا، دونوں اتنے

قریب ہو گئے کہ ان کے گھوڑوں کی گردنیں آپس میں مل گئیں، کیونکہ دونوں نے ایک دوسرے کو امان دے دی تھی۔

جرجہ نے کہا اے خالدؓ سچ کہنا، جھوٹ نہ بولنا، شریف جھوٹا نہیں ہوتا، اور نہ مجھے دھوکہ دینا کیونکہ کریم النفس انسان ایسے شخص کو دھوکا نہیں دیتا جو خدا کا واسطہ دے کر آتا ہے، کیا اللہ نے تمہارے نبی پر آسمان سے کوئی تلوار اتاری ہے اور انہوں نے وہ تلوار تم کو دے دی ہے کہ تم جس قوم پر اس تلوار کو کھینچتے ہو وہ شکست ہی پاتی ہے، خالدؓ نے کہا ایسا تو نہیں ہے جرجہ نے پوچھا پھر تمہارا نام سیف اللہ کیوں ہے خالدؓ نے کہا اللہ نے ہم میں اپنے ایک نبی کو مبعوث کیا اس نے ہم کو دعوت دی پہلے تو ہم میں سے کسی نے ان کی بات نہ مانی بلکہ اس سے الگ الگ رہے مگر کچھ عرصے کے بعد بعض لوگوں نے اس کی تصدیق کی اور اس کے پیرو ہو گئے اور بعض اس سے دور رہے اور اس کو جھٹلایا میں بھی ان لوگوں میں سے تھا جنہوں نے اس کی تکذیب کی اس سے دور رہے اور اس سے لڑے مگر اللہ نے ہمارے دلوں اور پیشانیوں کو پکڑ لیا اور ہم کو ہدایت دی ہم نے اس کی پیروی کی۔ پھر اس پیغمبر خدا نے مجھ کو فرمایا کہ تم اللہ کی تلواروں میں سے ایک تلوار ہو جس کو اللہ نے مشرکین پر کھینچا ہے، آپ نے میرے لیے نصرت کی دعا فرمائی ہے، یہی وجہ ہے کہ میں سیف اللہ مشہور ہوں اور مشرکوں کے لیے سب سے زیادہ سخت مسلمان ہوں، جرجہ نے کہا بے شک تم مجھ

سے پکے سچ کہہ رہے ہو،

جرجہ نے کہا اے خالدؓ بتاؤ تم مجھے کن باتوں کی طرف دعوت دیتے ہو خالد نے کہا میں تم کو اس امر کی طرف دعوت دیتا ہوں کہ تم شہادت دو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور محمدؐ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں، اور اقرار کرو کہ محمدؐ جو کچھ لائے ہیں وہ اللہ کی طرف سے ہے، جرجہ نے کہا اور جو شخص تمہاری اس بات کو نہ مانے، خالدرضؓ نے کہا وہ جزیہ ادا کرے ہم اس کے جان و مال کی حفاظت کریں گے، جرجہ نے کہا اگر کوئی جزیہ بھی نہ دے، خالدرضؓ نے کہا ہم اس کو اعلان جنگ دیں گے اور اس کے بعد اس سے لڑیں گے، جرجہ نے کہا اچھا جو شخص تمہاری اس دعوت کو آج قبول کرلے اس کا درجہ کیا ہوگا خالدؓ نے کہا خدا تعالے نے جو ہم پر فرائض عائد کئے ہیں ان کے لحاظ سے اعلیٰ، ادنیٰ اور اول، آخر سب مساوی اور ہم رتبہ ہیں،

جرجہ نے کہا، اے خالدؓ جو شخص آج تمہارے مذہب میں داخل ہوتا ہے کیا اس کو وہی اجر و ثواب ملے گا۔ جو تم کو ملے گا۔ خالدؓ نے کہا ہاں بلکہ ہم سے زیادہ، اس نے کہا وہ تمہارے برابر کیسے ہو سکتا ہے حالانکہ تم اس سے سبقت رکھتے ہو، خالدؓ نے کہا اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم لوگ اسلام میں اس وقت داخل ہوئے تھے اور اپنے نبی صلعم سے ہم نے اس وقت بیعت کی تھی جبکہ وہ ہم میں بقید حیات تھے،

آسمان پر سے آپ پر خبریں آتی تھیں آپ ہم کو کتابوں کی خبریں سناتے تھے اور اللہ کی نشانیاں دکھاتے تھے، ہماری طرح جس شخص نے یہ چیزیں دیکھی اور سنی ہیں اس کا تو فرض تھا کہ وہ اسلام قبول کر کے آپ سے بیعت کر لے مگر تم نے وہ عجیب باتیں اور وہ خدائی کہانیاں کہاں دیکھی اور سنی ہیں جن کا ہم کو موقع ملا ہے، اس لیے تم میں سے جو شخص صداقت اور خلوص نیت سے اس دین میں داخل ہوگا وہ ہم سے افضل ہوگا۔

جرجہ نے کہا خالدؓ قسمیہ کہو کہ تم نے مجھ سے یہ باتیں سچ کہی ہیں تم نے مجھے دھوکا تو نہیں دیا اور نہ میرا دل خوش کرنا چاہا، خالدؓ نے کہا بخدا میں تم سے سچ کہتا ہوں، مجھے تمہارا یا تم میں سے کسی کا ذرا خوف نہیں ہے خدا گواہ ہے کہ میں نے تمہارے سوالات کا جواب ٹھیک ٹھیک دیا ہے، جرجہ نے کہا میں آپ کی صداقت کو تسلیم کرتا ہوں، پھر اس نے اپنی ڈھال کو پلٹ دیا اور خالدؓ کے ساتھ چلا آیا اور اُن سے درخواست کی کہ آپ مجھے اسلام کی تعلیم دیجیے خالدؓ جرجہ کو اپنے ہمراہ اپنے خیمے میں لائے، اس کے اوپر مشکیزہ اونڈیل کر آپ نے اس کو غسل کرایا اس کے بعد جرجہ نے دو رکعت نماز پڑھی۔

جرجہ کو خالدؓ کے ساتھ پلٹتے دیکھ کر رومیوں نے حملہ کر دیا وہ سمجھے کہ جرجہ حملہ کرتا ہوا جا رہا ہے رومیوں نے اس حملے سے مسلمانوں کو اُن کی جگہ سے ہٹا دیا مگر مددگار دستے جن کے افسر عکرمہ اور حارث بن ہشام تھے اپنی جگہ جمے رہے، اس کے

بعد خالدؓ اور ان کے ساتھ جرجہ اپنے گھوڑوں پر سوار ہو کر واپس آئے اس وقت رومی مسلمانوں کی فوج میں گھسے ہوئے تھے، خالدؓ نے مسلمانوں کو للکارا جس سے اُن کے قدم جم گئے اور رومی اپنی جگہوں کو واپس ہو گئے، خالدؓ رومیوں پر چڑھ دوڑے تلواریں پر تلواریں چلنے لگیں یہاں تک کہ دن چڑھنے سے لے کر غروب آفتاب تک خالد اور جرجہ دشمنوں کی گردنیں اڑاتے رہے آخر کار جرجہ شہید ہو گئے، جرجہ نے بجز اُن دو رکعات کے جو اُنھوں نے اسلام لانے کے وقت پڑھی تھیں اور کوئی نماز سجدے کے ساتھ ادا نہیں کی، ظہر اور عصر کی نمازیں سب نے اشاروں سے ادا کی تھیں، [1]

یہ تھی اسلام کی تلوار، جو دل پر چلتی تھی، گردن پر نہیں، !

مسلمانوں کی تعریف دشمن کی زبان سے

عہد صدیقی میں، فتوحات کا سلسلہ جاری ہے، !

جب خالدؓ سوی پہنچ گئے تو وہاں جاتے ہی صبح ہونے سے فوراً قبل اس کے باشندوں پر شب خون مارا یہ لوگ قبیلہ بہرا رکے تھے، اُن میں کی ایک جماعت شراب نوشی کا لطف اٹھا رہی تھی، درمیان میں شراب کا کونڈا رکھا تھا اور مطرب یہ اشعار گا رہا تھا،

---

[1] طبری، ج ۱ ج ۴ ص ۲۱۰۲

الا علانی قبل جیش ابی بکر   لعل منایانا قریب ومانُدری

الا علانی بالزجاج وکرّرا   علیّ کمیت اللون صافیة تجری

الا علّانی من سلافة قهوة   تسلّی هموم النفس من جید الخمر

اظنّ خیول المسلمین وخالداً   ستطرقکم قبل الصباح من البشر

فهل لکم فی السیر قبل قتالکم   وقبل خروج المعصرات من الخدر

(ترجمہ) دوستو مجھے ابوبکرؓ کی فوج کے آنے سے پہلے پلا دو، شاید ہماری موت قریب آگئی ہے جس سے ہم بے خبر ہیں تم مجھے بلور کے جام میں شراب ارغوانی پلا دو اور پھر پلا دو، ہاں ایسی نفیس شراب پلا دو جس سے سارے رنج وغم دور ہو جائیں، میں سمجھتا ہوں کہ صبح نہ ہونے پائے گی کہ بشر کی طرف سے خالد اور اس کی فوج تم پر چھاپہ مارے گی لہٰذا اگر قتل وغارت سے پہلے اور کنواریوں کے بے پردہ ہونے سے پہلے تم یہاں سے بھاگ جانا چاہتے ہو تو بھاگ جاؤ،

بعض لوگوں کا بیان ہے کہ وہ مطرب اس حملے میں قتل ہو گیا اور اس کا خون اس شراب کے کونڈے میں مل گیا،

سویٰ سے روانہ ہو کر خالدؓ نے مرج راہط میں غسان پر چھاپہ مارا وہاں سے بڑھ کر قناۃ بصریٰ پہنچے، وہاں ابوعبیدہ بن الجراح، شرجیل بن حسنہ، اور یزید بن ابی سفیان پہلے سے موجود تھے ان سب نے ملکر قناۃ بصریٰ کو محصور کر لیا مجبوراً بصریٰ والوں نے جزیہ پر صلح کر لی اور خدا نے بصریٰ پر مسلمانوں کو فتح عنایت فرما دی، شام کے علاقے کا یہ پہلا شہر ہے جو ابوبکرؓ کے زمانۂ خلافت میں فتح ہوا، اس کے

بعد یہ سب اُمرا عمرو بن العاص کی امداد کے لیے فلسطین کی طرف روانہ ہوئے عمرو اس وقت فلسطین کے نشیبی علاقے میں عربات میں مقیم تھے۔ رومیوں کو مسلمانوں کی آمد کی خبر ہوئی تو وہ جلّق چھوڑ کر اجنادین میں پہنچے ان کا سپہ سالار ہرقل کا حقیقی بھائی تذارق تھا، اجنادین فلسطین کے علاقے میں رملہ اور بیت جبرین کے درمیان ایک شہر ہے عمرو بن العاص کو جب ابو عبیدہ بن الجراح، شرجیل حسنہ اور یزید بن ابی سفیان کے آنے کی اطلاع ملی تو وہ اُن کے ساتھ مل گئے اور سب نے اجنادین پر جمع ہو کر رومیوں کے سامنے صف آرائی کی،

داستان ابھی ختم نہیں ہوئی، جاری ہے'! ———

• عروہ بن زبیر کی روایت یہ ہے کہ رومیوں کا سپہ سالار اُن میں کا ایک شخص قبعلار نامی تھا ہرقل قسطنطنیہ جاتے وقت اس کو شام کے اُمرا پر اپنا نائب مقرر کر گیا تھا اور تذارُق اپنے ساتھ کی رومی فوجوں کو لیکر اس کے پاس آگیا تھا مگر علمائے شام کا خیال یہ ہے کہ رومیوں کا سپہ سالار تذارُق تھا واللہ اعلم،

جب طرفین کے لشکر قریب ہو گئے قبعلار نے ایک عربی شخص کو بلایا جس کے متعلق سنا گیا ہے کہ وہ قبیلۂ قضاعہ کے تزید بن حیدان کے خاندان سے تھا جس کا نام ابن ہزارف تھا۔ قبعلار نے اس سے کہا تم ان لوگوں میں جاکر ایک دن رات ٹھیرو اس کے بعد آکر مجھے ان کے حالات سے باخبر کرو، وہ شخص عربوں کی فوج میں داخل ہو گیا عربی وضع قطع

ہونے کی وجہ سے کسی نے اس کو اجنبی نہ سمجھا، وہ ایک رات اور ایک دن وہاں مقیم رہا۔ پھر قبقلار کے پاس واپس آیا اس نے پوچھا کہو کیا خبر لائے ہو اس نے کہا وہ لوگ رات کو راہب ہیں اور دن کو شہ سوار ہیں ان کے انصاف کا یہ حال ہے کہ اگر ان کے بادشاہ کا فرزند بھی چوری کرے تو وہ اس کا ہاتھ کاٹ ڈالتے ہیں اور اگر زنا کا مرتکب ہو تو وہ اس کو سنگسار کرتے ہیں،

قبقلار نے یہ سن کر کہا کہ اگر تم یہ باتیں سچ کہہ رہے ہو تو سطح زمین پر ان سے مقابلہ کرنے کی بہ نسبت میں یہ بہتر سمجھتا ہوں کہ زمین کے اندر سما جاؤں۔ اے کاش خدا مجھ پر اتنا کرم فرماتے کہ مجھے اُن سے چھٹکارا دلا دے نہ میں ان پر فتح پاؤں اور نہ وہ مجھ پر،

اس کے بعد لڑائی شروع ہوگئی لوگ ایک دوسرے پر جھپٹ پڑے اور قتل کا بازار گرم ہوگیا، مسلمانوں کی لڑائی کا حال دیکھ کر قبقلار پریشان ہوگیا اس نے رومیوں سے کہا تم میری آنکھوں پر پٹی باندھ دو انہوں نے پوچھا کیوں۔ اس نے کہا آج کا دن بڑا منحوس ہے، میں اس کو دیکھنا نہیں چاہتا میں نے دُنیا میں آج تک ایسا سخت دن نہیں دیکھا ہے، چنانچہ جب مسلمانوں نے اس کا سر قلم کیا تو وہ کپڑے میں لپٹا ہوا تھا، اجنادین کی جنگ ۲۷ جمادی الاول ۱۳ھ کو واقع ہوئی تھی۔ (۱)

---

(۱) طبری ج ۴، ص ۲۱۲۵

پہلے دَور کا خاتمہ

حضرت ابوبکر صدیق کے عہد گرامی پر ایک اجمالی نظر ہم نے ڈال لی، اور معلوم کرلیا کہ، خلافتِ راشدہ کا یہ پہلا دَور، جو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے معاً بعد، شروع ہوا تھا، غیر مسلموں کے ساتھ رواداری حسنِ سلوک، اور، وسعتِ قلب وظرف کے اعتبار سے کیسا رہا؛ کیسے کیسے بے پناہ مجرموں کو معافیاں دی گئیں، کیسے کیسے خطا کاروں کو نوازا گیا، کیسے کیسے دُشمنوں پر عفو وکرم کی بارش کی گئی۔ کیسے کیسے باغیوں، مفسدوں فتنہ طرازوں، در اندازوں، سازش کرنے والوں اور تفرقہ پیدا کرنے والوں کو لطف وعطا کے دامن میں پناہ دی گئی ——

نہ کہیں جہاں میں اماں ملی جو اماں ملی تو کہاں ملی ؟
میرے جرم ہائے سیاہ کو ترے عفو بندہ نواز میں،

یہ شعر، اپنی معنویت اور صداقت کے اعتبار سے، رسالت مآبؐ کے پہلے جانشین، اور خلیفہ حضرت ابوبکرؓ کے بارے میں بھی پُورے طور پر صادق آتا ہے، اور کیوں نہ ہو، آخر یہ رحم وکرم، یہ لطف و عطا، یہ خطا بخشی اور جرم پوشی، یہ لطف و مدارا، یہ، رعایت و مروّت حضرت صدیق نے لی کہاں سے تھی ؟ کیا ان تمام، عاداتِ شریفہ، اور خصائلِ عالیہ کا سرچشمہ، ذاتِ رسالت پناہ ہی نہیں تھی ؟ یہ سارے مظاہرے، اسی ذاتِ گرامی کے پرتو اور صدقے کا نتیجہ تھے، ؛

اصل بات یہ ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے اپنی شخصیت کو، ذاتِ رسالت مآب میں اس طرح جذب کرلیا تھا کہ، وہ صحیح معنی میں مزاج شناسِ رسولؐ بن گئے تھے، طبعاً اور قلباً ان سے وہی کچھ صادر ہوتا

تھا۔ جو رسالت مآب کے منشا اور مرضی کے عین مطابق ہوتا تھا، آخر دوسرے صحابہ کرام کے مقابلہ میں آپ کو بارگاہ رسالت میں اس درجہ قرب و اختصاص کیوں حاصل تھا؟ اس کی وجہ صرف ایک ہی تھی اور وہ یہ کہ انہوں نے اپنی غیر معمولی عقیدت اور شیفتگی کی بنا پر سمجھ لیا تھا کہ، رسول اللہؐ کا مزاج کیا ہے۔ طرز فکر کیا ہے؟ اسلوب کار کیا ہے؟ ورنہ ذرا غور تو فرمائیے،؟ آنحضرتؐ کی وفات کے فوراً بعد جیش اسامہ روانہ ہو سکتا تھا؟ انتہائی ناساعد، لذہ خیز۔ اور ہولناک زمانہ میں، جب نہ فوج تھی، نہ سپاہ نہ مال نہ دولت، نہ وسائل و ذرائع، جب دشمن سیل رواں کی طرح چڑھا آ رہا تھا، دوست پریشان اور مضطرب تھے، دشمن مسرور و مطمئن، بھلا یہ ممکن تھا کہ مرتدین کی سرکوبی اور ان سے مقاتلہ مجادلہ کا فیصلہ پوری عزیمت کے بغیر کر لیا جاتا،؟ یہاں تک کہہ دیا جاتا کہ، اگر کوئی میرا ساتھ نہیں دے گا۔ تو میں تن تنہا دشمن سے جنگ جاری رکھوں گا،؟ ذرا حضرت عمر فاروق کی جلالت شان پر ایک نظر ڈالیے، یہ دیکھیے کہ وہ پہلے شخص تھے جس نے سقیفۂ بنی ساعدہ کے موقع پر حضرت ابوبکر کی طرف دست بیعت بڑھایا تھا۔ اگر انہوں نے اس موقع پر مجلدت نہ کی ہوتی، تو شاید خلافت کا مسئلہ، اس یکسوئی کے ساتھ نہ طے ہو پاتا، یہ بھی پیش نظر رکھیے کہ حضرت عمر کے تدبر، معاملہ فہمی، اصابت رائے، خلوص، اور جاں نثاری اسلام کے حضرت ابوبکر بھی کس درجہ قائل تھے، آں حضرتؐ نے جیش اسامہ کا ایک ممبر حضرت عمرؓ کو بھی نامزد کیا تھا۔ یہ بھی اسامہ کی ماتحتی میں، لشکر کے ساتھ روانہ ہو رہے تھے کہ لوگوں نے اسامہ کے بارے میں، اپنی ناپسندیدگی کا اظہار کیا، کہ یہ نوجوان لڑکا۔ کم سال، اور کار نا آزمودہ، لوگوں کا سردار

کیوں رکھا جائے؟ یہ پیام لے کر حضرت عمرؓ، حضرت ابوبکرؓ کے پاس آتے ہیں، حضرت ابوبکر انہیں جھڑک دیتے ہیں کہ یہ ناممکن ہے، جسے رسول اللہ نے جیش کی قیادت سپرد کی ہو میں اس سے یہ منصب چھین لوں، حضرت عمر خاموش ہو جاتے ہیں، اور لشکر روانہ ہو جاتا ہے اور اس لشکر کی مشایعت کرتے ہوئے آپ شہر سے باہر تک اس طرح جاتے ہیں کہ خود پا پیادہ ہیں، اور اسامہ سوار، وہ سواری سے اُترنا چاہتے ہیں، یہ ممانعت فرماتے ہیں، اور پھر سالار لشکر رائے عدم سے استدعا کرتے ہیں، کہ اگر ہو سکے تو عمر کو اپنے ساتھ نہ لے جاؤ، مَیں مشیر کی حیثیت سے اُنہیں اپنے پاس رکھنا چاہتا ہوں، اسامہ کو اس ارشاد کے تسلیم کرنے میں کیا عذر ہو سکتا تھا، وہ حضرت عمر کو رخصت کر دیتے ہیں، اور وہ حضرت ابوبکر کے ساتھ واپس آ جاتے ہیں،

ابوبکر، عمر کو، مشیر اور صلاح کار کی حیثیت سے اپنے ساتھ لاتے ہیں۔ کہ واقعہ ردہ پیش آ جاتا ہے، یعنی مرتدین کا مسئلہ، حالات کی نزاکت کو حضرت عمر محسوس کرتے ہیں، اور مشورہ دیتے ہیں، کہ مرتدین کے ساتھ جنگ نہ چھیڑی جائے، ان کی بات مان لی جائے، اور زکوٰۃ کا مطالبہ نہ کیا جائے، یہ سُنکر، اس پیکر حلم وعفو کا چہرہ دفورِ غضب سے تمتما اٹھتا ہے اور وہ عمر فاروق کو مخاطب کر کے کہتا ہے،

انت جبار فی	تم عہد جاہلیت میں بڑے سورما بنتے
الجاھلیۃ وخوار	تھے مگر اسلام قبول کر کے بزدل بن
فی الاسلام؟	گئے ہو،؟

اور پھر عزم و استقامت کی پوری شان کے ساتھ فرماتے ہیں، ا ـــ

۔ خدا کی قسم یہ لوگ اگر ایک رسّی بھی زکوٰۃ میں دیتے تھے، اور اب اس سے انکار کرتے ہیں تو میں تن تنہا ان سے جنگ کروں گا" !

پھر حضرت خالد بن ولید کا واقعہ پیش آتا ہے۔ خالد کو رسالت مآبؐ نے سیف اللہ کا خطاب دیا تھا، حضرت ابوبکر ان پر بہت زیادہ اعتماد فرماتے تھے، اور ان کی بعض لغزشوں تک سے اس خصوصیت اور ان کے شاندار خدمات کے پیش نظر در گذر فرما دیتے تھے، کہ مالک بن نویرہ کے قتل کا واقعہ پیش آتا ہے، اور شکایت، حضرت ابوبکرؓ تک پہنچتی ہے حضرت عمر مُصر ہیں کہ خالد کو معزول کر دیا جائے اور اُنہیں سزا دی جائے حضرت ابوبکر یہ مشورہ قبول کرنے سے انکار کر دیتے ہیں، انہیں ان کے منصب پر بحال رکھتے ہیں، اور خون بہا ادا کر دیتے ہیں۔ حضرت عمر بار بار اپنی رائے پر اصرار کرتے ہیں حضرت ابوبکر ہر مرتبہ اس رائے کو مسترد کر دیتے ہیں،

ان واقعات سے کیا ثابت ہوتا ہے ؟

کیا یہ نہیں ثابت ہوتا، کہ حضرت ابوبکر، گو سراپا رحم و کرم تھے، لیکن اصولی اور بنیادی معاملات میں نہ وہ کسی شخصیت کو خاطر میں لاتے تھے، نہ کسی مشورہ کی پروا کرتے تھے، نہ حالات کی نامساعدت سے گھبراتے تھے، نہ مخالفوں اور دشمنوں کی یورشوں سے پریشان ہوتے تھے، وہی کرتے تھے جو ان کا ضمیر کہتا تھا۔ وہی کہتے تھے، جو حق کا تقاضہ ہوتا تھا۔

یہ اس عزم و استقامت کا کرشمہ تھا کہ ناسازگار حالات سازگار ہو گئے، دشمنوں کا وجود باقی نہ رہا، جنہوں نے بغاوت اور سازش کا ایک جال پھیلا دیا تھا، اور بظاہر ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اب، ————

مسلمانان در گور و مسلمانی در کتاب

کا خدانخواستہ وقت آگیا ہے، اسلام بھی گیا، اور مسلمان بھی رخصت ہوئے لیکن آن کی آن میں حالات نے پلٹا کھایا، باغی کچل دیئے گئے، سازشیں ناکام ہوگئیں، اور، اسلام کا پرچم پوری آب و تاب کے ساتھ لہرانے لگا۔ ـــــ!

عہدِ عمرؓ

ابو بکرؓ کا دَور ختم ہوا، اب فاروقؓ کا دَور شروع ہوتا ہے، یہ دور اپنے امتیازات و خصائص کے اعتبار سے تاریخ اسلام کا مایۂ ناز دوَر ہے۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد، جب حضرت ابو بکرؓ مسند آرائے خلافت ہوئے تو انہیں نازک ترین اور سنگین ترین صورت حالات سے دوچار ہونا پڑا مگر وہ، غیر معمولی فراست ایمانی، اصابت رائے، اور عزم و استقامت کے حامل نہ ہوتے، تو شاید اسلام کی تاریخ آج کچھ اور ہوتی، وقت کی نزاکت دیکھیے حضرت عمر جیسا شخص بھی، نرمی، اور ملاطفت کا مشورہ، باغیوں اور فتنہ طرازوں کے ساتھ دے رہا تھا، حضرت ابو بکرؓ اگر یہ مشورہ قبول کر لیتے، تو پھر تاریخ اسلام میں کوئی عمرؓ نہیں اُبھر سکتا تھا، یہ مشورہ رد کر کے اُنھوں نے، درحقیقت ایک نئے، شاندار، اور سبق آموز عہد کی تشکیل کی، یہ مشورہ نہ مان کر، انھوں نے اسلام کا وقار بلند کر دیا، اسلام کی آن اور شان میں چار چاند لگا دیئے، اسلام کی عظمت اور بزرگی کا پرچم، چار دانگ عالم میں بلند کر دیا، داخلی امن، اور خارجی دبدبہ کی وہ مثال قائم کی جس کی نظیر چشم فلک نے پھر کبھی نہ دیکھی، ابو بکرؓ جب مسند

خلافت پر بیٹھے، تو حالات کی نا مساعدت انتہا کو پہونچی ہوئی تھی، ڈھائی سال کے بعد اس عالم فانی سے رخصت ہوتے ہوئے، جب یہ مسند انھوں نے عمرؓ کو سونپی تو حالات بالکل بدل چکے تھے، مرتدین کا فتنہ ختم ہو چکا تھا، اندرونی امن و امان کا دور دورہ تھا، انصار اور مہاجرین میں نہ صرف یہ کہ کسی طرح کی آویزش اور کشمکش نہیں تھی، بلکہ وہ اخوت باہمی کا پیکر ایک بار پھر بن چکے تھے. نظم مملکت میں کسی طرح کی خلل اندازی کا موقعہ نہیں باقی رہ گیا تھا، باغیوں، شرپسندوں، اور فتنہ انگیزوں کا قلع قمع کیا جا چکا تھا، اللہ کے بندوں پر اللہ کی حکومت قائم کی گئی، زکوٰۃ ادا کی جا رہی تھی، فرائض، واجبات، اور سنت کی انجام دہی میں، کسی طرح کی رکاوٹ نہیں تھی، کسی طرح کا خلل نہیں تھا. ساری امت، سمع و طاعت کا پیکر بن چکی تھی، کجی، سرکشی، اور لذت کے جراثیم ختم ہو چکے تھے، ابو بکرؓ کو نظم و نسق کی عمارت خود بنانی پڑی، اور کوئی شبہ نہیں، انھوں نے یہ عمارت اپنا خون پانی ایک کر کے بنائی، ذرا بھی اگر چوک کرتے، تو عمارت ہی ختم تھی، اور معاذ بھی، عمرؓ نے اس عمارت کی تزئین و آرائش اس شان سے کی، کہ وہ بالکل نئی معلوم ہونے لگی، اور بلاشبہ یہ ان کا بہت بڑا کارنامہ ہے، جسے کبھی اور کسی حالت میں نظر انداز نہیں کیا جا سکتا،

منصب خلافت پر فائز ہونے کے بعد، حضرت ابو بکرؓ صرف ڈھائی سال زندہ رہے، حضرت عمرؓ تقریباً دس سال تک جاہ و جلال اور شان و تجمل کے ساتھ اپنے فرائض انجام دیتے رہے ؟ مدت کا یہ فرق بھی، تاریخ کے دامن پر نقش و نگار قائم کرنے کے سلسلہ میں کافی اثر انداز رہا ہے،

اب ہم عہد عمرؓ کا ایک مختصر سا جائزہ لیتے ہیں، اور دیکھیں گے اس

دور میں غیر مسلموں کی کیا کیفیت رہی؛ جانشین رسول ؐ نے ان کے ساتھ کس طرح کا برتاؤ کیا، خود اپنی حکومتوں اور مملکتوں میں وہ کس طرح کی زندگی بسر کرتے تھے، اور اسلام کے سایۂ عاطفت میں آجانے کے بعد ان کا کیا حال ہوتا تھا؟ اسی داستان کو اگر پھیلایا جائے۔ تو ہزاروں صفحات بھی ناکافی ہوں گے، لیکن ہم اسے سمیٹ کر چند صفحوں میں بیان کرنے کی کوشش کریں گے،

حضرت عمرؓ کے بارے میں، ان کے معاصرین میں سے بعض لوگ یہ رائے رکھتے تھے، کہ ان کے مزاج میں تشدد اور سختی ہے، اور یہ رائے کچھ غلط بھی نہ تھی، تبلیغ اسلام کے سلسلہ میں، برہم ہو کر جس طرح وہ داعیٔ اسلام علیہ السلام کا خاتمہ کرنے چلے تھے، پھر راستہ میں اپنی ہمشیرہ کے اسلام کا حال معلوم کر کے جس طرح وہ انہیں سزا دینے گھر پہنچے اور اس جرم میں انہیں مارتے مارتے لہولہان کر دیا، غزوۂ بدر کے موقعہ پر، اسیرانِ جنگ کے سلسلہ میں، جب آنحضرت ؐ نے صحابہ سے ان کے مستقبل کے بارے میں مشورہ فرمایا، تو جہاں حضرت ابوبکرؓ نے یہ رائے دی کہ انہیں، قیدی بنا کر رکھا جائے، پھر لطف و احسان، یا فدیہ اور معاوضہ کے ماتحت انہیں رہا کر دیا جائے، وہاں حضرت عمر نے بے تامل یہ رائے دی کہ ان کی گردن اڑا دی جائے، اس لیے کہ یہ کفر کے اکابر تھے، اور انہوں نے اسلام کے راستہ میں دشواریوں کے پتھر نہیں پہاڑ لا کر کھڑے کر دیے تھے، حضرت عمر کی یہ رائے کچھ بے جا بھی نہ تھی، پھر فتح مکہ سے ذرا پیشتر، جب ابوسفیان کا شانۂ اعانت میں، پہنچے، تو جہاں عباسؓ اور علیؓ انہیں پروانۂ معافی دلانے کے ساعی تھے، وہاں عمرؓ قتل کی بات حاصل کرنے کے درپے تھے، حالات کے لحاظ سے اس موقع پر بھی، حضرت عمر کی رائے غلط نہ تھی، اس شخص نے اسلام، داعی اسلام ؐ اور

اسلام قبول کرنے والوں کے ساتھ جو کچھ کیا تھا، اسے نہ فراموش کیا جا سکتا تھا، نہ معاف کیا جا سکتا تھا، لیکن رحمۃ للعالمین کی بارگاہ، عفو و مرحمت کی بارگاہ تھی، تعزیر و انتقام کا دربار نہ تھا، یہاں سے ہمیشہ بڑے بڑے خطاکاروں کو سنگین ترین جرائم کے باوجود، پروانۂ عفو ملا، ابو سفیان کی کی قسمت یاور تھی، لرزاں و ترساں آیا تھا، شاداں و فرحاں واپس گیا، ان واقعات سے، حضرت عمرؓ کے رجحان اور مزاج کا بہ آسانی اندازہ ہو جاتا ہے، ان کی درشتیِ مزاج کی شکایت، جب حضرت ابو بکرؓ سے نامزدگی خلافت کے وقت کی گئی، تو انہوں نے جواب دیا تھا، وہ سختی اس لیے کرتے ہیں کہ میں ملاطفت کا خوگر ہوں، لیکن جب ذمہ داری کی باگ ان کے ہاتھ میں آئے گی، تو یہ صورت نہ رہے گی، اور کوئی شبہ نہیں حضرت ابو بکر کی یہ رائے بالکل درست ثابت ہوئی،

مسندِ خلافت پر بیٹھنے کے بعد، حضرت عمرؓ کا طرزِ عمل بالکل بدل گیا، اور جہاں تک غیر مسلموں کا تعلق ہے، سراپا، رحمت و مرحمت بن گیا،

اب ہم، اختصار کے ساتھ حضرت عمر کے عہد گرامی کے کچھ واقعات پیش کریں گے،

(۱)
ذمی کے بدلے مسلمان کا قتل

انصاف اور معدلت اور انسانیت کا جہاں تک تعلق تھا، حضرت عمر کا طرزِ عمل بھی وہی تھا، جو رسالت مآب کا، اور حضرت ابو بکر کا تھا، یعنی حق اور انصاف کے معاملہ میں مسلم اور غیر مسلم کے درمیان کسی طرح کا امتیاز روا نہیں رکھا جا سکتا، چنانچہ علامہ ابو بکر جصاص، ایک مقام پر تحریر فرماتے ہیں:۔

ان رجلا من المسلمين	ایک مسلمان نے عبادیوں⁽¹⁾ کے ایک آدمی
قتل رجلا من عبادیین	کو قتل کر ڈالا، حضرت عمرؓ سے فریاد
فقدم اقوہ علی عمر بن الخطابؓ	کی گئی، آپ نے مسلمان کے قتل کا
فکتب عمر ان یقتل	حکم صادر فرما دیا، ⁽²⁾

بظاہر یہ بہت معمولی سا واقعہ ہے، ایک شخص پر قتل کا جرم ثابت ہوا اسے قتل کی سزا ملی، لیکن اسے سیاست کی عینک سے دیکھئے، یوں ملاحظہ فرمایئے کہ قتل کرنے والا، حاکم قوم کا ایک فرد ہے، اور قتل کیا جانے والا محکوم طبقہ کا ایک مجبور اور بے بس شخص ہے، پھر دیکھئے، کیا یہ واقعہ معمولی نظر آسکتا ہے؟ انگریزوں نے عرصۂ دراز تک ہندوستان پر حکومت کی، ان کے عہد حکومت میں کیا حال رہا، آخری چند سالوں سے قطع نظر، کیا، یہ واقعہ اور حقیقت نہیں ہے کہ "صاحب" کی ٹھوکر، قلی کی تلی پھاڑ دیتی تھی، صاحب کا سفر جاری رہتا تھا، اور قلی سفر آخرت اختیار کر لیتا تھا، امریکہ سے بڑھ کر، تمدن مآب، انسانیت نواز، اور تہذیب پرست ملک کون ہوگا، کیا وہاں آئے دن، حکمراں قوم کے افراد، محکوم حبشیوں کو، ذرا ذرا سی بدگمانیوں پر قتل نہیں کر دیتے؟ اور یہ قتل کے واقعات چوری چھپے نہیں ہوتے، بر سر عام ہوتے ہیں، کیا امریکی حکومت انہیں قتل کی سزا دیتی ہے؟ لیکن آج سے چودہ سو سال قبل جب غیر مسلم، مسلمانوں کے "ذمہ" میں آجاتے تھے، تو ان کے ساتھ، بالکل مساوات کا برتاؤ کیا جاتا تھا، اور مساوات کا یہ عالم تھا کہ قاتل مسلمان کی گردن بھی سلامت نہیں رہ سکتی تھی،

---

(1) عبادی ــــــ عیسائیوں کا ایک فرقہ تھا،

(2) احکام القرآن، ص ۱۶۵

(۲)

ذمّی کے حقوق کا پاس و لحاظ

حضرت عمرؓ کی خدمت میں، اپنی نوعیت کی سب سے پہلی درخواست پیش ہوئی، !

ایک شخص نے، گھوڑوں کی پرورش اور پرداخت کا کام شروع کرنا چاہا اس کام کے لیے اسے زمین کی ضرورت تھی، یہ کام اگرچہ ذاتی حیثیت میں شروع کیا جا رہا تھا، لیکن اس کے فوائد قومی تھے، اس سے ۔ اسٹیٹ کو فائدہ پہونچتا تھا، افراد قوم کی آمدنی اور سلسلہ کارکردگی میں اضافہ ہوتا تھا، آج کل کی اصطلاح میں، یہ خالص قسم کی اقتصادی منصوبہ بندی کا ایک جزو تھا، ایسے مقاصد کے لیے حکومتیں، عطیے دیتی ہیں، ٹیکس معاف کرتی ہیں، محصول میں کمی کرتی ہیں، اور ممکن قسم کی سہولت دیتی ہیں، کیونکہ یہ کام، حوصلہ افزائی کے مستحق ہوتے ہیں، درخواست دہندہ ہر اعتبار سے قابل اعتماد تھا، اس لیے کہ اس کے حالات کا جائزہ لے کر، ابوموسیٰ اشعریؓ نے جو بصرہ کے گورنر تھے، اس کی سفارش کی تھی، سفارش کرنے والا شخص صرف ایک صوبہ کا گورنر ہی نہیں تھا، خود بھی ایک جلیل القدر شخصیت رکھتا تھا، وہ اگر گورنر نہ ہوتا، تو بھی اس کی سفارش بغیر کسی معقول وجہ کے نظر انداز نہیں کی جا سکتی تھی،

حضرت عمرؓ نے، یہ سفارش قبول فرمالی، لیکن چند شرائط کے ساتھ، اور وہ شرائط کیا تھے؟ یہ کہ،

(۱) زمین جزیہ کی نہ ہو،

(۲) اس میں جو پانی جاتا ہو، وہ جزیہ کی زمین سے بہ کر نہ جاتا ہو، !

یعنی قومی منفعت کا ایک کام شروع کرنے کی اجازت بھی اس وقت دی جا سکتی ہے، جب اس سے کسی غیر مسلم کے حقوق پر اثر نہ پڑتا ہو، غیر مسلم رعیت کو کسی طرح کی تکلیف نہ پہونچتی ہو، اسے کسی جائز شکایت کا موقعہ نہ ملتا ہو، :-

بصرہ میں ایک شخص تھا جسے نافع کہتے تھے، کنیت اس کی عبداللہ تھی یہ پہلا شخص تھا جس نے بصرہ میں گھوڑوں کی پرورش و پرداخت کا کام شروع کیا، وہ مدینہ مبارک گیا اور (حضرت) عمرؓ سے درخواست کی کہ بصرہ میں ایک زمین ہے جو خراجی زمینوں میں سے ہے۔ اگر وہ مجھے عطا کر دی جائے، تو اس سے مسلمانوں کا کچھ نقصان نہ ہو گا۔ ابو موسیٰ نے بھی اس کے حق میں لکھا تھا (حضرت) عمرؓ نے اس کی درخواست منظور کی اور ابو موسیٰ کو لکھ دیا کہ وہ زمین اس کو جاگیر میں دے دی جائے۔

ہم سے سعید بن سلیمان نے کہا اس نے کہا ہم سے عبادہ ابن عوام نے کہا اور اس سے عوف الاعرابی نے کہ ــــــ میں نے ابو موسیٰ کو (حضرت) عمرؓ کا مکتوب پڑھ کر سنایا۔ اس میں لکھا تھا :-

" ابو عبداللہ نے مجھ سے دجلہ کے کنارے سے ایک زمین مانگی ہے جس میں وہ گھوڑوں کی پرورش و پرداخت کرے گا۔ اگر وہ زمین جزیہ کی نہ ہو اور اس میں جو پانی جاتا ہو وہ بھی جزیہ کی زمین سے بہہ کر نہ جاتا ہو تو وہ اس کو دے دو ــــــ ۔"[1]

(صفحہ ۳۷۱م)

---

[1] فتوح البلدان دوم صلاکا

محکوم قوم کے افراد کے حقوق کی یہ پاس داری، اور نگہداشت کیا صرف اسلام ہی کا حصہ نہیں ہے؟ کیا اس طرح کی روشن اور تابناک مثالیں کسی اور ملت کی تاریخ میں بھی مل سکتی ہیں؟

(۳)

جان کا بدلہ جان

حق و انصاف کے معاملہ میں، کبھی یہ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا کہ یہ مسلمان ہے اور وہ غیر مسلم، لہٰذا اسے مخصوص مراعات اور سہولتیں دی جائیں اور اُس کی فریاد بھی نہ سُنی جائے، اُس کی داد رسی نہ ہونے پائے۔ ذمی عیسائیوں کے ایک مقام حیرہ کی داستان سنیئے :—

حضرت عمر کے زمانہ میں قبلیہ بکر بن وائل کے ایک شخص نے حیرہ کے ایک ذمی کو قتل کر دیا، آپ نے حکم دیا کہ قاتل مقتول کے ورثا کے حوالہ کر دیا جائے، چنانچہ ایسا ہی ہوا، انہوں نے اُسے قتل کر دیا۔ "[1]

(۴)

حضرت عمر کا عہد، پیش قدمی، اقدام، اور فتح و کامرانی کا عہد تھا، اسلام کا قافلہ حجاز کی سرزمین سے نکل کر، دور دور کے گلزاروں، وادیوں، شہروں اور بستیوں تک پہنچ چکا تھا، بیت المال میں، لاکھوں سے متجاوز رقوم جزیہ، اور غنیمت، اور خراج کی مد میں داخل ہوا کرتی تھیں، رقوم وصول کرنے کا کام، عامل اور گورنر کرتے تھے، اور ان کے بارے میں ہر طرح اطمینان کر لیا جاتا تھا کہ یہ بد دیانت تو نہیں ہے۔ ظلم و جور سے کام تو نہیں

---

[1] برہان شرح

لیتے، غیر مسلموں پر دستِ تعدّی تو نہیں دراز کرتے؟ اس سلسلہ میں سب سے پہلا اقدام یہ ہوتا تھا:۔۔۔۔

شعبی کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ کا دستور تھا کہ جب کسی عامل کو مقرر کرتے تو اس کے مال کی فہرست لکھ لیا کرتے۔ (۱)

یہ احتیاط اس لیے کی جاتی تھی کہ، عامل، یا گورنر کے بارے میں ہمیشہ یہ معلوم ہوتا رہے کہ، یہ کتنے پانی میں ہے؟ جب اس منصب پر فائز ہوا، تو اس کی مالی حالت کیا تھی؟ اور فائز ہونے کے بعد، اس کے مالی وسائل و ذرائع کی کیا کیفیت تھی؟

اس احتیاطی اقدام کے بعد، دوسرا اقدام یہ ہوتا تھا کہ بیت المال میں جو رقم، عامل یا گورنر نے بھیجی ہے یہ کس زمین کی ہے؟ اس کے حصول میں جبر و جور، اور ظلم و زیادتی سے کام تو نہیں لیا گیا ہے؟ جبر و جور، اور ظلم و زیادتی کا جرم عام تھا، اس میں یہ تخصیص نہ تھی کہ اگر مسلمان پر ہو تو قابلِ تعزیر اور غیر مسلم پر ہو تو ناقابلِ التفات اس بات میں، مسلم اور غیر مسلم کے حقوق یکساں تھے، چنانچہ تاریخ بتاتی ہے کہ:

عمر کے پاس جب عراق کا خراج آتا تھا تو دس ذمہ دار افسر کوفہ سے، اور دس بصرہ سے ان کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے اور چار مرتبہ شرعی قسم کھا کر آپ کو یقین دلاتے تھے، کہ یہ رقم حلال ہے، کسی مسلمان یا ذمّی کے ساتھ وصول نہیں کی گئی، (۲)

آپ نے ملاحظہ فرمایا؟ حضرت عمرؓ ذمّی کا بھی اتنا ہی خیال کرتے ہیں

---

(۱) تاریخ الخلفاء (سیوطی)، صفحہ ۱۴۳ (۲) کتاب الخراج، امام ابو یوسف۔

جتنا ایک مسلمان کا ،!

(۵)

بحرین کا خراج

حضرت ابو ہریرہ صحابیٔ رسولؐ تھے، ان کی جلالت شان سے کون واقف نہیں؟ خود حضرت عمرؓ بھی ان کے قدر شناس تھے، لیکن سوال، جب معاملہ کا ہو، تو ان سے بھی پوچھ گچھ اس طرح ہوتی تھی، جس طرح وہ دوسروں سے، اور یہ پوچھ گچھ، جس چیز سے تعلق رکھتی تھی وہ صرف ایک ہی بات تھی کہ آیا یہ مال طیب ہے یا نہیں؟

ملاحظہ ہو:—

حضرت ابوہریرہ نے کہا:— میں بحرین سے حضرت عمرؓ کے پاس پہنچا۔ صلاۃ عشاء کا آخر وقت تھا، ملاقات ہوئی، سلام کیا۔ پہلے انہوں نے لوگوں کا حال پوچھا۔ پھر کہا:— "کیا لائے ہو؟" میں نے کہا:— "پانچ لاکھ لایا ہوں کہا۔ جانتے بھی ہو کیا کہہ رہے ہو؟" میں نے کہا:" پانچ لاکھ لایا ہوں"۔ کہا:" کیا کہہ رہے ہو؟" میں نے کہا:" ایک لاکھ اور ایک لاکھ اور ایک لاکھ — اسی طرح پانچ مرتبہ کہا۔" بولے تھکے ہوئے ہو۔ نیند کا خمار ہے۔ اپنے بال بچوں میں جاؤ اور سو رہو۔ صبح کو آنا —

"ابوہریرہ کہتے ہیں، صبح ہوتے ہی میں ان کے پاس گیا۔ پوچھا، "کیا لائے ہو—؟" میں نے کہا۔ "پانچ لاکھ" پوچھا" کیا طیب ہیں؟" میں نے کہا" ہاں" (۱)

---

(۱) فتوح البلدان، دوم، ص ۲۳

رقم بہت زیادہ تھی، یہ ابتدا کا زمانہ تھا، اتنی بڑی رقم پر حضرت عمرؓ کو یقین نہیں آیا، بار بار پوچھا، رقم کتنی ہے؟ پھر موقعہ دیا کہ رات گذار کر صبح ملو، صبح پھر جب وہی عدد دہرایا گیا، اور یقین ہو گیا کہ، ہاں رقم واقعی پانچ لاکھ ہے، تو پھر، استفسار فرمایا کہ آیا یہ رقم ——————

"طیب بھی ہے؟"

یعنی کسی مسلم اور ذمی پر جبر کر کے تو نہیں حاصل کی گئی ہے؟ جب یہ یقین ہو گیا، تب وہ بیت المال میں داخل کی گئی۔

(۶)

شرائط صلح، !

حضرت عمرؓ کے زمانہ میں، اسلامی عساکر وجیوش بلاد و امصار میں پھیل گئے دشمن کا ہر میدان میں استقبال کیا گیا، اور یہی دشمن جب مجبور ہو گیا، اس میں تاب جنگ نہ رہی، اور جنگ جاری رکھنا اس کے لیے ناممکن ہو گیا، اور اس نے مجبوراً صلح و سلام کی سلسلہ جنبانی کی، تو اس کی مجبوری سے ناجائز فائدہ نہیں اٹھایا، بلکہ اس کے پیش کیے ہوئے شرائط پر صلح کر لی، :

المغیرہؓ بن شعبہ عمرؓ بن الخطاب کی جانب سے الکوفہ کے والی ہو کے آئے ان کے ساتھ حذیفہ بن الیمان کے نام آذربائیجان کی ولایت کا پروانہ تھا۔ المغیرہ نے وہ پروانہ حذیفہ کے پاس بھیج دیا۔ حذیفہ اس وقت نہاوند میں یا اس کے قریب تھے۔ حذیفہ وہاں سے چلکر اردبیل آئے یہ آذربائیجان کا مستقر حکومت تھا۔ مرزبان یہیں رہتا تھا اور اس کے لیے یہاں خراج کی آمدنی وصول کی جاتی تھی، مرزبان نے ان سے جنگ کرنے

کے لیے باجروان، میمذ- النزیر، سراۃ الشیر اور الیانج وغیرہ کے باشندوں سے سپاہی جمع کیے، چند روز مسلمانوں سے شدید جنگ کی پھر تمام اہل آذربائیجان کی طرف سے آٹھ (اوقیہ) وزن کے آٹھ لاکھ درہم پر اس شرط سے صلح کرلی کہ ان میں سے کسی کو قتل نہ کیا جائے۔ جنگی قیدی نہ بنایا جائے ان کا کوئی آتشکدہ منہدم نہ کیا جائے اور بلاد سبلان وسبلان وساترودان کے کردوں کے مقابلے میں اُنہیں غیر محفوظ نہ چھوڑا جائے اور خاص اہل الشیز کو ان کی عیدوں پر زقص (رقص) سے اور (اس موقع پر) جو اعمال وہ کرتے ہیں ان سے نہ روکا جائے۔ (۱)

کیا یہ رعائتیں صد درجہ فراخ دلانہ، عادلانہ، اور شریفانہ نہیں ہیں، ؟

(۷)

فتح دمشق

دمشق کی فتح، ایک اہم واقعہ ہے، اس فتح نے، شام پر مسلمانوں کے قبضہ اور استیلا کو، مستقل حیثیت دے دی، عیسائیوں نے، بڑی سخت مزاحمت کی، اُنہوں نے دفاع میں ایڑی چوٹی کا زور صرف کر دیا، سر دھڑ کی بازی لگا دی، لیکن قسمت کے فیصلہ کو کوئی نہیں بدل سکتا، خدا کی مرضی ہر حالت میں پوری ہو کر رہتی ہے۔ اور خدا کی مرضی بھی تھی کہ "خیر امت" کو اس کے خیر واحسان کا صلہ دیا جائے، اور وہ صلہ فتح دمشق، اور دوسرے فتوحات

---

(۱) فتوح البلدان، ۳۲۵م، ۰

کی صورت میں مسلمانوں کو مل کر رہا،

لیکن دمشق کی فتح، بڑے "ڈرامیٹک" انداز میں ہوئی، اس کے ایک دروازہ سے خالدؓ بن ولید ایک کشور کشا اور فاتح کی حیثیت سے، دشمن کے سر کاٹتے، اس کی مزاحمت کو کچلتے، اس کی دفاع کو پامال کرتے، اور اس کی آزادی کو غلامی سے بدلتے ہوئے داخل ہوئے، اور دوسرے دروازہ سے، وہ مسلمان لشکر داخل ہوا جس نے عیسائیوں کی درخواست اماں، قبول کر لی تھی، حالانکہ یہ وہ عیسائی تھے، جنہوں نے آخر وقت تک لڑنے کا عہد کیا تھا، اور مسلمانوں سے اماں نہ لینے کا فیصلہ کر لیا تھا، یہ دونوں مسلمان فوجیں —— لڑکر بہ زور قوت داخل ہونے والی، اور درخواست صلح قبول کر کے، امن کا پرچم ہلاتی ہوئی —— داخل شہر ہوئیں، تو شہر دو حصوں میں بٹ گیا، صلح کا پرچم دیکھ کر، لڑنے والی فوجوں نے قتل اور خوں ریزی کا سلسلہ فوراً بند کر دیا، اور سارے شہر کو، حلقۂ امن و صلح میں داخل کر لیا، حالانکہ ازروئے انصاف، عیسائیوں کا آخر وقت تک لڑنے والا حصہ، جسے بہ زور قوت مغلوب کیا گیا تھا، کوئی استحقاق اس رعایت کا نہیں رکھتا تھا، لیکن رحمت اللعالمین کی امت، جب رحمت کا مظاہرہ کرتی ہے، تو وہ عام ہوتا ہے، خاص نہیں ہوتا، وہ جود و عطا کی بارش بن کر آتی ہے، اور بارش کے قطرے، ہر طرف گرتے ہیں، نشیب پر بھی فراز پر بھی،

آپ آپ یہ داستان تاریخ کی زبان سے سنیں:

اسی عرصے میں اہل دمشق کے پادری کے یہاں لڑکا پیدا ہوا،
اس خوشی میں اس نے سب لوگوں کی دعوت کی رومیوں نے خوب

کھایا اور پیا یہاں تک کہ وہ لوگ اپنی اپنی متعینہ جگہ کی نگرانی سے بالکل بے خبر ہو گئے مسلمانوں میں خالدؓ کے سوا اور سب لوگ رومیوں کی اس حالت سے ناواقف تھے، خالدؓ کی کیفیت یہ تھی کہ نہ خود سوتے اور نہ کسی کو سونے دیتے تھے، ان کو رومیوں کی سب باتوں کا علم رہتا تھا اُن کی آنکھیں بہت تیز تھیں وہ اپنی سمت میں ہمیشہ مصروف رہتے چنانچہ آپ نے کچھ رسیاں اور ڈوریاں سیڑھیوں اور کمندوں کی شکل کی تیار کیں، اور دعوت کے روز شام ہوتے ہی خالدؓ اور ان کے سپاہیوں نے پیش قدمی کی سب سے آگے خود خالدؓ اور قعقاع بن عمرو اور مذعور بن عدی اور اُن جیسے اور چند اصحاب روانہ ہوئے اور اپنے لوگوں کو یہ ہدایت کر گئے کہ جب شہر پناہ سے تم لوگ ہماری تکبیروں کی آواز سنو تو فوراً ہماری طرف چڑھ آؤ اور دروازے پر حملہ کر دو۔

جب خالدؓ اور اُن کے رفیق اپنے قریب کے دروازے کے پاس پہنچ گئے تو ان لوگوں نے وہ ڈوریاں شہر پناہ کے کنگروں پر پھینک دیں اس وقت اُن کی کمروں پر وہ مشکیں بندھی ہوئی تھیں جن کے ذریعے سے انہوں نے خندق کو تیر کر پار کیا تھا، جب ڈوریاں ان کنگروں میں بخوبی اٹک گئیں۔ تو قعقاع اور مذعور ان کو پکڑ کر اوپر چڑھ گئے اور ان دونوں نے باقی تمام رسیاں اور ڈوریاں اوپر کنگروں سے باندھ دیں۔

شہر پناہ کے جس حصے پر مسلمانوں نے یورش کی تھی وہ نہایت مستحکم اور نا قابلِ تسخیر تھا خالدؓ کے تمام ساتھی کچھ اوپر چڑھ گئے اور کچھ دروازے پر پہنچ گئے جب فصیل پر سب لوگ باطمینان چڑھ گئے تو خالدؓ نے اسی مقام پر دوسرے چڑھنے والوں کی حفاظت کے لیے کچھ محافظ چھوڑ دیئے اور خود اپنی جماعت کو لیکر نیچے اُترے اور اُوپر والوں کو تکبیر کہنے کا حکم دیا ان کی تکبیروں کی آوازیں سنتے ہی کچھ مسلمان دروازے کی طرف دوڑے اور کچھ ان رسیوں کی طرف جھپٹ پڑے اور چھلانگیں مارتے ہوئے اوپر چڑھ گئے خالدؓ نے اپنے قریب کے دشمنوں پر حملہ کر دیا اور ان کو وہیں سلا دیا اس کے بعد دروازے پر پہنچ کر دربانوں کا خاتمہ کر دیا۔

اہلِ شہر اور دوسرے تمام لوگوں پر پریشانی اور بدحواسی کی کیفیت طاری ہوگئی، وہ سب اپنی اپنی جگہوں پر پہنچے ان کی کچھ سمجھ میں نہ آتا تھا کہ یہ واقعہ کیا ہے، مسلمان ہر طرف اپنے اپنے پاس والوں کو تہ تیغ کر رہے تھے، خالدؓ اور ان کے رفیقوں نے دروازے کی زنجیروں کو تلواریں مار مار کر کاٹ دیا اور دروازے کو اسلامی لشکر کے لیے کھول دیا مسلمان اندر گھس گئے خالدؓ کے دروازے کے پاس ایک بھی جنگجو ایسا نہ رہا، جس کو قتل نہ کر دیا گیا ہو۔

جب خالدؓ کو اس حملے میں خاطرخواہ کامیابی ہوگئی اور وہ اپنی طرف کے دروازے پر بہ جبر قابض ہوگئے تو اس طرف

لے دشمن بھاگ کر دوسرے دروازوں کی طرف پناہ لینے
کے لیے دوڑے، اُن دروازوں کی طرف کے دشمنوں کو مسلمانوں نے
نصف نصف تقسیم پر مصالحت کی دعوت دی تھی مگر اس
تجویز کو اُنہوں نے مسترد کر دیا تھا اور دفاع پر اڑے رہے
تھے، مگر جب خالدؓ نے اُن پر اچانک حملہ کر دیا تو وہ لوگ
فوراً اپنی طرف کے مسلمانوں سے صلح کے خواستگار ہو گئے۔
مسلمانوں نے اس کو منظور کر لیا چنانچہ رومیوں نے اندر سے
دروازے کھول دیئے اور مسلمانوں سے کہا جلدا ندر آؤ اور ہم
کو اُس دروازے کے حملہ آوروں سے بچاؤ، اس کا یہ نتیجہ ہوا
کہ ان تمام دروازوں کی طرف کے مسلمان صلح کے ساتھ شہر میں
داخل ہوئے اور خالدؓ اپنے دروازے سے بہ جبر فتح کرتے ہوئے
شہر میں داخل ہوئے خالدؓ اور دُوسرے اسلامی اُمرا وسط شہر
میں اس طرح ایک دوسرے سے ملے کہ ایک جماعت قتل اور غارتگری
میں مصروف تھی، اور دوسری جماعت صلح اور امن وہی کے ساتھ
داخل ہو رہی تھی مگر جب صلح ہوگئی تو مسلمانوں نے خالدؓ کی
طرف کے حصے کو بھی صلح کے حکم میں شامل کر دیا۔ (۱)

(۸)

رحم و کرم کا مظاہرہ

فتح و کامیابی، اور ہجوم و اقدام کے عالم میں بھی، کافروں، اور
غیر مسلموں کے ساتھ، رحم و کرم کا برتاؤ کیا جاتا تھا، اور اُنہیں زیادہ سے

(۱) طبری، ج ۱ ج ۴ صفحہ ۲۱۴۵ - ۲۱۴۶

زیادہ رعائتیں اور سہولتیں دی جاتی تھیں، حالانکہ دشمن تو اپنی ذمہ داریوں کو خود محسوس کرتے ہیں دوسروں کی تقلید نہیں کرتے، اور اگر کرتے ہیں تو غلط امور میں نہیں، :—

ابو عبیدہ نے قورس کے قصد سے کوچ کیا اور اپنے آگے آگے عیاض کو روانہ کیا، یہاں کے راہبوں میں سے ایک راہب ان سے ملا اور اس نے اہل قورس کی جانب سے صلح کی درخواست کی۔ عیاض نے اس کو ابو عبیدہ کے پاس بھیجا، وہ اس وقت جبرین و تل اعزاز[1] کے درمیان تھے، انہوں نے اس سے صلح کرلی، اور قورس آکر اس کے باشندوں سے عہد پیمان کیا، اور انہیں وہی عطا کیا جو اہل انطاکیہ کو عطا کیا تھا، اور راہب کو اس کے گاؤں شرقینا کے لیے ایک وثیقہ لکھ دیا، پھر انہوں نے اپنے رسالے پھیلا دیئے، جنہوں نے بقا بلس کی آخری حدوں تک ارض قورس فتح کرلی۔ (۲)

اس معاہدہ کی روح، صرف فراخ دلی، اور رواداری تھی، ورنہ مجبوروں کے ساتھ کون معاہدہ کرتا۔ اور سہولتیں دیتا ہے؟

(۹)

اہل نجران کی جلا وطنی

"جزیرۃ العرب میں، دو مذہب باقی نہیں رہ سکتے!" یہ ارشاد رسول تھا، یعنی، جزیرۃ العرب میں اب کفر اور شرک ساتھ ساتھ، پہلو بہ پہلو نہیں

---

[1] ابوالفداء ص ۲۲۲: — تل اعزاز

(۲) فتوح البلدان دوم، ص ۲۴۱

رہ سکتے ،

اب سوال پیدا ہوا کہ نجران کے غیر مسلموں کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے؟ یہ تو طے تھا کہ اُنہیں، اپنے مذہب پر قائم رہنے کی صورت میں ، ترک وطن کرنا پڑے گا، کیونکہ اسلام کی رو سے کسی کو تبدیل مذہب پر مجبور نہیں کیا جا سکتا، لیکن ان نجرانی غیر مسلموں میں دو طرح کے لوگ تھے ، ایک وہ جن سے کسی طرح کا معاہدہ نہیں تھا ، اور یہ خود اس وقت پا بہ رکاب تھے ، دوسرے وہ ، جو مسلمانوں کے "ذمہ" میں آ چکے تھے ، اور مسلمان ، ان کے جان و مال کے ذمہ دار بن چکے تھے ۔

اس اہم مسئلہ کا فیصلہ حضرت عمر کو کرنا تھا ، اور اُنہیں اپنے اس اقدام کی تمام ذمہ داری کو پیش نظر رکھنا تھا ، انہوں نے اپنی اس ذمہ داری کو کس خوبی کے ساتھ انجام دیا ، ملاحظہ فرمائیے :-----

سالم کی روایت ہے کہ عمر رضؓ نے سب سے پہلے جو فوج جنگ کیلئے روانہ کی وہ ابو عبیدہ کی سرکردگی میں تھی اُن کے بعد یعلیٰ بن امیہ کو یمن کی طرف روانہ کیا اور ان کو حکم دیا کہ اہل نجران کو جلا وطن کر دیں کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی علالت کے زمانے میں ابو بکرؓ سے اور ابو بکر رضؓ نے اپنی علالت کے زمانے میں اس کی وصیت فرمائی تھی ، عمرؓ نے یعلیٰ بن امیہ سے فرمایا تھا کہ تم ان لوگوں کے پاس جاؤ اُن کو ان کے دین کے بارے میں پریشان نہ کرو بلکہ ان کو مہلت دو اُن میں سے جو لوگ اپنے مذہب پر قائم رہیں اُن کو جلا وطن کر دو اور جو لوگ اسلام قبول کر لیں اُن کو ان کے وطن میں مقیم رہنے دو اور جلا وطنی کے بعد اس

سرزمین کو ان کے وجود سے بالکل صاف کر دو اور ان سے
کہدو کہ تم کو دوسرے شہروں میں جانے کا اختیار ہے اور ان
کو بتلادو کہ ہم تم کو اس لیے جلا وطن کر رہے ہیں کہ خدا اور
رسول کا حکم ہے کہ جزیرۃ العرب میں دو مذہب باقی نہ
رکھے جائیں۔ اس لیے جو شخص اپنے مذہب پر رہنا چاہتا
ہے وہ یہاں سے نکل جائے چونکہ وہ لوگ ہمارے ذمی ہیں
اور خدا رسول کے حکم مطابق ہم پر ان کا حق واجب ہے
اس لیے ہم زمین کے عوض ان کو زمین عطا کریں گے۔ (۱)

تاریخ ایک سنجیدہ، علمی موضوع ہے، اس میں جذبات کو دخل
نہیں ہوتا اس میں کامل غیر جانبداری کے ساتھ کام لیا جاتا ہے، دودھ
کا دودھ اور پانی کا پانی الگ کر کے دکھایا جاتا ہے، مؤرخ کے لیے یہ پابندی
ہے کہ اپنی قوم ملک، ملت، مذہب کی تاریخ میں بھی وہ تحریف سے
کام نہ لے، جانبداری کا مظاہرہ نہ کرے، تعصب اور ناروا داری کا مظاہرہ
نہ کرے، ہم نے ان اصولوں کو قدم قدم پر پیش نظر رکھا ہے، اور ان پر عمل
کرنے کی کوشش کی ہے، لیکن تقابل بھی تاریخ ہی کا ایک حصہ ہے،
ایک قوم کی جب ہم تاریخ بیان کرتے ہیں، اس کے کارنامے پیش کرتے ہیں
تو کسی طرح بھی یہ ممکن نہیں کہ دوسروں سے ان کارناموں کا مقابلہ نہ کیا جائے،
نجران کے غیر مسلموں کو جب جلا وطن کیا گیا، تو بلاشبہ بنیادی عنصر
مذہب ہی تھا، اور یہ جلا وطنی کا اصول عام تھا، عیسائی اپنے ہاں سے
جب مسلمانوں کو نکالتے تھے۔ تو مذہب ہی کی بنا پر، اور ان کا یہ اخراج بہ یک

---

(۱) طبری، ج ا ح م، ص ۲۵۵

مینی وہ گوش ہوتا تھا، ان کی ہر چیز بہ حق سرکار ضبط کرلی جاتی تھی، مکان دوکان، جائداد، جاگیر، کھیت، اور اس ضبطی کا کوئی معاوضہ نہیں دیا جاتا، لیکن اسلام نے یہ نہیں کیا، اس نے جلا وطنی کے سلسلہ میں سہولتیں دیں، اسباب منقولہ لے جانے کی اجازت دی، اور، اہل ذمہ، یعنی مسلمانوں کے ذمہ میں آئے ہوئے غیر مسلموں کو ان کی مالیت کا معاوضہ بھی دیا،

یہ واقعہ تو آج سے ڈیڑھ ہزار برس پہلے کا ہے،

لیکن ۱۹۴۷ء میں، جب سیکولر ہندوستان کے ایک صوبہ —— مشرقی پنجاب —— سے مسلمانوں کا جبری انخلا عمل میں آیا، تو ان کے ساتھ، کیا برتاؤ ہوا؟ کیا وہ اپنے ساتھ کچھ بھی لا سکے، کیا انہیں ان کی اس حکومت نے جس کی مسلمان رعایا تھے کوئی معاوضہ دیا؟ اسے بھی چھوڑیئے، جو مسلمان ہندوستان ہی میں رہے ان کے ساتھ کیا گیا؟ سارے ہندوستان کو چھوڑیئے، دارالحکومت دہلی کو ہی" کیا آج بھی دہلی شہر میں ایسے کافی مسلمان نہیں ہیں۔ جن کے مکان، قرول باغ سبزی منڈی اور دوسرے ہندو علاقوں میں ہیں، لیکن نہ وہ ان مکانوں میں رہ سکتے ہیں، نہ ان کا کرایہ وصول کر سکتے ہیں، نہ انہیں فروخت کر سکتے ہیں، کیا سیکولر حکومت کے گن اب بھی مذہبی حکومت کے مقابلہ میں گائے جائیں گے؟ کیا اب بھی یہ کہا جائے گا، کہ مذہب کشت و خون سکھاتا ہے، اور قومیت امن دولت تقسیم کرتی ہے؟

گالی دینے والا پادری

حضرت عمرؓ ہی کے دور کا ایک اہم، اور ناقابل فراموش واقعہ، ہم ذیل میں پیش کرتے ہیں، اس واقعہ سے اندازہ ہوگا کہ دریدہ دامن گستاخ، بدتمیز

اور شورش پسند دشمنوں کے ساتھ بھی مسلمانوں کا سلوک ٹھیک، اور شریفانہ ورواداری رہتا تھا، وہ ظلم و زیادتی سے ہر حال میں گریز کرتے تھے، وہ واقعہ یہ ہے:—

حضرت عمر رضی اللہ عنہ بن الخطاب نے عیاض کو لکھا کہ عمیر بن سعد کو عین الوردہ بھیجو، انہوں نے بھیج دیا، اور ان کے آگے طلائع بھیجے، جنہوں نے کسانوں کی ایک جماعت پر چھاپا مارا جس میں دشمن کے مویشی غنیمت میں ان کے ہاتھ لگے، اہل شہر نے دروازے بند کر لیے اور ان پر عسرادہ[1] نصب کیے اور اس سے مسلمانوں پر تیر اور پتھر برسائے، جن کے صدمات سے بہت سے مسلمان شہید ہو گئے یہ دیکھ کر ان کے بطریقوں میں سے ایک بطریق سامنے آیا اور اس نے مسلمانوں کو گالی دے کر کہا "تمہیں اب تک جن سے سابقہ پڑا ہے ہم ان جیسے نہیں ہیں"

لیکن اس دم خم کا نتیجہ کیا نکلا؟

ان عیسائیوں کے حصہ میں شکست آئی، اور شکست کے بعد کیا ہوا؟ کیا مسلمانوں نے ان پر کوئی زیادتی کی؟ نہیں یہ کچھ نہیں ہوا، اور بالآخر،

"یہ شہر بھی صلح پر فتح کر لیا گیا، (۲)!"

ان لوگوں کو کوئی سزا نہیں دی گئی، ان سے کوئی باز پرس نہیں کی گئی، ان سے کسی طرح کا انتقام نہیں لیا گیا، ان کے ساتھ رواداری نہ برتا وکیا گیا، ان کو یہ عزت دی گئی، کہ ان سے صلح کر لی گئی، اور ان میں جس نے چاہا، اپنے مذہب

---

[1] عسرادہ، منجنیق سے چھوٹا ہوتا ہے، اس سے سنگباری کی جاتی ہے،

(۲) فتوح البلدان دوم، ص۱۹۲

پر قائم رہا، جس کی مرضی ہوئی وہ مسلمانوں کے ذمہ میں آگیا،

حقیقت یہ ہے کہ اسلام میں ذمّی اور معاہد کی بڑی حیثیت ہے، عہد رسالت مآب ؐ اور عہد خلافت راشدہ میں ذمیوں اور غیر مسلموں کے ساتھ جو برتاؤ کیا گیا، وہی دلیل راہ کے طور پر، فقہا، اور بعد کے ملوک و سلاطین کے پیش نظر رہا، چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ مسلمانوں کے معاملات و مسائل میں یہی فقہی ممالک خواہ کتنے ہی سخت اور متشددانہ کیوں نہ ہو، لیکن جہاں تک غیر مسلموں اور ذمیوں کا تعلق ہے، انہیں کہیں بھی کسی ملک سے بھی، کسی قسم کا گزند نہیں پہنچا ہے ان کے حقوق بڑی فراخ دلی کے ساتھ تسلیم کیے گئے ہیں،

چنانچہ حربیوں کی امان کے سلسلہ میں یہ تصریحات قابل غور ہیں:—

ومن قال لحربي قد اجرتك او امنتك او لا باس عليك ونحو هذا فقد امنه ويصح الامان من كل مسلم عاقل مختار حرا كان او عبدا رجلا كان او امرأة (۱)

اور جو شخص کسی حربی سے یہ کہہ دے کہ میں نے تجھے پناہ دی، یا میں نے تجھے امان دی، "یا کوئی پرواہ نہ کر"، یا اسی طرح کے الفاظ تھے، تو وہ حربی مامون تسلیم کیا جائے گا، امان، ہر عاقل، مختار، مسلمان حربی کو دے سکتا ہے خواہ وہ آزاد ہو یا غلام، مرد ہو، یا عورت! (۱)

(۱۰)
کیا اب ایسا ہو سکتا ہے؟

خدا تصور کیجیے، عہد تہذیب، حضارت کی دوسری جنگ عظیم میں، اگر

---

(۱) عمدۃ الفقہ (ابن قدامہ) ص۱۵۱ مطبوعہ مصر

کسی طرح، ہٹلر، انگریزوں کے ہاتھ پڑ جاتا، یا مسولینی، حبش کے ہاتھ آ جاتا، یا شالن ہٹلر کے قبضہ میں آ جاتا، یا ٹوجو، روز ویلٹ کے ہتھے چڑھ جاتا، یا اس کی برعکس صورت ہوتی، تو کیا ان میں سے کوئی بھی سلامت رہ سکتا تھا؟ کسی کی جان بھی محفوظ رہ سکتی تھی، ایسے تمام لوگ جو غلط حب وطن کے باعث دوسری قوموں کے دشمن بن جاتے ہیں، جنگ کی آگ بھڑکاتے ہیں، دُنیا کے امن و امان پر اثر انداز ہوتے ہیں ان کے بارے میں ایک عام اصول اور دستور یہ ہے کہ فاتح قومیں انہیں اپنی بنائی ہوئی عدالت میں پیش کرتی ہیں اور عبرت انگیز سزا دیتی ہیں، چنانچہ دیکھ لیں جنگ عظیم ثانی کے بعد، جو جنگی مجرم " ہاتھ آئے ان کے ساتھ کیا برتاؤ ہوا؟ ان میں سے کافی لوگ، موت کے گھاٹ اُتر گئے، جو بچ گئے، وہ آج تک تعذیب و عقوبت کے شکار بنائے جا رہے ہیں، ——— !

لیکن اسلام کا نقطۂ نظر دُوسرا ہے وُہ خاطی کو جب پکڑ لیتا ہے، تو اسے معاف کر دیتا ہے، اس کے ساتھ رعائیتیں کرتا ہے، اس کی قدر و منزلت کرتا ہے، یہاں تک کہ وہ دل سے دوست بن جاتا ہے، اور پھر کم ہی ایسا ہوتا ہے کہ وُہ دوبارہ لڑائی، اور دشمنی کا نام لے، اور اگر وُہ ایسا کرتا بھی ہے تو اس کی قوم اس کا ساتھ نہیں دیتی، وُہ احسان کا بدلہ برائی سے کم ہی دیتی ہے،

چنانچہ فتح مکہ کے بعد، جبکہ مکّہ کے لوگ سہمے ہوئے تھے، لرزرہے تھے، اپنے انجام سے خائف اور ترساں تھے، اپنی ان زیادتیوں کو یاد کرکے سراسیمہ اور مضطرب تھے جو انہوں نے مسلمانوں پر روا رکھی تھیں، اور جن کی سزا پانے کا اب وقت آ گیا تھا، لیکن رسول اللہ ؐ کے ایک جملہ نے

ان لوگوں کو جہنم سے جنت میں پہنچا دیا، آپ نے فرمایا،

" فتح الطلقاء "

تم آزاد ہو،

ارشاد ہوا،

آج کے دن تمہارے کسی جرم کی پاداش تم پر نہیں ہے'!

اسی نمونہ کو ہمیشہ مسلمانوں نے اپنے اقتدار و اختیار میں پیش نظر رکھا، چنانچہ جب فارس میں مسلمان فوجیں دشمن سے لڑ رہی تھیں، اور رستم کے ایجنٹوں نے سارے ایران کو، مسلمانوں کے خلاف متحد اور منظم کر دیا تھا۔ عین زمانہ جنگ میں، ایرانیوں کا ایک شعوری پشت سردار، جو اپنی حیثیت اور شخصیت کے لحاظ سے، اپنے رقبہ کا گویا بادشاہ تھا، مسلمانوں کے ہاتھ پڑ گیا، آپ نے دیکھا اس کا انجام کیا ہوا؟ مسلمانوں کے ہاتھ پڑنے کے بعد، اس پر کیا گزری؟ اور مسلمانوں نے اس کے ساتھ کیا کیا؟

جابان تیزی سے بڑھا اور نمارق میں فروکش ہوا، یہ لوگ حملے کی ٹھان چکے تھے، نرسی بڑھ کر زندورد میں آ تھا، اور مندویل کی آئی ہوئی فوجیں فرات کے بالائی حصے سے چلکر زیرین فرات آگئیں، مثنیٰ اپنی ایک جماعت کو لے کر خفان میں اترنے کے ارادے سے نکلے تاکہ ان کے عقب میں دشمن کوئی ایسی کارروائی نہ کرسکے جو ان کے حق میں مضر ہو، اس عرصے میں ابوعبید بھی اُن کے پاس آگئے فوج کے سپہ سالار ابوعبید تھے ابوعبید نے اپنے ساتھیوں کے جمع ہونے تک خفان میں قیام کیا،

ادھر جابان کے پاس بھی بے شمار لوگ جمع ہو گئے تھے۔
جب ابو عبید کے پاس فوجیں اور سواریاں جمع ہو گئیں تو انہوں نے اپنے لشکر کی صف آرائی کی، مثنیٰ کو سواروں پر مامور کیا اور میمنے پر والق بن جیدارہ کو اور میسرے پر عمرو بن الہیثم بن الصلت بن حبیب السلمی کو مامور کیا، جابان کے میمنے اور میسرے پر جشنس ماہ اور مردانشاہ تھے۔ اسلامی لشکر نے نمارق میں جابان پر حملہ کیا بڑی شدت کی جنگ ہوئی خدا نے اہل فارس کو شکست دی، جابان گرفتار ہوا اس کو مطر بن فضۃ التیمی نے گرفتار کیا تھا، اور مردانشاہ بھی گرفتار ہوا اس کو اکتل بن شماخ العُکلی نے گرفتار کیا تھا، اکتل نے تو مردانشاہ کی گردن ماردی مگر مطر بن فضہ کا قصہ یہ ہوا کہ جابان نے ان کو دھوکا دیا اور اُن کو کچھ دے کر بھاگ گیا، مگر مسلمانوں نے اس کو پکڑ لیا ابو عبید کے سامنے پیش کر کے کہا یہ شخص بادشاہ ہے انہوں نے ابو عبید کو مشورہ دیا کہ اس کو قتل کر دو، مگر ابو عبید نے کہا کہ میں اس کو قتل کرتے ہوئے خدا سے ڈرتا ہوں کیوں کہ ایک مسلمان اس کو پناہ دے چکا ہے اور تمام مسلمان محبت اور امداد میں ایک جسم کی مانند ہیں جو بات ان میں سے کسی ایک پر واجب ہوتی ہے، وہ سب پر واجب ہوتی ہے، لوگوں نے کہا کہ وہ بادشاہ ہے ابو عبید نے کہا ہوا کرے میں بدعہدی ہرگز نہیں کروں گا،" چنانچہ اس کو چھوڑ دیا گیا۔ (۱)

(۱) طبری، ج ۱ ح ۴ صفحہ ۲۵۸

غور فرمائیے، نہ صرف یہ کہ جاپان کو قتل نہیں کیا گیا، بلکہ اسے پروانۂ رہائی عطا کر دیا گیا، خدارا ہمیں بتایا جائے، کیا آج بھی دنیا میں ایسا ہو سکتا ہے؟ امریکہ، برطانیہ، فرانس، کوئی بھی اس کے لیے تیار ہے؟

شاید اسی قسم کی مثالیں تھیں جنہیں پیش نظر رکھ کر، فقہ کو بھی اس کی تصریح کرنی پڑی کہ مقاتلہ اسی سے جائز ہے جو برسر پیکار ہو، یہ تصریح اسلام کی روح کا عین مقتضا اور منشا ہے۔ ذیل کی تصریح ہمارے دعوے کی بہترین دلیل ہے :-

لا یقتل منہم صبی ولا	(جنگ آزما لوگوں میں سے) کوئی لڑکا
مجنون ولا امراۃ ولا	قتل نہ کیا جائے گا، نہ پاگل کو قتل کیا
راهب ولا شیخ فان	جائے گا، نہ عورت، نہ راہب، نہ
ولا زمن، ولا اعمی	شیخ فانی، نہ کہن سال بیمار، نہ اندھا
ولا من رأسالہم الا	نہ وہ شخص جسے (مسلمانوں سے) مقاتلہ
ان یقاتلوا	کرتے نہ دیکھا گیا ہو،

(۱۱)

بنو تغلب نصاریٰ تھے یا مشرک

بنو تغلب، مذہب کے اعتبار سے کچھ ڈھلمل یقین قسم کے لوگ تھے، یہ تمام نصاریٰ تھے، لیکن درحقیقت نصاریٰ نہیں تھے، بت پرست تھے لیکن بت پرست بھی عجیب قسم کے تھے، یہ لوگ، نسباً، عرب تھے، اور ان میں عربوں کے وہ تمام خصائص موجود تھے، جو، قومی اور ملی طور پر عربوں میں پائے جاتے تھے، جرأت، ——، خودداری، خودپسندی

شجاعت، آن، جوش، ہر چیز، حضرت عمرؓ نے ان کے ساتھ وہی سلوک کرنا چاہا، جو ذمیوں کے ساتھ کیا جاتا ہے، لیکن، وہ بھلا جزیہ کیا دیتے؛ بھاگ کھڑے ہوتے۔ سفارش کی گئی کہ ان سے جزیہ نہ لیں، صدقہ لیں۔ خواہ جزیہ سے زیادہ ہی کیوں نہ ہو، حضرت عمرؓ نے یہ بات مان لی:-

ہم سے شیبان بن فروخ نے کہا، ان سے ابوعوانہ نے، ان سے المغیرہ نے اور ان سے السفاح نے الشیبانی سے کہ:-

(حضرت) عمرؓ بن الخطاب نے نصارائے بنی تغلب سے جزیہ لینے کا ارادہ کیا، مگر وہ بھاگ گئے اور ان کی ایک جماعت کسی دور دراز ناحیہ میں چلی گئی۔ اس پر النعمان بن زرعہ یا زرعہ بن النعمان نے (حضرت عمرؓ سے) کہا:- "میں تم سے اللہ کے نام پر بنی تغلب کے لیے درخواست کرتا ہوں، یہ عرب کی ایک قوم ہے جو جزیہ سے بالاتر ہے اور نہایت جنگ آزما ہے، اس کو (اپنے سے بگاڑ کر) اپنے دشمن کو اپنے مقابلہ میں قوی نہ بناؤ"۔ (حضرت عمرؓ نے) ان کو بلا بھیجا اور ان پر مسلمانوں سے دگنا صدقہ مقرر کر دیا۔

ہم سے شیبان نے کہا۔ ان سے عبدالعزیز بن مسلم نے ان سے لیث نے، ان سے ایک اور نے، ان سے سعید بن جبیر نے ان سے ابن عتاب نے کہ:- "نہ تو نصارائے بنی تغلب کا ذبیحہ کھایا جاتا ہے اور نہ ان کی عورتوں سے نکاح کیا جاتا ہے، کیونکہ نہ وہ ہم میں سے ہیں اور نہ اہل کتاب میں سے"۔ (۱)

---

(۱) فتوح البلدان دوم، صفحہ ۳۰۳، ۳۰۲

غرض اس مشکوک حیثیت کے باوجود حضرت عمرؓ نے ان کے جذبات کی رعایت ملحوظ رکھی، اور انہیں جزیہ سے مستثنا کر دیا،

(۱۲)

خراج میں اضافہ نہ کرنے کا عہد

ایک دوسرا واقعہ ملاحظہ ہو:

مجھ سے بکر بن الہیثم نے کہا ان سے عبداللہ بن صالح نے، ان سے اللیث بن سعد نے، ان سے یزید بن ابی علاقہ نے اور ان سے عقبہ بن عامر الجہنی نے کہا — اہل مصر کے لیے عہد و پیمان تھا، عمروؓ نے انہیں یہ نوشتہ دیا تھا کہ "تمہارے اموال اور تمہارے خون اور تمہاری عورتیں اور تمہاری اولادیں امان میں ہیں، ان میں سے ایک بھی فروخت نہیں کیا جائے گا، اور یہ کہ تم سے تمہارے دشمن کا خوف دور کیا جائے گا" اور ان پر خراج (اس شرط کے ساتھ) لگایا کہ اس میں اضافہ نہیں کیا جائے گا۔ عقبہ کہتے ہیں:- میں اس کا شاہد ہوں۔ (۱)

غرض، ذمیوں کے ساتھ، معاہدین کے ساتھ، اور غیر مسلموں کے ساتھ ہر موقعہ پر رعایت ہی کی گئی، انہیں کبھی ہدف ستم نہیں بنایا گیا، اور اسلام میں اس طرح کی ان گنت مثالیں ہیں،

(۱۳)

غیر مسلم عرب سے تعاون

اہل فارس کی جنگ میں، یا کسی دوسری جنگ میں، اگر کوئی عرب اپنے

---

(۱) فتوح البلدان ص۲۲۶

دین پر قائم رہتے ہوئے مسلمانوں کی مدد کرنا چاہتا تھا، تو مسلمان اس امداد کی پوری پوری قدر کرتے تھے۔" ــــــ

جب لڑائی طول پکڑ گئی اور بہت سخت ہو گئی تو مثنیٰ نے انس بن ہلال کے پاس جا کر کہا کہ اے انس اگرچہ تم ہمارے دین پر نہیں ہو مگر بہادر عرب ہو، جب تم مجھ کو مہران پر حملہ کرتے ہوئے دیکھو تو تم بھی میرے ساتھ حملہ کرنا، اور یہی بات مثنیٰ نے ابن مردی الفہر سے کہی ان دونوں نے اس بات کو منظور کیا، مثنیٰ نے مہران پر حملہ کر کے اس کو سامنے سے ہٹا دیا اور اس کے میمنے میں گھس گئے اور اُن کے ساتھی مشرکین کو لپٹ پڑے اور دونوں طرف کی قلب کی فوجیں ایک جگہ جمع ہو گئیں۔ آسمان پر غبار کا بادل چھا گیا بازوؤں کی فوجیں خونریزی میں مصروف تھیں نہ مشرکین اپنے امیر کی مدد کے لیے جا سکتے تھے نہ مسلمان اُس روز مسعود اور مسلمانوں کے دوسرے کئی قائد شہید ہو گئے مسعود نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ اگر تم ہم کو شہید ہوتے ہوتے دیکھو تو تم اپنے کام سے دست کش نہ ہونا کیونکہ لشکر ہٹتا ہے اور پھر واپس ہوتا ہے، اپنی صفوں میں ثابت قدم رہنا اور اپنے قریب والوں کے کام آتے رہنا، مسلمانوں کے قلب نے مشرکین کے قلب کے چھکے چھڑا دیئے ایک تغلبی نصرانی لڑکے نے مہران کو قتل کر دیا اور اس کے گھوڑے پر چڑھ بیٹھا، مثنیٰ نے مہران کے اسلحہ اس لڑکے کے رسالے کے افسر کو دے دیئے، اس وقت یہی طریقہ تھا کہ جب کوئی

مشرک اسلامی فوج میں شریک ہو کر کسی کو قتل کرتا تو اس کے
مقتول کے اسلحہ قاتل کے حصے کے علاوہ دے دیتے جاتے
تھے۔ اور لڑائی کے دو قائد تھے ایک جریر دوسرے ابن الہوبر
چنانچہ مہران کے اسلحہ ان دونوں نے تقسیم کر لیے۔
محفز بن ثعلبہ کا بیان ہے کہ بنی تغلب کے چند نوجوان گھوڑوں
پر سوار ہو کر آتے اور جب مسلمانوں اور ایرانیوں میں جنگ شروع
ہوئی تو انہوں نے کہا کہ ہم عربوں کے ساتھ ہو کر عجمیوں سے لڑیں
گے ان میں سے ایک نوجوان نے مہران کو قتل کر دیا، مہران اس
وقت ایک کمیت گھوڑے پر سوار تھا جس کے جسم پر زرہ نما جھول
پڑی ہوئی تھی اور اس کی پیشانی اور دم پر پیتل کے زرد چاند
لگے ہوئے تھے وہ نوجوان اس گھوڑے پر سوار ہو گیا اور ان
الفاظ میں اپنے نسبی فخر کا اظہار کرنے لگا انا الغلام التغلبی
انا قتلت المرزبان ترجمہ:۔ میں تغلبی جوان ہوں میں نے ایرانی رئیس
کو قتل کیا ہے، اس کے بعد جریر اور ابن الہوبر اپنی قوم کے لوگوں کو
لیکر آتے اور بطور تعظیم اس نوجوان کا پاؤں پکڑا اور اس کو گھوڑے
سے اتارا۔ (۱)

(۱۴)

عمال کی تادیب

حضرت عمرؓ اس بات کا سختی سے احتساب کرتے تھے کہ وہ رعیت پر
— مسلم و ذمی — زیادتی نہ کرنے پائیں، یہ واقعہ ملاحظہ ہو:۔

---

(۱) طبری ج ا ح ۴ ص ۲۱۸۷

حضرت عمرؓ بن الخطاب اپنے عمال کے اموال (کی مقدار و
مالیت) لکھ لیتے تھے، اور پھر اس میں جو اضافہ ہوتا، اس کا ایک
حصہ، اور کبھی کل کا کل ضبط کر لیتے تھے۔ ایک دفعہ انہوں نے عمرو
بن العاص کو لکھا: "مجھے معلوم ہوا ہے کہ تمہارے پاس اب ایسے
سامان، غلام، ظروف اور جانور ہیں جو اُس وقت نہیں تھے،
جب میں نے تمہیں مصر کا والی کیا تھا۔" عمرو نے اس کا یہ جواب دیا
کہ "ہماری زمین زراعت اور تجارت کی زمین ہے اور اس سے
ہمیں اتنی آمدنی ہوتی ہے جو ہمارے مصارف سے زائد ہوتی
ہے۔" حضرت عمرؓ اس کے جواب میں انہیں لکھا کہ "مجھے عمال
السوء کا کافی تجربہ ہو چکا ہے، اور تمہارا جو خط آیا ہے وہ ایسے
شخص کا خط معلوم ہوتا ہے جسے حق کی گرفت نے بے چین کر دیا ہو
میں تم سے بدگمان ہو گیا ہوں اور محمد بن مسلمہ کو مال تقسیم کرنے تمہارے
پاس بھیجتا ہوں، تم اس سے اپنا راز کہہ دو، جو کچھ وہ مانگے اسے
دے دو اور اس کو اپنے اوپر سختی کرنے سے معاف رکھو، کیونکہ
بات کھل چکی ہے۔" چنانچہ اس نے (عمرو کے) اموال تقسیم کی،
المدائنی، عیسیٰ بن یزید کے حوالہ سے کہتا ہے: "جب محمدؐ
بن مسلمہ نے عمرو بن العاص کا مال تقسیم کیا تو عمرو نے کہا: "ابن حنتمہ[1]
نے ہمارے ساتھ جس زمانے میں یہ برتاؤ کیا ہے وہ یقیناً برا
زمانہ ہے۔ (العاص ریشم پہنتے تھے جس کے حاشیہ دیباج[2] کے ہوتے

---

[1] یعنی حضرت عمرؓ۔ حنتمہ انکی والدہ کا نام تھا، وہ ہشام بن المغیرہ بن عبداللہ بن عمر بن مخزوم کی بیٹی تھیں۔ نووی، ص ۳۴۳)

[2] دیبا کا معرب ہے اعلیٰ قسم کے کپڑے کو دیباج کہتے ہیں۔ یہ بادشاہوں اور امیروں کے پہننے کا کپڑا تھا۔

تھے، محمدؓ نے کہا: خاموش - اگر یہ ابن حنتمہ کا زمانہ نہ ہوتا، جس سے تم کراہت کرتے ہو تو تم اپنے گھر کی انگنائی میں اس حال میں پاتے جاتے کہ بکری کی ٹانگیں تمہاری ٹانگوں میں ہوتیں، اس کے دودھ کی زیادتی تمہیں خوش کرتی اور اس کی قلت تمہیں ناخوش کرتی۔ عمرو نے کہا: خدا کے لیے یہ بات عمرؓ سے نہ کہنا - مجالس کی گفتگو کے لیے امانت ضروری ہے۔ محمدؓ نے کہا: وہ جو باتیں مجھ میں اور تم میں ہوتی ہیں وہ عمرؓ کے جیتے جی نہیں کہوں گا۔ (۱)

اس واقعہ سے معلوم ہوگا کہ کتنے جزئی واقعات پر حضرت عمرؓ نگاہ رکھتے تھے، اور اعمال کے احتساب میں خواہ ان کی شخصیت کیسی ہی کیوں نہ ہو کسی طرح کی رو رعایت سے کام نہیں لیتے تھے۔

(۱۵)

ارضِ سواد کا فیصلہ

سواد کا علاقہ جب فتح ہوا، تو حضرت عمرؓ نے، اسے، عام مسلمانوں میں تقسیم نہیں کیا، وہاں کے لوگوں کو ذمی بنا لیا، اور ملکیت قوم کی قرار دیا، تاکہ، اس سے مسلمان اپنی حکومت میں برابر منتفع ہوتے رہیں، اس کا فائدہ یہ ہوا کہ یہ ذمی، افراد و اشخاص کے بجائے، حکومت کی رعایا بن گئے اور جزیہ ادا کرکے انھوں نے وہ تمام حقوق اور مراعات حاصل کر لیے، جو مسلمانوں کو حاصل تھے۔

(حضرت عمرؓ نے السواد کا علاقہ ان لوگوں کے لیے محفوظ رکھا

---

(۱) فتوح البلدان، مصر، صفحہ ۲۶۱

جو مردوں کی صلب اور عورتوں کے رحم میں ہیں اور اہل السواد کو ذمی قرار دیا، ان سے جزیہ لیا جاتا ہے، اور ان کی زمینوں پر خراج ہے۔ وہ ذمی ہیں، ان کے لیے بند غلامی نہیں ہے۔ سلیمان نے کہا:۔ ولید بن عبدالملک نے اہل السواد کو فئے قرار دینا چاہا تھا، لیکن میں نے اس کو حضرت عمرؓ کے طرز عمل کی خبر دی جو انہوں نے اس بات میں اختیار کیا تھا اور اللہ نے اس کو ان کے ساتھ ایسا کرنے سے باز رکھا۔ (۱)

ایسی ہی شاندار مثالوں کا نتیجہ تھا کہ، بعد کے آنے والے ملوک و سلاطین نے بھی اگر اس جادہ سے ہٹنے کی کوشش کی، تو انہیں فوراً ٹوک دیا گیا، اور وہ ایسا نہ کر سکے،

(۱۶)

ذمی کی رعایت خاص

انہی رعایتوں کا یہ نتیجہ تھا کہ، غیر مسلموں کو، مسلمانوں کے حقوق میں برابر کا شریک کر لیا گیا، چنانچہ شرع اسلام کی رو سے، اگر کوئی مسلمان کسی مسلمان کو غلطی سے ہلاک کر دے، تو اسے کفارہ دینا پڑے گا، لیکن بالکل یہی صورت ان غیر مسلموں کے لیے بھی، جو مسلمانوں کے ذمہ میں آ چکے ہیں، یعنی کسی ذمی کو اگر کوئی مسلمان غلطی سے قتل کر دے، تو اس کا کفارہ بھی ویسا ہے، جو مسلمان کا:۔

ومن قتل مؤمنا او ذميا بغير حق او شارك فيه او في اسقاط جنين فعليه كفارة وهي	جس شخص نے کسی مسلمان یا ذمی کو بغیر کسی دستور وجہ کے قتل کیا۔ یا قتل میں شرکت کی۔ یا اسقاط جنین کا موجب بنا، تو اس پر کفارہ واجب ہے کسی مسلمان

تحریر رقبۃ مؤمنۃ فمن — غلام کا آزاد کرنا، یا دو ماہ تک مسلسل

لم یجد فصیام شہرین — روزے رکھنا، (۱)

متتابعین (۱) (۱۴۱)

رہا کے عیسائیوں سے صلح

مسلمانوں اور عیسائیوں میں بار بار، لڑائیاں ہوئیں، اور خدا کے فضل سے مسلمان ہی غالب آئے، لیکن انہوں نے کبھی بھی نشۂ فتح سے سرشار ہو کر غیر مسلموں کے ساتھ سختی اور تشدّد کا مظاہرہ نہیں کیا:—

عیاض الرّہا آئے (شہر) یہاں کے باشندوں نے مسلمانوں پر گھنٹہ بھر تیر برسائے، پھر ان کے جنگ آزما میدان میں نکلے، مسلمانوں نے انہیں ہزیمت دی، حتیٰ کہ ان کو مدینہ (شہر) میں پناہ لینے پر مجبور کر دیا۔ لیکن تھوڑے ہی دن بعد وہ صلح و اماں کے طالب ہوئے، عیاض نے (ان کی درخواست) قبول کر لی اور انہیں ایک تحریر دی جو یہ ہے:—

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ یہ تحریر عیاض بن غنم کی طرف سے الرہا کے اسقف کے لیے ہے۔ اگر وہ میرے لیے اس شرط پر شہر کا دروازہ کھولے گا کہ ہر شخص کی طرف سے ایک دینار اور دو مُدی گیہوں دے گا تو اس کی جان اور اموال کے لیے، اور ان لوگوں کے لیے جو اس کے ساتھی اور پیرو ہوں، امان ہے، اس پر گم کردہ راہوں کی رہنمائی، پلوں اور سڑکوں کی درستی اور مسلمانوں کی خیر خواہی لازم ہے، اس پر خدا گواہ ہے اور اسی کی گواہی کافی ہے۔ (۲)

---

(۱) عمدۃ الفقہ، (ابن قدامہ) ص۱۴۱ مطبوعہ مصر، (۲) فتوح البلدان، مدوم ص۲۸۹

اس معاہدہ کی ایک ایک سطر سے اندازہ ہوتا ہے، کہ ان عیسائیوں کے جذبات اور احساسات کا کتنا زیادہ خیال رکھا گیا ہے، اور ان پر کوئی ایسی شرط نہیں عائد کی گئی، جو ان کے لیے تکلیف دہ یا ناقابل برداشت یا ذلت آمیز ہو،

(۱۷)

اسی طرح کا ایک اور واقعہ

ذیل میں جو واقعہ درج کیا جاتا ہے۔ وہ اپنی نوعیت میں اسی طرح کا ہے، اس سے یہی اندازہ ہوتا ہے کہ شرارت پسند دشمنوں سے بھی مسلمانوں کا سلوک، شریفانہ ہی رہا، :

عیاض کی طلیعہ[1] نے (سنہ ۱۸ھ) الرقہ پہنچ کر ایک آبگیر کی آبادی پر جو عربوں اور کسانوں کی ایک قوم پر مشتمل تھی، چھاپہ مارا اور اس میں بہت سی غنیمت اس کے ہاتھ میں آئی۔ آبگیر کے باشندوں میں سے جو بچ نکلے وہ بھاگ کر شہر میں چلے گئے عیاض آگے بڑھ کر باب الرقہ پر خیمہ زن ہوئے، یہ اس کے دروازوں میں سے ایک دروازہ تھا۔ اہل شہر نے مسلمانوں پر گھنٹہ بھر تیر باری کی جس سے بعض مسلمان زخمی ہوئے، عیاض پیچھے ہٹے کہ دشمن کے تیر اور پتھر ان تک نہ پہنچ سکیں، اور انہوں نے گھوڑے پر سوار ہو کر شہر کے گرد چکر لگایا اور اس کے دروازوں پر فوج کی ٹکڑیاں متعین کیں، پھر اپنے لشکر میں آئے اور شہر کے چاروں طرف سرایا پھیلا دیئے، جنہوں

---

[1] طلیعہ: تین چار آدمیوں کی ٹکڑی، جو بطور مقدمہ یا جاسوس کے ملک میں اطلاعات حاصل کرنے بھیجی جاتے۔

نے دیہات سے قیدی پکڑے اور کثیر سامان خوراک حاصل کیا۔
۔۔۔ یہ فصلوں کی کٹائی کا زمانہ تھا۔۔۔ جب اس حالت کو پانچ
چھ مہینے گذر گئے تو شہر کے قائد (بطریق) نے عیاض کے پاس
طلب امان کا پیغام بھیجا۔ عیاض نے اس کو امان دی اور
شہر کے تمام باشندوں کی جانوں اور ان کے مالوں اور ان کی
اولاد اور ان کے شہر کو امان دیکر اس سے صلح کرلی اور کہا
مگر زمین ہماری ہے، کیونکہ ہم نے اس کو مغلوب کیا ہے اور
اس کی حفاظت کی ہے ۔ پھر ساری زمین خراج انہی کے پاس
رہنے دی اور جن زمینوں کے لینے سے انہوں نے انکار
کیا وہ عشر پر مسلمانوں کو دے دیں۔ عیاض نے تمام اہل الرقہ
پر عورتوں اور بچوں کے سوا فی کس ایک ایک دینار سالانہ جزیہ
لگایا اور چند قفیز[1] گیہوں مقرر کیے۔ (۲)

(۱۸)

نقض عہد کسی طرح گوارا نہیں،

سرکاری پالیسی سے قطع نظر، ذاتی طور پر بھی، حضرت عمرؓ اس بات
کا بڑا لحاظ رکھتے تھے کہ، کوئی ایسا موقع نہ آنے پائے، جس سے ذمیوں کو
غلط فہمی پیدا ہو، اور وہ مسلمانوں کے ایفاء عہد سے متعلق بدگمان ہو
جائیں، اس سلسلہ میں، شام کا ایک واقعہ ذیل میں درج کیا جاتا ہے
جس سے حضرت عمرؓ کے جذبۂ پاس عہد کا اندازہ ہوگا:۔

---

[1] قفیز ایک پیمانہ ہے جس میں دس طل کی اناج سماتا ہے،

(۲) فتوح البلدان، دوم، ص ۲۸

مجھ سے ہشام بن عمار نے کہا، انہوں نے کہا ہم سے الولید بن مسلم نے کہا، ان سے تمیم بن عطیہ نے، اور ان سے عبداللہ بن قیس نے کہ: میں ان لوگوں میں سے تھا جو (حضرت) عمرؓ سے ابوعبیدہ کے ساتھ اس وقت ملے تھے جب وہ الشام سے آئے تھے (حضرت) عمرؓ گذر رہے تھے کہ اہل اذرعات میں سے مقلّین ہاتھوں میں تلواریں اور جھنڈی لیے ہوئے ملے۔ (حضرت) عمرؓ نے کہا انہیں (اس سے) روکو۔ ابوعبیدہ نے کہا: امیرالمومنین یہ ان کی سنت ہے (یا ایسا ہی کلمہ کہا) اگر آپ انہیں اس سے منع کریں گے تو وہ یہ سمجھیں گے کہ ان سے جو عہد کیا گیا ہے، آپ کے دل میں اس سے نقض کا ارادہ ہے: کہا: اچھا نہ روکو: وہ

حالانکہ ان عیسائیوں کو، اگر اس طرح آنے سے منع کیا جاتا، تو بظاہر یہ ایسی کوئی بات نہیں تھی، جس سے نقضِ عہد کا گمان کیا جاتا، لیکن محض تالیفِ قلب کے خیال سے حضرت عمرؓ نے ابوعبیدہؓ کی بات مان لی،

(۱۹)

عیاض اور ابوعبیدہؓ

غیر مسلموں سے جو شرائط صلح کے جاتے تھے، وہ حد درجہ نرم ہوتے تھے، اگر مسجد کی تعمیر مدنظر ہوتی تھی، تو، بھی، یہ کام جبر و جور سے نہیں کیا جاتا تھا، ان سے باقاعدہ اجازت لی جاتی تھی، اور اجازت حاصل کرنے کے بعد، مسجد کی بنا پڑتی تھی، تاریخ میں اس طرح بہت سے واقعات ملیں گے، نمونۃً ملاحظہ ہو:۔

---

(۱) فتوح البلدان، دوم، ص۲۲۵

ابو عبیدہ حلب کی طرف روانہ ہوتے، ان کے مقدمہ پر عیاض بن غنیم الفہری تھے۔ ان کے والد کا نام عبد غنم[1] تھا۔ جب یہ اسلام لائے تو انھوں نے پسند نہیں کیا کہ عبد غنم کہلائیں اور کہا۔ "میں عیاض بن غنم ہوں"۔ (جب وہ یہاں پہنچے تو) انھوں نے دیکھا کہ اہل شہر قلعہ بند ہیں، یہ خیمہ زن ہو ہوگئے، کچھ دن گذرنے پر اہل شہر نے اپنی جانوں کے لیے اور اپنے اموال کے لیے اور اپنی شہر پناہ کے لیے اور کنیسوں کے لیے اور اپنے قلعہ کے لیے امان و صلح کی درخواست کی، (عیاض نے) انہیں امان دے دی اور ان سے صلح کرلی اور مسجد کے لیے ان سے ایک جگہ مستثنے کرالی۔ ان امور پر ان سے صلح کرنے والے عیاض اور اس صلح کو نافذ کرنے والے ابو عبیدہؓ تھے۔ (۲)

(۲۰)

صلح بذریعہ نامۂ پیام

آج کل بھی یہ دستور ہے کہ جب کوئی ہار جاتا ہے تو وہ اپنے اعیان و اکابر حکومت کو بھیج کر صلح کرتے ہیں، اور وہ مجبوراً دستخط کر دیتے ہیں لیکن اسلام میں ——— ؟

اور بعض کا دعویٰ ہے کہ ابو عبیدہ نے حلب میں ایک متنفس بھی موجود نہیں پایا، اس لیے کہ وہ ان کے آنے کی خبر

---

[1] غنم جاہلیت کے بتوں میں سے ایک بت کا نام تھا۔

(۲) فتوح البلدان ص ۲۳۷

سنتے ہی انطاکیہ چلے گئے، انہوں نے یہیں بیٹھے بیٹھے اپنے
شہر کے لیے صلح کی درخواست کی اور نامہ و پیام کے ذریعہ تمام
معاملات طے کیے اور جب صلح کی تکمیل ہوگئی تو سلب کی
طرف واپس آگئے۔ (۱)

ایسا اس لیے ہوا کہ مقصد صلح کرنا تھا، غیر مسلموں کو زندہ
رہنے کا حق دینا تھا، اگر یہ مدِ نظر نہ ہوتا، تو وہی کچھ ہوتا جو آج
مہذب اور متمدن حکومتیں کر رہی ہیں۔

(۲۱)
جزیہ پر صلح

ایک اور واقعہ :—

• حاضر[۲] طے ایک قدیم جگہ ہے۔ یہ لوگ حرب فساد کے بعد جو
ان کے دو فرقوں کے درمیان ہوئی تھی یہاں آکر مقیم ہوتے
تھے، اس کے بعد ان میں سے کچھ دو پہاڑوں (اجا و سلمی) کے
درمیان ٹھہر گئے اور باقی مادہ مختلف شہروں میں پھیل گئے
جب ابو عبیدہ ان کے پاس آئے تو ان میں سے بعض اسلام
لائے اور بہتوں نے جزیہ پر صلح کر لی اور پھر آسانی سے اسلام
قبول کر لیا لیکن جو ان کی جماعت سے الگ ہو گئے تھے وہ الگ رہے
جو جماعت سے الگ ہو گئے، یعنی، جنہوں نے مسلمانوں سے صلح نہ چاہی
ان پر کوئی زیادتی نہ کی گئی، جنہوں نے ذمہ میں آنا پسند کیا، انہیں جزیہ کی

---

(۱) فتوح البلدان، دوم، ص ۲۳۵

[۲] جغرافی اصطلاح میں حاضر اس جگہ کو کہتے ہیں جہاں لوگ ایک مستقل ذریعہ حصول
آب پاکر سکونت پذیر ہو جائیں۔

شرط پر ذمی بنا لیا گیا،

(۲۲)

جزیہ کی نوعیت

اور یہ جزیہ، جس پر صلح کی جاتی ہے، یہ کوئی ظالمانہ ٹیکس نہ تھا، ایک معمولی سا محصول، اور وہ بھی انتہائی رعایتوں کے ساتھ، بہت سے مستثنیات کے ساتھ، اس کی مقدار اس محصول سے بہت کم تھی، جو مسلمانوں سے لیا جاتا تھا، جزیہ صرف اہل کتاب سے لیا جاتا ہے، لیکن مشرکوں کو بھی یہ رعایت دی جاتی تھی، اور ان کے حقوق تسلیم کر لیے جاتے تھے: —

ولا تؤخذ الجزیة	جزیہ صرف اہل کتاب سے لیا جائے
الا من اهل الكتاب	گا۔ اہل کتاب سے مراد۔ یہودی
وهم اليهود والنصارى	نصاریٰ ہیں اور مجوس بھی۔ بشرطیکہ
والمجوس، اذا التزموا اداء	ادائی جزیہ کا التزام کر لیں، اور
الجزية واحكام	مسلمانوں کے ریاستی احکام کو مانیں،
الملة متى طلبوا ذلك	ان شرائط پر اگر وہ ذمی بننا چاہیں،
لزم اجابتهم وحرم قتالهم	تو ان کی بات مان لی جائے گی، اور ان
.... ولا جزية	سے قتال حرام ہوگا۔
على صبى الا امرأة ولا شيخ	نیز لڑکے، عورت، شیخ فانی، کسی
فان. ولا زامن، ولا اعمى	مرض کا مریض، اندھا، غلام
ولا عبد ولا فقير عاجز	فقیر، عاجز، یہ سب جزیہ سے
عنها (۱)	مستثنیٰ ہیں۔ (۱)

---

(۱) عمدۃ الفقہ (ابن قدامہ) ص ۱۵۱ مطبوعہ مصر

(۲۳)

نقض عہد کے بعد صلح

ایک خاص واقعہ:—

ابوعبیدہ حلب سے انطاکیہ کی طرف روانہ ہوئے، یہاں جند قنسرین کے باشندوں میں سے ایک گروہ قلعہ بند تھا، مہردیہ پر جو انطاکیہ سے تقریباً دو[1] فرسخ پر ہے، دشمن کی ایک جماعت سے ان کی مٹھ بھیڑ ہوئی، انہوں نے اسے منتشر کر دیا، اس نے شہر میں پناہ لی، انہوں نے شہر کے تمام دروازوں سے اس کا محاصرہ کر لیا اور فوج کا ایک بھاری حصہ باب فارس اور اس دروازہ پر جس کو باب البحر کہتے ہیں متعین کر دیا۔ آخر انہوں نے جزیہ اور جلا وطنی پر صلح کر لی، ان میں سے بعض جلا وطن ہو گئے اور بعض مقیم رہے (جو مقیم رہے) ان کو امان دی گئی اور ان میں سے ہر بالغ پر ایک دینار اور ایک جریب مقرر کیا گیا، پھر انہوں نے نقض کیا، ابو عبیدہ نے ان کی جانب عیاض بن غنم اور حبیب بن مسلمہ کو بھیجا اور ان دونوں نے پہلی سی صلح پر اس کو فتح کر لیا۔ (۲)

نقض عہد کے بعد بھی، صلح کر لینا، قوت کے باوجود اس کا استیصال نہ کرنا، صرف مسلمانوں ہی کا شیوہ تھا، اور یہی وہ چیز تھی جس نے اسلام

---

[1] ایک فرسخ آج کل کے حساب سے تقریباً پونے چار میل کے برابر ہوتا ہے دیکھو تقویم البلدان تحقیق امر المساحۃ۔

(۲) فتوح البلدان مدم، ص ۲۳۸

کی سب سے زیادہ تبلیغ کی، اور اس کے پھیلانے میں مدد معاون ہوئی،

(۲۴)

جبلہ اور حضرت عمرؓ،

جبلہ غسانی کا واقعہ، مختلف صورتوں میں، اسلامی لٹریچر کا ایک جزو بن چکا ہے، لیکن اس واقعہ کی صحیح نوعیت ہم ذیل میں تاریخی طور پر درج کرتے ہیں، جس سے اندازہ ہوگا، کہ حضرت عمرؓ باہمہ سختی مزاج، اسلام کے معاملہ میں کتنے نرم تھے۔

جبلہ حضرت عمرؓ بن الخطاب کے پاس بحالت نصرانیت آیا تھا، حضرت عمرؓ نے اس کو اسلام اور ادائے صدقہ کی دعوت دی، اس نے انکار کیا اور کہا: میں اپنے دین پر قائم رہوں گا، اور صدقہ دوں گا۔ (حضرت) عمرؓ نے کہا۔ اگر تو اپنے دین پر قائم رہے تو جزیہ دے، اس پر اس نے ناک چڑھائی۔ (حضرت) عمرؓ نے کہا۔ ہمارے پاس تیرے لیے تین (باتوں) میں سے ایک کے سوا کچھ نہیں ہے۔ اسلام یا جزیہ اور یا یہ کہ جہاں تیرا جی چاہے تو چلا جائے: چنانچہ وہ تیس ۳۰ ہزار آدمیوں کے ساتھ بلاد الروم چلا گیا (حضرت) عمرؓ کو جب یہ خبر ہوئی تو نادم ہوئے، عبادہ بن الصامت نے انہیں ملامت کی اور کہا: اگر آپ اس سے صدقہ لینا قبول کر لیتے اور پھر اس کی تالیف قلب کرتے تو وہ ضرور مسلمان ہو جاتا۔

پھر جب ۲۱ھ میں (حضرت) عمرؓ نے عمیر بن سعد الانصاری کو بلاد الروم کی طرف جیش عظیم کے ساتھ بھیجا اور انہیں الصائفۃ

کا والی کیا اور یہ اولین الصائفۃ تھی تو انہیں حکم دیا کہ جبلہ بن الایہم سے بہ تلطف پیش آنا اور اسے باہمی قرابت کا پاس دلا کر بلادِ اسلام کی طرف آنے کی دعوت دینا اور کہنا کہ " جو صدقہ تم نے دینے کو کہا تھا وہی دو اور اپنے دین پر قائم رہو " عمیر روانہ ہو کر بلادِ روم میں داخل ہوئے اور (حضرت) عمر رض نے جبلہ سے جو کچھ کہنے کا حکم دیا تھا - اس سے کہا ، اس نے ان کی بات رد کر دی ، اور اسی پر قائم رہا کہ بلادِ الروم ہی میں رہے گا - (۱)

حضرت عمر رض کا یہ طرزِ عمل ، اس بات کا ثبوت ہے کہ لوگوں کو اسلام پر مائل کرنے کے لیے ، وہ زیادہ سے زیادہ رعائتیں اور سہولتیں دینے کو تیار ہو جاتے تھے ، یہ رعایت جو قبول کر لیتا تھا ، وہ اسلامی حلقہ کا ایک ممبر بن جاتا تھا ، اور جو نہیں شریک ہوتا تھا اس پر کسی طرح کی زیادتی نہیں کی جاتی تھی ،

(۲۵)

ایک اثر انگیز واقعہ

دُنیا میں اپنی نوعیت کا پہلا اور آخری واقعہ : ـــــ

مجھ سے ابوحفص الدمشقی نے کہا ، اور انہوں نے کہا ہم سے سعید بن عبدالعزیز نے کہا کہ جب مسلمانوں کو یہ خبر ملی کہ ہرقل نے ، فوجیں جمع کی ہیں جو الیرموک کی جنگ کے لیے ان کی طرف بڑھ رہی ہیں تو انہوں نے اہلِ حمص کو وہ سارا خراج واپس کر دیا جو

---

(۱) فتوح البلدان ص۱۸۷۲، صنـ۲۲

ان سے لیا تھا اور کہا: ہم دوسرے مشاغل کے باعث تمہاری
نصرت وحفاظت سے معذور ہو گئے ہیں، اب تم جانو اور
تمہارا کام ۔ اس پر اہل حمص نے کہا: ہمیں تمہاری حکومت اور
تمہارا عدل اس ظلم و جور سے بہت زیادہ محبوب ہے جس میں
ہم تمہارے آنے سے قبل مبتلا تھے۔ ہم ہرقل کی فوج کی مدافعت
کریں گے اور تمہارے عامل کے ساتھ مل کر شہر کی حفاظت کریں
گے ۔ اور یہود نے کہا: تورات کی قسم، ہرقل کا عامل حمص
میں اس وقت تک داخل نہیں ہو سکتا جب تک وہ ہمیں مغلوب
نہ کر لے اور ہماری تمام کوشش ضائع نہ ہو جائیں۔ پھر انہوں
نے شہر کے دروازے بند کر لیے اور ان کی حفاظت کرنے لگے
اور یہی ان شہروں کے یہود و نصاریٰ نے بھی کیا جن سے
صلح ہو چکی تھی، انہوں نے کہا: اگر رومی اور ان کے ساتھی مسلمانوں
پر غالب ہو گئے تو ہماری جو حالت تھی وہی پھر ہو جائے گی،
اور اگر ایسا نہ ہوا تو جب تک ایک مسلمان بھی زندہ ہے ہم
اسی حالت پر رہیں گے ۔ پھر جب اللہ نے کافروں کو ہزیمت
دی اور مسلمانوں کو غالب کیا تو انہوں نے اپنے شہروں کے
دروازے کھول دیئے اور مقلّسین (گانے بجانے والوں) کو ساتھ
لے کے نکلے، جشن منایا، اور خراج ادا کیا - (۱)

جس تہذیب میں، جنگ کے وقت محکوموں سے سب کچھ چھین لینا،
جائز ثواب ہو، وہ اس واقعہ کا بڑی مشکل سے یقین کرے گی، اس کی سمجھ ہی

(۱) فتوح البلدان دوم، صفحہ ۳۲۲

میں نہیں آسکتا کہ دُنیا میں ایسا بھی ہو سکتا ہے، لیکن ایسے ناممکنات اسلام ہی کے لیے خاص ہیں،

(۲۶)

سابق مرتدین سے حسنِ سلوک

اہلِ اقدہ کے ساتھ، حضرت ابو بکرؓ نے جو سلوک کیا تھا، اور اس واقعہ ارتداد نے جو خطرناک اور نازک صورت اختیار کرلی تھی، اس پر ہم گفتگو کر چکے ہیں، لیکن اس کے باوجود:—

تمام راویوں کا اس پر اتفاق ہے کہ ابو بکرؓ مرتدین اور عجمیوں کی جنگ میں فتنۂ ارتداد کے کسی شخص سے مدد نہیں لیتے تھے مگر عمرؓ اُن کو فوج میں بھرتی کیا اور جنہوں نے اپنی خدمات پیش کیں اُن کو قبول کر لیا (۱)

(۲۷)

حضرت عمرؓ کا ایک خط

حضرت عمرؓ نے اپنے مامور عساکر سعد کو ایک خط لکھا، اس خط میں، اُنہوں نے عجمیوں کے بارے میں فرمایا:

اگر تم میں سے کوئی شخص بطور کھیل کے بھی کسی عجمی کو امان دے یا ایسا اشارہ کرے یا ایسے الفاظ کہے جن کو عجمی سمجھتے نہ ہوں مگر وہ اس کو امان جانیں تو تم اس امان کو برقرار رکھو، (۲)

---

(۱) طبری، ج ۱ ج ۴ صـ ۳۰۰

(۲) طبری، ج ۱ ج ۴ صـ ۲۴۲

(۲۸)

اہل بعلبک سے عہد نامہ

حضرت عمرؓ کے عہد گرامی میں فتوحات کا ایک نہ ختم ہونے والا سلسلہ شروع ہو چکا تھا، ان مفتوحین میں ہر طرح کے لوگ تھے۔ رومی بھی فارسی بھی، اور عرب بھی، ان میں اہل کتاب بھی تھے، مشرک بھی، اور ملحد و دہریے بھی، نیز اسلام کے بد ترین مخالف، اور اعدء عدو بھی، ان کی گردنیں ہمیشہ اکڑی رہتی تھیں، لیکن مغلوب و مفتوح ہونے کے بعد یہ اکڑی ہوئی گردن جب خم کھاتی، اور جھکتی تھی، تو اسلامی حکومت کے ارباب کار نہ ان کا استہزا کرتے تھے۔ نہ انہیں اہانت آمیز شرائط قبول کرنے پر مجبور کرتے تھے۔ بعلبک جب فتح ہوا، تو رومیوں، فارسیوں اور عجمیوں سے یہ معاہدہ عمل میں آیا: —

جب ابو عبیدہ مدینہ دمشق کے معاملہ سے فارغ ہو کر حمص کی طرف جاتے ہوئے بعلبک پر سے گذرے تو یہاں کے باشندوں نے ان سے صلح و امان کی درخواست کی اور انہوں نے ان سے ان کی جان اور ان کے اموال اور ان کے کھیتوں کو امان دے کر صلح کر لی اور ان کے لیے یہ لکھا:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم — یہ امان نامہ فلاں بن فلاں کے لیے اور اہل بعلبک — اس کے رومیوں اور اس کے فارسیوں اور اس کے عربوں — کے لیے ہے۔ ان کے نفوس۔ ان کے اموال۔ ان کے کنیسہ اور ان کی محلسرائیں — خواہ وہ داخل مدینہ میں ہوں یا اس کے باہر — اور ان کی چکیاں امان میں ہیں۔ رومیوں کو اجازت ہے کہ وہ پندرہ میل کے اندر اپنے مویشی

چھائیں اور کسی قریۂ عامرہ (آباد گاؤں) میں ماہ ربیع الاول وجمادی الاول گذرنے تک نہ اتریں۔ اس کے بعد جہاں چاہیں اتر سکتے ہیں ان میں سے جو اسلام لائے گا اس کے وہی حقوق ہوں گے جو ہمارے ہیں اور اس پر وہی فرائض ہوں گے جو ہم پر ہیں ان کے تاجروں کو ان کے شہروں میں سفر کرنے کی اجازت ہے جن سے ہماری صلح ہو چکی ہے۔ ان میں سے جو اپنے مذہب پر قائم رہے گا اس پر جزیہ وخراج ہے۔ اس پر اللہ شاہد ہے اور اس کی شہادت کفایت کرتی ہے"[1]

(۲۹)

ذمیوں کے ساتھ رعایت

اور جزیہ قبول کرنے کے بعد، ان ذمیوں کے مراعات وحقوق کی کیا کیفیت ہوتی تھی؟ کاغذ پر ان کے جو حقوق ہوتے تھے، عمل میں آکر وہ اور زیادہ بڑھ جاتے تھے، حد یہ ہے کہ ان کی بدعہدی اور نقضِ عہد تک پھر ان کے ساتھ رعایتیں کی جاتی تھیں:۔

ومن نقض العهد بامتناعه من التزام الجزية والاحكام الملة او قتال ربقتال المسلمين، ونحوه اوالهرب الى دار الحرب حل دمه وماله ولا ينتقض عهد	اگر کوئی ذمی، یا معاہد، التزام، جزیہ کے اتضاع کا مرتکب ہو، مسلمانوں سے مقاتلہ کرتا ہو، یا حکومت کے قوانین نہ مانتا ہو، یا دارالحرب کی طرف بھاگ جائے، تو اس کا خون اور مال حلال ہے لیکن اس کی عورتوں

---

[1] فتوح البلدان ص۲۰۸

نسائه واولاده	اور اولاد کے ساتھ اس وقت
بنقضه الاان یذهب	تک مسلمان نقضِ عہد نہیں کریں گے،
بهم الی دار الحرب	جب تک وہ بھی اس کے ساتھ
	دارالحرب نہ بھاگ گئے ہوں"! (۱)

(۳۰)

افراد پر جزیہ، زمین پر خراج

ہرقل نے مسلمانوں سے شکست کھائی، لیکن شکست تسلیم نہیں کی، وہ ہارنے کے بعد، تازہ دم ہوکر پھر، جنگ و پیکار کی تیاریوں میں مصروف ومنہمک ہوجایا کرتا تھا، ایسا بھی ہوتا تھا کہ وہ خود میدانِ جنگ میں نہ آتا مگر، دوسروں کو بھڑکا کر، میدان جنگ میں بھیج دیتا، اس کی قوت زبردست تھی، وسائل بے پناہ تھے، مال وزر کی کمی نہ تھی، سازو سامان جنگ کی افراوانی تھی، باایں ہمہ وہ مسلمانوں کے سامنے ٹھہر نہ سکا، کبھی بھی اس کی یہ تمنّا بھر نہ آئی کہ، وہ مسلمانوں کو شکست دے کر اپنے دل کے حوصلے پورے کرتا، اسی طرح کا ایک واقعہ :۔

ہرقل نے انطاکیہ پہنچ کر روم وا ہل الجزیرہ کو نفیر دی اور ان کی کمان پر خاص اور معتمد لوگوں میں سے ایک کو بھیجا الارق ہمّ مجل پر مسلمانوں کی ان سے مڈ بھیڑ ہوئی وہ بڑی بے جگری سے لڑے، مگر اللہ نے مسلمانوں کو ان پر غالب کیا - ان کا بطریق دس ہزار آدمیوں کے ساتھ مارا گیا۔ بقیۃ السیف مدن الشام میں منتشر ہوگئے اور بعض ہرقل کے پاس چلے گئے

---

(۱) عمدۃ الفقہ (ابن قدامہ) صفحہ ۱۵۴ مطبوعہ مصر

اہل فحل قلعہ گیر ہو گئے۔ مسلمانوں نے ان کا محاصرہ کر لیا۔
حتیٰ کہ وہ اس پر امان خواہ ہوئے کہ اپنے افراد پر جزیہ اور
اپنی زمین پر خراج دیں گے، مسلمانوں نے انہیں ان کی جان اور
ان کے اموال پر امان دی، اور یہ وعدہ کیا کہ ان کی دیواریں مسمار
نہیں کی جائیں گی۔ اس معاہدہ کے ولی ابوعبیدہ بن الجراح تھے"[1]

(۳۱)

بیمار عیسائیوں کی مالی امداد

اوپر جو واقعات درج کئے گئے ہیں، وہ حضرت عمرؓ کے دور سے تعلق رکھتے ہیں، خود حضرت عمرؓ کا ذاتی طور پر یہ عالم تھا کہ وہ اگر غیر مسلموں کے کسی گروہ یا جماعت کو مبتلائے مصیبت دیکھتے تھے تو ان کی ساری خطا کاریاں اور شرارتیں بھول کر امداد و اعانت پر کمر بستہ ہوجایا کرتے تھے، اور یہ امداد بغیر کسی شرط کے ہوتی تھی، حقیقت یہ ہے کہ اس طرزِ عمل نے، غیر مسلموں کے دلوں میں اسلام کی عظمت پیدا کی اور وہ یہ غور کرنے پر مجبور ہوئے کہ یہ بے لاگ طرزِ عمل صرف اس دین کے پیروؤں کا ہو سکتا ہے، جو واقعی آسمانی ہو، چنانچہ ذیل کا واقعہ اس حقیقت کی طرف اشارہ کرتا ہے: ــــ

حضرت عمرؓ بن الخطاب ارضِ دمشق میں الجابیہ جاتے
وقت نصاریٰ کی ایک جماعت پر سے گذرے جو جذام میں
مبتلا تھی اور اس کو دیکھ کر یہ حکم دیا کہ: "ان لوگوں کو صدقات
میں سے کچھ دیا جائے اور ان کے لیے مدد معاش جاری کی جائے"[2]

---

(۱) فتوح البلدان، صفحہ ۱۸
(۲) فتوح البلدان، صفحہ ۱۴۴

(۳۲)

ذمّی کے احسان کا بدلہ

کسی ذمّی کی طرف سے، اگر ذرا بھی معقولیت، اور انسانیت اور شرافت اور دوستی کا مظاہرہ ہوتا تھا، تو وہ یاد رکھا جاتا تھا، اور موقع ملتے ہی اس کا بدلہ دیا جاتا تھا، اور عملی طور پر اس کی امداد و اعانت کا خواہ کتنی ہی قلیل، اور ناقابلِ التفات کیوں نہ ہو، شکر و سپاس کے ساتھ اعتراف کیا جاتا تھا،

اس سلسلہ میں، ہم، دیر خالد کا ایک واقعہ پیش کرتے ہیں، جو اپنی نوعیت کے لحاظ سے دلچسپ بھی ہے اور سبق آموز بھی، اور شاید عہدِ جدید کے اربابِ سیاست کے لیے، ——— عام اس سے کہ وہ مشرق سے تعلق رکھتے ہوں، یا مغرب کے باشندے ہوں ——— حیرت انگیز اور ناقابلِ یقین بھی، کیونکہ اس طرح کی باتوں پر نہ وہ عمل کرنے کے عادی ہیں، نہ غور کرنے کے: ———

> ہشام کہتا ہے میں نے الولید بن مسلم کو یہ کہتے سُنا ہے کہ:-
> خالد بن الولید نے اس قبر کے ساکنوں سے، جو دیر خالد کے نام سے مشہور ہے، یہ شرط کی تھی کہ ان کے خراج میں تخفیف کر دی جائے گی، کیونکہ اُنھوں نے ان کو وہ سیڑھی لا کر دی تھی جس پر وہ چڑھے تھے، اور ابو عبیدہ نے یہ شرط ان کے لیے نافذ کر دی - (۱)

اس موقعہ پر یہ بات بھی یاد رکھنے کی ہے کہ شرط کے نفاذ کا موقعہ حضرت

---

(۱) فتوح البلدان، صـ ۲۸۲

خالد کو نہیں ملا، بلکہ اس کا نفاذ اُن کے جانشین حضرت ابو عبیدہ نے کیا،

(۴۳)
عیسائی عالم کی قدر و منزلت

یہ واقعہ ہے کہ جب حضرت عمرو ابن العاص نے (عہد فاروقی میں) مصر فتح کیا تو مشہور عیسائی فلسفی جان (JOHN عربوں کا یحیٰی نوی) دربار میں حاضر ہوا۔ عیسائی مؤرخ ابن العبری لکھتا ہے :-

ودخل علی عمرو وقد	اور جان۔ عمرو بن العاص کی خدمت میں
عرف موضعه من العلوم	حاضر ہوا، عمرو نے اس کی علمی فضیلت
فاکرمه عمرو وسمع	سے واقف ہو کر عزت افزائی کی (ندیموں
من الفاظ الفلسفة التی لم	میں داخل کر لیا) اور عمرو نے اس کی زبان
تکن للعرب بها انسة	سے وہ فلسفیانہ الفاظ سنے جس سے
ما هاله	عرب کبھی مانوس نہ تھے ۔[2]

ابن ندیم بھی اس روایت کی تائید کرتا ہے - اس مؤرخ کے یہ الفاظ ہیں :-

فلما فتحت مصر علی ید عمرو بن العاص دخل الیه واکرمه ورای له موضعا

اس کے بعد دوسرے اُمرائے عرب نے بھی فلسفہ کی قدر دانی کی اور ترجمہ علوم یونانی پر کثیر دولت صرف کر دی، اور بقول صاعد اندلسی یہ بھی قابل تسلیم ہے کہ صدر اسلام میں عربوں نے ممالک غیر کے علوم و فنون پر توجہ نہیں کی

---

[1] جان کو علاوہ فلسفہ کے علم النحو میں بھی کمال حاصل تھا اس لیے وہ غرماتی قوس (نحوی) مشہور تھا۔ لہٰذا عربوں نے بھی اسی خطاب سے یاد کیا -

[2] مختصر الدول ابو الفرج ملطی المعروف بہ ابن العبری صفحہ ۱۸۰ مطبوعہ بیروت ۱۸۹۰ء

وہ صرف اپنی زبان اور قرآن کے فدائی تھے۔ البتہ طب اس سے مستثنیٰ ہے کیونکہ وہ قدیم شعروں میں موجود تھی لیکن ہنوز ابتدائی حالت میں تھی۔

(۳۴)

رعایت ہی رعایت

یہ امر واقعہ ہے کہ اسلام کے حکومت و فرماں روائی میں، جو آسائشیں اور فراغتیں غیر مسلموں کو حاصل تھیں، وہ خود اپنی قومی حکومت کے زمانہ میں بھی انہیں حاصل نہیں تھیں، یہی وجہ ہے کہ وہ گو عقائد کے لحاظ سے، اسلام سے کوئی سروکار نہیں رکھتے تھے، لیکن دل سے دعا مانگا کرتے تھے کہ مسلمان کامیاب ہوں، اور وہ ان کے زیر سایہ امن و راحت کی زندگی بسر کریں،

حضرت خالد بن ولید نے، حیرہ کے باشندوں کو، جو امان نامہ عطا فرمایا تھا، اس کی عبارت کا ایک حصہ یہ بھی تھا:۔

وجعلت لهم ايما شيخ	میں نے ان ذمیوں کے لیے، یہ فیصلہ
ضعف عن العمل او	کر دیا ہے کہ ان میں سے اگر کوئی شخص
اصابته آفة من الافات	بڑھاپے کی وجہ سے مجبور ہو جاتے، یا
طرحت جزيته وعيل	کسی آفت کا شکار ہو جائے تو اس کا
من بيت مال المسلمين هو و	جزیہ ساقط ہو جائے گا، اور اس کے
عياله	متعلقین مسلمانوں پر بیت المال کے عیال شمار ہونگے۔[۱]

---

[۱] قدیم اطبائے عرب میں لقمان بن عادیا اور ابن حزیم مشہور ہیں اور عہد رسالت کا طبیب حارث بن کلدہ ثقفی تھا، جس نے جندی سابور کی طبیہ یونیورسٹی میں تعلیم پائی تھی اور عہد امیر معاویہ میں فوت ہوا۔ از بلوغ الادب مطبوعہ بغداد۔

یعنی، ان کے نان نفقہ کا بندوبست سرکاری خزانہ سے کیا جائے گا،
آج کل کی حکومتیں تو اپنے ہم مذہب اور ہم قوم لوگوں کی بیکاری سے
تنگ ہیں، غیر مذہب، اور غیر قوم کے لوگوں کی نگہداشت اور امداد کیا کرے
گی، لیکن اسلام کے دور حکومت میں غیر قوم اور غیر مذہب کے لوگوں سے
معاہدہ کیا جاتا تھا کہ اگر تم ناکارہ ہو گئے، تو ہم تمہاری امداد کریں گے،

(۳۵)

غلام کی عطا کردہ امان

غلام کی حیثیت ہی کیا ہوتی ہے؟ وہ تو اپنے آقا کا تابع ہوتا ہے
نہ اپنا مالک، نہ اپنے مال کا مالک، نہ کسی ارادہ میں آزاد، نہ کسی عمل میں مختار
نہ کسی معاہدے کا سزاوار، لیکن اسلام کا سلوک اپنے غلاموں سے بالکل
مختلف تھا، اسلام میں غلام کا مقام وہی تھا، جو ایک مسلمان کا ہونا ہے
اور ہونا چاہئے، چنانچہ وہ سب کچھ کر سکتا تھا،

فارس کے علاقہ کے مسلمان ایک شہر کا محاصرہ کرتے ہیں، محصورین کی
مزاحمت اس حد تک کمزور ہو جاتی ہے کہ شہر کا فتح ہونا بالکل یقینی ہو
جاتا، عین اس حالت میں اسلامی فوج کا ایک غلام شہزادیوں کے نام امان
نامہ لکھتا ہے، اور اسے تیر باندھ کر شہر میں پھینک دیتا ہے، دوسرے دن جب
اسلامی فوج شہر پر حملہ کرتی ہے، تو اہل شہر دروازہ کھول کر باہر آجاتے ہیں
اور کہتے ہیں کہ ایک مسلمان ہم کو امان دے چکا ہے، اب تم کیوں برسرپیکار ہو؟
امان نامہ دیکھا جاتا ہے تو علم ہوتا ہے ایک غلام کی تحریر ہے، حضرت عمر
سے استصواب ہوتا ہے، جواب ملتا ہے، اور اس کے ذمہ کی وہی قیمت
ہے جو عام مسلمانوں کے ذمہ کی ہے، لہٰذا، اس کی دی ہوئی امان نافذ کی جائے،

مجھ سے عمرو الناقد نے کہا، اس سے مروان بن معاویہ الفزاری
نے اس سے عاصم الاحول نے اور اس سے فضیل بن زید الرقاشی
نے کہ ــــ ہم شہر باج کا بشارت مہینہ بھر محاصرہ کیے رہے
ہمارا خیال تھا کہ ہم اس کو ایک دن میں فتح کرلیں گے۔ ہم نے
ایک دن ان سے جنگ کی اور اپنے معسکر کی طرف آ گئے،
ایک غلام ہم سے بچھڑ کے پیچھے رہ گیا۔ وہ سمجھے بھگوڑا ہے
اس غلام نے ان کے لیے امان لکھی اور تیر میں باندھ کے ان کی
جانب پھینک دی دوسرے دن جب ہم جنگ کے لیے نکلے،
تو وہ اپنے قلعہ سے باہر آئے اور کہا ــــ لو یہ تمہاری امان
ہے ــــ ہم نے عمر رضؓ کو لکھا۔ جواب آیا۔ "مسلمانوں
میں سے ایک غلام کا ذمہ تمہارے ذمہ کی مثل ہے۔ اس
کی امان نافذ کرو ــــ ہم نے اس کی عطا کردہ امان نافذ کردی۔[1]

(۳۶)

غلام کے چند اور حقوق

اسلام نے چونکہ غلامی کو ختم کرنے کا فیصلہ کرلیا تھا، اس لیے غلاموں
کے حقوق زیادہ سے زیادہ ہیں اور آقاؤں کے کم سے کم، ایک طرف یہ تاکید
کی گئی ہے کہ انہیں وہی کھلاؤ جو کھاؤ، جو خود پہنو وہی پہناؤ۔ زیادہ محنت
نہ لو۔ اگر کوئی ایسا کام ہو جو زیادہ مشقت طلب ہو تو خود بھی ان کا ہاتھ بٹاؤ
اور ان کے ساتھ سخت کلامی سے نہ پیش آؤ، انہیں گالی نہ دو، ان کے ساتھ
ہل شکن برتاؤ نہ کرو، دوسری طرف انہیں تقریباً وہ تمام سہولتیں دی گئی ہیں؛

---

(۱) فتوح البلدان ص۳۱۰

جو ایک مسلمان کو مسلم مملکت کے شہری کی حیثیت سے حاصل ہیں، انہی احکام و ہدایات کے پیش نظر فقہا نے غلاموں کے جو حقوق متعین کئے ہیں، ان کا ایک نمونہ ——

ولا یجب الحد الا علی مکلف عالم بالتحریم ولا یقیمہ الا الامام او نائبہ الا السید فان لہ اقامتہ بالجلد خاصۃ علی رقیقہ القن لقول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا زنت امۃ احدکم فلیجلدھا ولیس لہ

ولا قتلہ فی الردۃ ولا جلد مکاتبہ ولا امتہ المزوجۃ وحد الرقیق فی الجلد نصف حد الحر ومن اقر بحد ثم رجع عنہ سقط

حد، (شرعی سزا) اس شخص پر واجب ہوتی ہے، جو مکلف ہو، (با ہوش اور بالغ ہو) کار جرم کی حرمت سے واقف ہو، یہ حد صرف امام یا اس کا نائب مقرر کر سکتا ہے۔ البتہ باندی یا غلام کا مالک، اپنے موروثی غلام کو زنا کاری کے جرم میں کوڑے لگا سکتا ہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے، اگر تمہاری کوئی باندی زنا کی مرتکب ہو، تو اس کے کوڑے لگاؤ لیکن غلام کا مالک چوری کے جرم میں ہاتھ نہیں قطع کر سکتا نہ ارتداد کے جرم میں ہلاک کر سکتا ہے، نہ غلام کو کوڑے لگا سکتا ہے، نہ شادی شدہ لونڈی کو سزائے تازیانہ دے سکتا ہے، اور غلام کی حد، آزاد کے مقابلہ میں نصف ہے، اور جو شخص کسی جرم کا ارتکاب کرے اور اس کا مقر بھی ہو، مگر گواہوں کے نہ

ہونے کی صورت میں پھر اپنے اقرار
جرم سے پھر جائے تو اس کی حد ساقط
ہو جائے گی، (۱)

یعنی اسے پھر سزا نہیں دی جائے گی،

(۳۷)

حریت انسانی کا احترام

اسلام نے، غلامی کو، ہرگز کوئی مستقل حیثیت نہیں دی، اس کے پیش نظر، یہ بات نہیں تھی کہ غلامی مستقل طور پر قائم رہے، اس نے غلامی کو کم کرتے کرتے ختم کر دینے کا اصول قائم کیا، اور اس سے بہتر کوئی صورت غلامی کو ختم کر دینے کی ہو بھی نہیں سکتی تھی، اوپر کی سطروں میں، فقہاء اسلامی کی کتابوں میں غلامی کی ایک قسم "مدبر" بھی آئی ہے ء۔

ء مدبر بننے کا مفہوم یہ تھا کہ آقا اپنے غلام کی آزادی کے لیے مرنے سے قبل وصیت کر دے۔ آقا کے مرنے کے بعد یہ غلام آزاد ہو جاتا تھا۔ آئمہ کا اجماع ہے اگر ایک شخص کے قبضہ میں عاقل بالغ غلام ہے اور وہ دعویٰ کرے کہ یہ میرا غلام ہے، اور غلام کو اس سے انکار ہو۔ ایسی حالت میں قسم کے بعد غلام کا قول معتبر ہوگا۔ اور اسے آزاد خیال کیا جائے گا۔ اس جگہ اسلام کے مشہور قانون "شہادت مدعی پر اور قسم مدعا علیہ پر ضروری ہے" کے مطابق یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ اسلامی زاویۂ نگاہ سے غلامی ایک عارضی چیز ہے اس لیے مدعی کو شہادت پیش کرنے کی تکلیف دی گئی اور مدعا علیہ کی قسم پر اکتفا کیا گیا۔

---

(۱) عمدۃ الفقہ (ابن قدامہ) ص۱۴۱ مطبوعہ مصر،

اسلام کا قانون ہے ایک پڑا ہوا بچہ اگر وہ دو شخصوں کے درمیان وجہ نزاع ہو، ایک شخص مسلمان ہو، دوسرا غیر مسلم۔ مسلمان کا دعویٰ ہو کہ یہ میرا غلام ہے اور کافر کہتا ہو یہ میرا بچہ ہے، اس وقت قاضی کافر کے حق میں فیصلہ کرے گا تاکہ اسے آزادی حاصل ہوسکے، اس سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ اسلام نے انسانی آزادی کا کتنا احترام کیا ہے ۔۔۔!"

(۳۸)

غلام نہ بنانے کا عہد

ایک خاص واقعہ :۔۔۔

ابوموسیٰ اور عثمان بن ابی العاص نے عمرؓ کی آخر خلافت میں ارّجان جزیہ و خراج پر صلحاً فتح کیا۔ پھر دونوں نے ناحیہ، اردشیر خرّہ میں شیلرز اس شرط پر فتح کیا کہ اس کے باشندے ذمی ہوں گے اور خراج دیں گے جو ان میں جلا وطن ہونا چاہے اسے رخصت ہوگی اور یہ کہ نہ انہیں قتل کیا جائے گا نہ لونڈی غلام بنایا جائے گا۔ پھر دونوں نے اسی ناحیہ میں سینیز فتح کیا اور اس کی زمین اس کے باشندوں کے ہاتھ میں رہنے دی کہ اس کو آباد کریں ۔ (۱)

(۳۹)

صلح بغیر جنگ کے

ایسا بھی ہوتا تھا، کسی مقام پر مسلمانوں نے لشکر کشی کی، وہاں کے لوگ، خوف زدہ ہوگئے، اور سرکشی چھوڑ کر صلح پر مائل ہوگئے۔ تو ان سے صلح کر

---

(۱) فتوح البلدان، ص ۱۰۳

لی جاتی تھی :—

ابو موسیٰ جند یسابور کی طرف گئے ، سابوری والے ان کی لشکر کشی سے سراسیمہ ہو گئے ، امان چاہی ، ابو موسیٰ نے ان کو امان دی اور اس پر صلح کر لی کہ نہ ان میں کسی کو قتل کیا جائے گا اور نہ لونڈی غلام بنایا جائے گا اور نہ ان کے اموال سے تعرض کیا جائے گا لیکن اسلحہ مسلمانوں کا حق ہیں۔[۱]

(۴۰)

نقضِ عہد کے بعد مقاتلہ ، پھر دور غلامی ، پھر رہائی !

ایک مقام ، صلح کے ماتحت ، مسلمانوں کا زیر نگیں بن جاتا ہے ، لیکن غیر مسلموں کی طرف سے نقضِ عہد ہوتا ہے ، مسلمان ، تلوار سنبھالتے ہیں ، اور ان نقضِ عہد کرنے والوں سے جنگ کرتے ہیں ، اور اسی جنگ کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ پیمان شکن شکست کھاتے ہیں اور مسلمان غالب آتے ہیں ، ان کی عہد شکنی پر ، مسلمان برہم ہیں ، اور اس کی سزا یہ دیتے ہیں کہ ، ان کے مردوں ، اور عورتوں ، اور لڑکوں کو ، لونڈی غلام بنا لیتے ہیں ،

یہ بات وقت کے عام قانونوں کے مطابق بالکل جائز اور مناسب تھی ، اس پر کسی طرح کا اعتراض نہیں کیا جا سکتا تھا ، جن لوگوں نے شرارت کا آغاز کیا تھا ، نقضِ عہد کر کے خود جنگ اور مقاتلہ کو دعوت دی تھی ، انہیں اپنی ان سرگرمیوں کے نتائج بھی بھگتنا چاہیئے تھے ۔ اور یہ بھی ہو سکتا تھا ۔ کہ انہیں غلام بنا لیا جائے ، تاکہ پھر وہ سر نہ اٹھا سکیں اب ان سے عہد ہی نہ کیا جائے کہ پھر انہیں عہد شکنی کا موقعہ ہی نہ دیا جائے کہ ، پھر کسی تلخ

---

[۱] فتوح البلدان ، ص۳۹۳

اور تکلیف دہ تجربہ کی نوبت آئے،

لیکن کیا فاتح مسلمانوں کے اس طرزِ عمل کو، مملکت کے سربراہِ اعلیٰ نے گوارا کر لیا؟ ——

مجھ سے اسحاق بن ابی اسرائیل نے کہا، اس سے ابن المبارک نے اس سے ابن جریج نے اور اس سے عطاء الخراسانی نے کہ تستر پہلے صلحاً فتح ہوا، پھر اہلِ تستر نے نقض کیا مہاجرین نے ان کے مقاتلین کو قتل کیا اور عورتوں اور بچوں کو لونڈی غلام بنایا۔ یہ لونڈی غلام اس وقت تک اپنے مالکوں کے پاس رہے کہ (حضرت) عمرؓ نے حکم دیا کہ جو لوگ تمہارے قبضے میں ہیں ۔ انہیں رہا کر دو۔ (۱)

(۱۴)
صحابہ کا قاتل اور مسلمانوں کا دشمن ایک غیر مسلم دربار خلافت سے پروانۂ رہائی حاصل کرتا ہے

میدانِ جنگ میں ایک دشمن گرفتار ہوتا ہے، یہ دشمن لڑائی کے دوران میں بہت سے مسلمانوں کو قتل کر چکا ہے، اس کے ہاتھ سے دو صحابیؓ رسول ۲ بھی جامِ شہادت نوش کرتے ہیں اب یہ بالکل بے بس ہے، اسے مدینہ منورہ دربارِ خلافت میں بھیجا جاتا ہے کہ یہ اپنے کیفرِ کردار کو پہنچے، حضرت عمرؓ خلافت پر تشریف فرما ہیں وہ اس شخص کی کارروائیوں سے خوب واقف ہیں اور ان کا قطعاً کوئی ارادہ نہیں ہے کہ اسے زندہ چھوڑیں، وہ اس سے گفتگو کا آغاز کرتے ہیں، وہ بات نہیں کرتا حضرت عمرؓ اس سے کہتے ہیں،

---

(۱) فتوح البلدان، صہ ۹۳

(ولایاس) مت ڈر، بات کر، یہ بات معانی سخن میں منہ سے نکل جاتی ہے، لیکن شرع اور فقہ کی اصطلاح میں یہ لفظ کلمۂ "امان" ہے، یعنی اگر کوئی مسلمان، کسی دشمن (غیر مسلم) اسے یہ کہہ دے۔ "مت ڈر" تو پھر اس کے معنی یہ لیے جاتے ہیں تو اسے امان دے دی گئی، اب اس کا خون حرام ہے، اسے قتل نہیں کیا جا سکتا ہے حضرت عمرؓ نے یہ بات اس ارادہ سے نہیں کہی تھی کہ اسے امان دی جاتی ہے، سلسلۂ گفتگو جاری کرنے کے لیے، آمد سخن میں ایک بات کہہ دی تھی، جب وہ سزا دینے پر تیار ہوتے تو یہ لفظ یاد دلایا گیا۔ اور وہ اسے رہا کر دینے پر مجبور ہو گئے :-

ہم سے ابو عبیدہ نے کہا، اس سے مروان بن معاویہ نے، اس سے حمید نے اور اس سے انس نے کہ :- ہم نے تستر کا محاصرہ کیا۔ ہرمزان نے ہتھیار ڈال دیئے۔ ابو موسیٰ نے ہرمزان کو میرے ساتھ (حضرت) عمرؓ کے پاس بھیجا میں اس کو لے کر مدینہ مبارک پہنچا (حضرت) عمرؓ نے اس سے کہا :- "کچھ بات کر" اس نے کہا :" زندہ رہنے والوں کی سی یا مرنے والوں کی سی؟" بولے :" بات کر ڈر نہیں" ہرمزان نے کہا۔ "ہم عجمی اس وقت تک تمہیں مارتے اور دباتے رہے جب تک اللہ نے ہمیں اور تمہیں نپٹ لینے کو آزاد چھوڑ دیا تھا۔ لیکن جب اللہ تمہارے ساتھ ہو گیا تو ہمارے ہاتھ تمہارے مقابلہ سے عاجز ہو گئے" (حضرت) عمرؓ نے کہا :" انس! کہو کیا کہتے ہو؟" میں نے کہا :" میں اپنے پیچھے ایک تیز کانٹا اور کتے کی طرح جھپٹنے والا دشمن چھوڑ آیا ہوں"

اگر امیرالمومنین اس کو قتل کر دیں گے تو اس کی قوم زندگی سے
مایوس ہو جائے گی اور جان توڑ کر لڑے گی اور اگر اس کو زندہ
رہنے دیا تو اسے زندگی کا لالچ دامن گیر ہو گا ۔ حضرت عمرؓ
نے کہا " اے انس! سبحان اللہ ، اس نے براء بن مالک اور
مجزاۃ بن ثور السدوسی کو قتل کیا ہے " میں نے کہا " امیرالمومنین
کے پاس اس کے قتل کی کوئی سبیل نہیں ہے " بولے " کیا
اس نے تجھے کچھ دے دیا ہے ؟ " میں نے کہا ۔ " نہیں ۔
لیکن امیرالمومنین ہی نے اس سے کہا تھا " لاباس " بولے ۔
" یہ میں نے کب کہا ؟ شاہد لاؤ ورنہ میں پہلے تمہیں کو سزا دوں گا
" انس کہتے ہیں میں اٹھا اور زبیر بن عوام کے پاس گیا ۔
وہ اس وقت مجلس میں موجود تھے اور انہیں وہ بات یاد تھی
جو مجھے یاد تھی ۔ وہ آئے اور انہوں نے شہادت دی ۔
حضرت عمرؓ نے ہرمزان کو رہا کر دیا وہ اسلام لایا اور اس
کے لیے وظیفہ مقرر کر دیا گیا ۔(۱)

ہرمزان اپنی چشم تماشا سے یہ حیرت انگیز منظر دیکھ کر ، عمرؓ اور
انس کا مباحثہ ۔۔۔ اپنی چشم تماشا سے دیکھ رہا تھا ، جب اس نے
دیکھا کہ ایک غیر ارادی لفظ کے باعث اسلام نے اسے رہائی کا مستحق اور
امان کا سزاوار قرار دے دیا ہے ، تو اس کا دل پگھلا ، اس دین کی
طرف وہ مائل ہوا ، پھر جب اس نے دیکھا کہ وہ شخص ، جس کی جبروت سے
منہدم لمنہ بر اندام ، اور جس کے جلال سے فارس لرزاں اور ترساں ہے ،

(۱) فتوح البلدان ، صـ ۹۲

جس کے منہ سے نکلا ہوا ایک حرف، کبھی ایک شخص کا نہیں ملکوں اور ملتوں کی قسمت کا فیصلہ کر دیتا ہے اور وہ حرف، حرفِ آخر کی حیثیت رکھتا ہے پھر اسے چیلنج نہیں کیا جا سکتا، اس کی خلاف ورزی نہیں کی جا سکتی۔ وہ صاحب ہیبت و جلال شخص، اپنے خدا اور رسولؐ کے قانون کے سامنے بے بس ہو کر اسے رہا کر دیتا ہے۔ تو اب وہ مسلمان نہ ہوتا تو کیا کرتا؟ اس کے لیے اس کے سوا اور چارہ کار بھی کیا تھا؟ ——— ہرمزان مسلمان ہو گیا،

مسلمان ہونے کے بعد، وہ مسلمانوں میں شامل کر لیا گیا۔ اس کا روزینہ بھی بیت المال سے، دوسرے مسلمانوں کی طرح مقرر کر دیا گیا۔

لوگوں کو یہ باتیں نہیں یاد رہتیں، صرف اسلام کی تلوار یاد رہتی ہے!

۴۲
اسیرانِ جنگ کی رہائی

ہمارا یہ دعویٰ کہ اسلام غلامی کو جائز نہیں رکھتا یہ ایسا دعویٰ ہے کہ قدم قدم پر جس کی تائید، سنتِ رسول کریمؐ، اور اسوۂ خلفائے راشدین سے ملتی ہے، اور یہ ایسی دلیل ہے، جسے ماننے اور تسلیم کرنے پر ہر مسلمان، خواہ وہ کسی ملک کا کیوں نہ ہو ——— مجبور ہے،

اپنے دعویٰ کے ثبوت میں مزید دلیل کے طور پر، ہم ذیل میں ایک اور واقعہ پیش کرتے ہیں:-

مجھ سے سعدیہ نے کہا، اس سے شریک نے، اس سے ابو اسحاق نے اور اس سے المہلب بن ابی صفرہ نے کہ ہم نے مناذر کا محاصرہ کیا بہت سے اسیرانِ جنگ ہمارے ہاتھ آئے (حضرت) عمرؓ نے لکھا:-

مناذر بھی السوس کی بستیوں کی مثل ایک بستی ہے جو لوگ تمہارے ہاتھ آتے ہیں انہیں رہا کر دو۔" (۱)

اور یہ رہائی از رہتے احسان تھی، نہ ان سے فدیہ لیا گیا، نہ جرمانہ،

(۴۳)

حضرت عمرؓ کی مداخلت

اب ایک اور واقعہ ملاحظہ فرمایئے، جو اپنے گوناگوں شیئوں کے لحاظ سے دلچسپ بھی ہے اور سبق آموز بھی :-

سیاہ الاسواری یزدجرد کے مقدمہ پر تھا۔ پھر اس نے سیاہ الاسواری کو الاہواز کی طرف بھیجا اور وہ الکلبانیہ پر اُترا۔ ابوموسیٰ الاشعری السوس کا محاصرہ کئے ہوتے تھے۔ سیاہ نے جب اسلام کا غلبہ اور مسلمانوں کی سربلندی دیکھی اور دیکھا کہ السوس فتح ہوگیا ہے اور ابوموسیٰ کے پاس پیہم کمک پہنچ رہی ہے تو اس نے ابوموسیٰ کے پاس پیغام بھیجا کہ ہم تمہارے ساتھ تمہارے دین میں اس شرط پر داخل ہونا چاہتے ہیں کہ ہم ان عجمیوں سے جو تمہارے دشمن ہوں تمہارے ساتھ مل کر قتال کریں گے۔ اگر تمہارے درمیان اختلاف ہو تو ہم کسی فریق سے جنگ نہیں کریں گے، اور اگر کبھی عربوں نے ہم سے جنگ کی تو ان کو ہم سے دفع کرنا تم پر لازم ہوگا اور ہمیں اختیار ہوگا کہ ہم جس شہر میں چاہیں رہیں اور تم میں سے جس کے ساتھ چاہیں اتریں، اور یہ کہ ہمیں عطاء شرف دے جائیں گے اس کے متعلق تمہارا وہ امیر ہم

---

(۱) فتوح البلدان صـ۳۹۳

سے معاہدہ کرے جس نے تمہیں بھیجا ہے ۔" ابو موسیٰ نے کہلا بھیجا
کہ تمہارے "وہی حقوق ہوں گے جو ہمارے ہیں اور تم پر وہی
فرائض ہوں گے جو ہم پر ہیں ۔" اُنھوں نے کہا "ہم اس پر
رضامند نہیں ۔" ابو موسیٰ نے عمرؓ کو یہ ماجرا لکھا۔ اُنھوں نے
جواب دیا کہ "جو کچھ وہ چاہتے ہیں اُنہیں عطا کردو ۔" ابو موسےٰ
نے امتثال کیا۔ وہ اپنے مقام سے نکل آئے اور مسلمانوں سے
مِلے اور ابو موسےٰ کے ساتھ تستر کے حصار میں شریک ہوئے
مگر جنگ میں حصہ نہیں لیا۔ ابو موسیٰ نے سیاہ سے کہا "اے دوست!
تم اور تمہارے ساتھی ویسے نہیں نکلے جیسا ہم نے گمان کیا تھا۔"
اس نے کہا "میں تمہیں بتاتا ہوں کہ ہمارا نقطۂ نظر وہ نہیں
ہے جو تمہارا ہے اور نہ تم میں ہماری حرمت ہے جس کا ہمیں
خوف ہو اور جس کی خاطر ہم (تمہارے ساتھ مل کر) جنگ کریں۔
ہم تمہارے دین میں ابتدا میں صرف بچاؤ کی غرض سے داخل
ہوتے تھے اور اس غرض سے کہ اللہ ہمیں اچھا اور بہت
رزق دے گا ۔" اس کے بعد ابو موسیٰ نے ان کے لیے عطار
شرف مقرر کیے ۔

یہ لوگ جب البصرہ پہنچے تو اُنھوں نے پوچھا کہ کون سا قبیلہ
رسول صلعم سے زیادہ قریبی نسبت رکھتا ہے ۔" کہا گیا "بنی تمیم"
اس سے پہلے ان کا ارادہ تھا کہ بنی الازد سے محالفہ کریں لیکن
پھر اُنھوں نے بنی الازد کو چھوڑ کر بنی تمیم سے محالفہ کیا۔ پھر ان
کے لیے تخطیط کی گئی اور وہ اپنی اپنی زمینوں میں اُترے ۔

انھوں نے اپنے لیے نہر کھودی جو نہر الاساورہ کے نام سے معروف ہے ۔ (۱)

(۴۴)

محکوم کے شرائط

مسلمان جب کسی شہر یا عامرہ کو فتح کرتے تھے، تو شرائط صلح وہ نہیں پیش کرتے تھے، محکوموں کی طرف سے پیش ہوتے تھے ۔ اور مسلمان انہیں قبول کر لیتے تھے :—

مجھ سے اسحاق نے کہا، اس سے اس کے باپ سلیمان نے ، اور اس سے اس کے مشائخ نے کہ :- اہل ماسبذان ، درابادنے عتبہ سے جزیہ اور خراج پر اس شرط سے صلح کی کہ انہیں قتل نہ کیا جائے لونڈی- غلام نہ بنایا جائے اور انہیں ان کے مذہب سے نہ روکا جائے ۔ (۲)

(۴۵)

جزیہ پر صلح

ایسا بھی ہوتا تھا کہ ایک کا انجام دیکھ کر، دوسرا عبرت حاصل کرتا تھا، ایک کی شکست دیکھ کر، دوسرا صلح پر تیار ہو جاتا تھا، اور مسلمان پوری فراخ دلی سے یہ التماس قبول کر لیتے تھے :—

عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے عتبہ بن فرقد السلمی کو ۲۰ھ میں الموصل کا والی کیا- اہل نینوی نے عتبہ سے جنگ کی، عتبہ نے

---

(۱) فتوح البلدان ص ۳۷۵

(۲) فتوح البلدان ص ۳۱۴ ،

شرقی جانب کا قلعہ بہ زور[1] فتح کرکے دجلہ عبور کیا۔ یہ دیکھ کر دوسرے قلعے کے باشندوں نے صلح کرلی کہ جزیہ دیں گے اور ان میں جو لوگ جلا وطن ہونا چاہیں اُنہیں جلا۔ وطنی کی رخصت ہوگی۔

عتبہ نے الموصل میں بہت سے دیر پلٹے، سب نے جزیہ پر صلح کرلی ــــ!

(۴۶)

حضرت عمرؓ کے چند مکاتیب

"حضرت عمر کے سرکاری خطوط" کے عنوان سے "برہان" میں ایک سلسلۂ مضامین، ڈاکٹر خورشید احمد استاذ ادبیات عربی، دہلی یونیورسٹی کا شائع ہوا ہے، جو اپنی افادیت، اہمیت، اور استناد کے اعتبار سے ایسی چیز ہے، جسے ہم نظر انداز نہیں کرسکتے، ذیل میں، ان سرکاری خطوط میں سے چند کا خلاصہ مع پس منظر کے درج کرتے ہیں،

(۴۷)

عیسائی کا ترکہ

گورنر نے خط لکھا کہ مصر کے بعض لاوارث عیسائی راہب مال دولت چھوڑ کر مرتے ہیں ان کی میراث کس کو دی جائے۔ جواب آیا۔

"صاحب اولاد راہبوں کا ترکہ ان کی اولاد کو دے دیا جائے اور جس کے اولاد نہ ہو اس کا ترکہ بیت المال میں جمع کردیا جائے

---

[1] الموصل میں دو قلعے تھے ایک جانب شرقی دوسرا جانب غربی، عرب ان قلعوں کو حصنین کہتے تھے ــــ ابن اثیر ج ۲ ص ۴۰۸ طبع بریل۔

کیونکہ مسلمان اس کے وارث ہیں ۔" (۱)

(۴۴)

حضرت عمرؓ کا اجتہاد۔

ذیل کا خط حضرت عمرؓ کے ان بہت سے اجتہادات میں سے ایک ہے جن کی بنیاد نہ تو قرآن کے مَدَنی قوانین پر ہے اور نہ سنتِ رسول پر بلکہ جو وقت اور ضرورت کے تقاضوں سے اجتماعی فلاح کے لیے وجود میں آئے تھے اور جن کو ایجاد کرنے والا مجتہد پُورے خلوص سے یہ سمجھتا تھا کہ اسلام کا مزاج ان کا متحمل ہو سکتا ہے، ابو موسیٰ اشعری نے لکھا کہ جب مسلمان تاجر دارالحرب کو جاتے ہیں تو وہاں کی حکومت ان سے دس فیصدی تجارتی ٹیکس لیتی ہے، کیا ہم بھی دارالحرب سے آنے والے تاجروں پر ٹیکس لگا دیں؟ حضرت عمرؓ نے اس کی اجازت ہی نہ دی بلکہ تجارتی ٹیکس کا ایک ضابطہ مقرر کیا جس میں حربی، ذمی اور مسلمان سب کو شامل کیا :-

"جب حربی تاجر ہمارے علاقہ میں آئیں تو اُن سے دس فیصدی ٹیکس لو جو مسلمان تاجروں سے دارالحرب میں لیا جاتا ہے۔

(۲) ذمی تاجروں سے پانچ فیصدی وصول کرو۔

(۳) مسلمان تاجروں سے جب اُن کا مال دو سو درہم قیمت کا ہو تو ڈھائی فیصدی کے حساب سے ٹیکس لیا جائے، پھر ہر چالیس درہم کے مال پر ایک درہم کی شرح سے ٹیکس بڑھاتے رہو۔ (۲)

---

(۱) کنزالعمال، صہ ۱۵۲

(۲) کتاب الخراج یحییٰ بن آدم قرشی مطبوعہ مصر صہ ۱۷۳

(۴۹)

تصریح مزید

ابھی ہم نے پڑھا کہ حضرت عمر نے حربی تاجر کے مال پر دس فیصدی ٹیکس مقرر کیا تھا۔ جس کا مدعا بظاہر یہ سمجھ میں آتا ہے کہ دار اسلام میں حربی تاجر کا داخل ہونا وجوب ٹیکس کے لیے کافی تھا اور مدت قیام کا ٹیکس سے کوئی تعلق نہ تھا۔ لیکن ایک دوسری روایت اس بات کی خبر دیتی ہے کہ ٹیکس کی مذکورہ شرح یعنی دس فیصدی اس حالت میں تھی جب حربی تاجر اسلامی حکومت میں چھ ماہ یا اس سے کم رہتا۔ اگر اس کو ایک سال تک رہنا پڑتا تو ٹیکس کی شرح کم ہو کر پانچ فیصدی ہو جاتی۔ معلوم ہوتا ہے کہ پہلا خط لکھتے وقت حربی تاجر کی مدت قیام کا پہلو خلیفہ کے ذہن میں نہ تھا پھر جب ان کی توجہ اس طرف دلائی گئی اور ان کو محسوس ہوا کہ تاجر کا زیادہ دن پردیس میں رہنا مالی اور ذہنی ہر دو اعتبار سے اس پر بار بن جاتا ہے تو انہوں نے اس کے حق میں رعایت ضروری سمجھی، عراق و شام کے تجارتی ٹیکس کے نگران اعلیٰ زیاد بن حدیر راوی ہیں کہ میں نے مرکز کو لکھا کہ بعض حربی تاجروں کو (غالباً سامان نہ بکنے کی صورت میں) بہت دن تک اسلامی حکومت میں رکنا پڑتا ہے۔ کیا ان سے بھی اتنا ہی ٹیکس لیا جائے جتنا ان تاجروں سے جو جلد مال بیچ کر وطن لوٹ جاتے ہیں؟

جواب ملا

"حربی تاجر اگر اسلامی حکومت میں چھ ماہ سے کم رہیں تو ان سے دس فیصدی ٹیکس لیا جائے، لیکن اگر ان کو ایک سال رہنا پڑے تو پانچ فیصدی وصول کیا جائے"(۱)

(۱) کتاب الخراج، یحییٰ بن آدم قرشی مطبوعہ مصر ص۱۷۱

(۵۰)
غیر مسلموں کے حقوق کی خاطر حضرت عمر کی مسلمانوں سے برہمی

ذیل کے خط کے بارے میں دو باتیں یاد رکھنے کی ہیں ایک تو یہ کہ اس کی روایت ان مورخوں کی طرف سے ہوئی ہے جو کہتے ہیں کہ اہواز ابو موسیٰ اشعری نے فتح کیا تھا۔ دوسری بات یہ ہے کہ اس کو قدیم تاریخوں میں فتوح اعثم اور عہد قریب کی تاریخوں میں ناسخ التواریخ نے نقل کیا ہے گویا بالکل یقینی ہے کہ ناسخ التواریخ کا ماخذ اعثم ہی ہے۔ کیونکہ خط کا مضمون اور اس کا پس منظر اعثم اور ناسخ دونوں میں ایک ہے۔ فرق بس اتنا ہے کہ اعثم نے صیغۂ غائب میں خط کا ذکر کیا ہے اور ناسخ نے صیغۂ متکلم میں تاریخ الملوک والرسل (طبری) فتوح البلدان (بلاذری) اور اخبار الطوال (دینوری) جیسی پرانی تاریخوں میں نہ تو خط کا ذکر ہے اور نہ ان واقعات وحوادث کی طرف کوئی اشارہ جو خط کے موجد ومحرک ہیں۔ خط کا سیاق و سباق یہ ہے کہ ابو موسیٰ اشعری سوس فتح کر کے جب تُستر کی طرف بڑھے تو معلوم ہوا کہ والیِ اہواز ہُرمزان اپنے خزانے لے کر تستر آ گیا ہے اور وہاں فارسیوں اور کُردوں پر مشتمل ایک فوج تیار کر لی ہے اور ایک دوسری فوج یزدجرد نے بھی اس کی مدد کے لیے بھیجی ہے۔ اس کے لشکر کی مجموعی تعداد ساٹھ ہزار اور مسلمانوں کی دس ہزار سے کم بتائی گئی ہے۔ ہونے والی جنگ پر ہُرمزان کی موت وزیست کا انحصار تھا چنانچہ اُس نے اہواز کا سب سے موزوں شہر تُستر منتخب کیا۔ تُستر دریائے دُجیل کے کنارہ قدرتی ٹیلوں کی اوٹ میں ایک قلعہ بند شہر تھا۔ اس کی شہر پناہ بہت مضبوط اور بلند تھی۔ ہُرمزان نے خود اس کی مرمت کرائی اور کھانے پینے کا سامان

اور چارہ ذخیرہ کیا (اخبار الطوال ص۱۳۷ لیڈن) شہر کے اندر ایک اور قلعہ تھا جو ہفت عوان سے آنکھ ملاتا تھا، یہاں ہرمزان کے خزانے اور دفتر تھے۔ اور یہ اس کا آخری ملجا تھا۔

ابو موسیٰ اور ان کے ساتھیوں کو جب ان حقائق کا علم ہوا تو انہوں نے مرکز سے مدد طلب کی۔ حضرت عمر نے بلا تاخیر کوفہ کے گورنر عمار اور حلوان کے عامل جریر بن عبداللہ بجلی کو فرمان بھیجے کہ فوراً ابو موسیٰ کی مدد کو فوج لے کر جائیں۔ یہ دونوں فوجیں جب پہنچیں تو مسلمانوں کی کل تعداد بیس ہزار ہو گئی۔ ابو موسیٰ نے اطمینان کا سانس لیا۔ یہ جمعیت ضرورت محاصرہ زیادہ سمجھی گئی اور اس کا ایک حصہ دو سالاروں جریر اور نعمان بن مقرن کی کمان میں رامہرمز کی طرف بھیجا گیا تاکہ وہاں کے باشندوں کو مشرف با سلام ہونے کی دعوت دیں اور اگر اس سمت سے کوئی فوج ہرمزان کی مدد کو آئے تو اس کو تتر بتر کر دیں، جریر رامہرمز کے باہر خیمہ زن ہوئے اور نعمان شہر کے نواح میں چلے گئے اور کئی قلعے مسخر کیے۔ جب شہر کے لوگوں نے اسلام کی دعوت رد کر دی تو جریر نے گھیرا ڈال دیا۔ کئی سخت مقابلوں کے بعد شہر کے لوگوں نے ہار مان لی۔ جو لوگ بھاگ سکے وہ بھاگ گئے باقی قید کر لیے گئے اور ان کا سامان اور جانور فوج نے آپس میں بانٹ لیا۔ اس واقعہ کی خبر جب ابو موسیٰ کو ہوئی جو ہنوز تستر کے محاذ پر تھے تو وہ بہت آزردہ ہوئے اور اکابر فوج سے کہا: میں نے رامہرمز کے باشندوں کو چھ ماہ کی مہلت اور امان دی تھی تاکہ وہ قبول اسلام کے بارے میں خوب غور کر لیں مگر جریر اور کوفہ کی فوجوں نے جلد بازی کی اور میعاد گزرنے سے پہلے شہر کا محاصرہ کر کے بزور شمشیر اس کو فتح کر لیا اور اہل شہر کے بال بچوں، مال و متاع

اور مویشیوں کو آپس میں بانٹ لیا۔ اس سنگین معاملہ میں آپ لوگوں کی کیا رائے ہے؟ انہوں نے کہا: آپ صورت حال سے خلیفہ کو مطلع کیجئے اور ان کے فیصلہ کے مطابق عمل کیجئے۔ یہی کیا گیا۔ حسب توقع حضرت عمر کو افواج کوفہ کی دست درازی ناگوار گذری، تاہم ان کے لیے یہ باور کرنا ہی دشوار تھا کہ جریر اور ان کی فوج نے سالار اعلیٰ کے احکام کی خلاف ورزی کی ہوگی۔ معاملہ نازک اور تحقیق طلب تھا۔ انہوں نے ابوموسیٰ کو خط نہیں لکھا جن کی حیثیت مدعی کی تھی۔ بلکہ فوج کے ممتاز صحابہ کی ایک تحقیقاتی کمیٹی مقرر کی جس میں انس بن مالک حذیفہ بن یمان اور براء بن عازب قابل ذکر ہیں :۔

" اس حادثہ کی کھوج کیجئے۔ یہ معلوم کیجئے کہ ابوموسیٰ نے جیسا کہ ان کا دعویٰ ہے رامہرمز کے باشندوں کو چھ ماہ کی مہلت دی تھی یا نہیں اور آیا کوئی تحریری معاہدہ اس باب میں ان سے کیا گیا تھا۔ اس معاملہ میں خاص احتیاط ضروری ہے، ابوموسیٰ سے بھی حلف لیا جائے اور اگر وہ ازروئے حلف کہیں کہ انہوں نے چھ ماہ کی مہلت دی تھی تو وہ تمام غلام اور لونڈیاں جو رامہرمز سے لائی گئی ہیں واپس کردی جائیں اور اگر کوئی عورت کسی مسلمان سے حاملہ ہوگئی ہو تو اس کو روک لیا جائے حتیٰ کہ اس کے بچہ پیدا ہو۔ پھر اس کو اختیار ہے چاہے وہ اسلام لاکر مسلمانوں کے ساتھ رہے اور چاہے رامہرمز لوٹ جائے " (۱)

---

(۱) فتوح الشام صفحہ ۲۰۶ و ناسخ التواریخ ج ۲ صفحہ ۱۳۰۳

(۵۱)

مصر کے مفتوحوں سے سلوک

عمرو بن عاص بڑی صلاحیتوں کے آدمی تھے، اسلام سے پہلے ان کا شمار قریش کے سرداروں میں ہوتا تھا۔ چمڑے اور عطر کی تجارت کرتے تھے۔ شام، مصر اور حبشہ کے سفر کر چکے تھے، جہاں مختلف مذاہب کے لوگوں سے ملنے جلنے اور مختلف تمدنوں، طور و طریق اور اخلاق کے مشاہدہ سے ان کی نظر میں وسعت اور خیالات میں توازن پیدا ہو گیا تھا۔ ۸ھ میں فتح مکہ سے مشرف بہ اسلام ہوتے۔ کہا جاتا ہے۔ کہ یہ خالد بن ولید اور عثمان بن طلحہ مل کر رسول اللہ کی خدمت میں اسلام لانے حاضر ہوئے تو آپ نے ان کو دیکھ کر صحابہ سے کہا: "مکہ نے اپنے جگر پارے تمہارے پاس پھینک دیئے"۔ رسول اللہ نے عمرو کی بڑی قدر کی اور پہلے ان کو قبائل عرب میں دعوت و اشاعت اسلام کا کام سونپا پھر عمان میں معلم اور محصل زکوٰۃ مقرر کیا۔ ردّہ کی افراتفری میں مدینہ آگئے۔ اور جب کچھ عرصہ بعد خلیفۂ اول نے شام فتح کرنے کئی سالاروں کے تحت فوجیں بھیجیں تو صوبۂ فلسطین کی فتح پر مامور کیا۔ شام میں انہوں نے بڑی لیاقت سے اپنے فرائض انجام دیتے اور کئی نازک موقعوں پر تدبر اور دلیری سے کام لے کر کامیابی حاصل کی۔ جنوبی شام کی فتح اور انتظام میں ان کی خدمات ممتاز تھیں۔

۱۸ھ میں شام کی فتح مکمل ہوئی تو حضرت عمر نے ان کو مصر فتح کرنے بھیجا اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ مصر کا منصوبہ خود انہوں نے بنایا تھا۔ ۲۵ھ تک مصر کے گورنر رہے۔ مصر کے لوگوں نے بالعموم ان کا خیر مقدم کیا، زمینداروں اور کاشتکاروں سے ان کا معاملہ نرم تھا، زراعت

کی ترقی اور کاشتکاروں کی بہبودی ان کے پیش نظر تھی گو مرکز کے دباؤ میں اگر وہ اس خواہش کو پورا نہ کر سکے۔ ان کی انسانیت اور رواداری کی ایک مثال یہ ہے کہ جب اسکندریہ کا عظیم اور متمول شہر کئی ماہ کے پُر مشقت اور خوں ریز محاصرہ کے بعد بزورِ شمشیر فتح ہوا تو انہوں نے نہ تو کسی کو قتل کیا نہ کسی کو قید کیا نہ غلام بنایا بلکہ معاف کر دیا۔

اسکندریہ کی فتح کا ذکر کرتے ہوتے اُس زمانہ کا ایک مصری عیسائی پادری لکھتا ہے "عمرو بن عاص نے معاہدہ کے مطابق جزیہ وصول کیا اگرچہ گرجا گھروں کی کسی چیز کو ہاتھ نہیں لگایا نہ لوٹ مار کی نہ کسی کا مال و دولت غصب کیا بلکہ انہوں نے گورنری کے تمام ایام میں مقامی باشندوں کی حفاظت کی اور ان کو ظلم و تشدد سے اپنی امان میں رکھا" (۱)

(۵۲)

غلاموں کو رہا کر دو

غلامی کے ترک و انسداد کا ایک اور واقعہ:—

ابن عبدالحکم نے اپنی فتوح مصر، میں چار دیہاتوں کے نام لیے ہیں جو اسکندریہ کی عملداری میں تھے اور جن کو بزور تلوار فتح کیا گیا تھا۔ ان میں ایک دیہات کا نام سلطیس تھا، یہاں سے جو عورتیں اور بچے غلام بنائے گئے تھے خاص ان کے بارے میں حضرت عمرؓ کا ایک خط یا اس کا حصہ ان الفاظ میں نقل کیا گیا ہے:—

"اہلِ سلطیس کے جو غلام تمہارے پاس ہوں ان کو اسلام کی دعوت دو، اگر وہ اسلام قبول کرلیں تو ان کے حقوق و ذمہ داریاں

---

(۱) اقتباس از تاریخ مصر صفحہ ۱۳

دوسرے مسلمانوں کی طرح ہوں گی اور اگر وہ اپنے مذہب پر رہنا چاہیں تو ان کو چھوڑ دو تاکہ وہ اپنے گاؤں چلے جائیں ۔ (۱)

(۵۴)

ہدایت نامہ عمر رض

رعایا کے ٹیکس کے سلسلہ میں باقاعدگی اور رعیت کے معاملات سے دلچسپی لینے کی تاکید :—

واقدی کی فتوح مصر میں ہے کہ حضرت عمر نے عمرو بن عاص کو یہ ہدایت نامہ بھیجا :—

السلام علیک ، میں اس معبود کا سپاس گذار ہوں جس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں اور اس کے نبی پر درود بھیجتا ہوں میرا یہ خط پڑھ کر خدا کے دشمنوں کو جہاں جہاں وہ ہوں ٹھکانے لگا دو اُن کے ساتھ کوئی رعایت یا نرمی نہ برتو ۔

(۲) رعیت کے معاملات سے ذاتی دلچسپی لو اور جہاں تک ہوسکے ان کے ساتھ انصاف اور رواداری سے پیش آؤ ۔

(۳) لوگوں کی خطائیں معاف کردو ، خدا تمہاری خطائیں معاف کرے گا ۔

(۴) جو قوانین اور معمولات ملک میں رائج ہوں انہیں بحال رکھو ۔

(۵) رعایا کے ٹیکس کی شرح اور تفصیل خراج کے رجسٹروں میں درج کرو ۔

---

(۱) فتوح مصر ، صد۳۵

(۶) انصاف کے ذریعے امن و عافیت کو فروغ دو۔
(۷) حکومت و اقتدار آنی جانی ہے، جو چیز باقی رہے گی وہ اچھی شہرت ہے یا اُن مٹ رسوائی کا" (۱)

(۴۳)

اور یہ تھے حضرت عمر رض!

اور یہ رعایا کے حسن سلوک کرنے کی تاکید کرنے والے اور خراج کے حسابات درست رکھنے کا حکم دینے والے (تاکہ بے قاعدگی سے ذمیوں کو تکلیف نہ ہو) وہ حضرت عمر رض تھے، جن کا اسلامی اصولوں کے معاملہ میں خود اپنی اولاد تک کے ساتھ یہ سلوک تھا:——

سنہ ۲۱ھ میں (بقول واقدی۔ طبری ۴/ ۲۹۴۳) حضرت عمر کے دو لڑکے عبداللہ اور عبدالرحمان جہاد کے لیے مصر گئے۔ حضرت عمر نے عمرو کو لکھا: "اگر میرے کنبہ کا کوئی فرد تمہارے پاس آئے تو تم ہرگز ہرگز اس کو کوئی تحفہ یا پیش کش نہ دینا، نہ اس کے ساتھ کوئی خصوصی برتاؤ کرنا، تم نے اگر اس ہدایت کی مخالفت کی تو مناسب سزا دوں گا" عمرو بن عاص کہتے ہیں:۔ "اسی حکم امتناعی کی وجہ سے میں دونوں بھائیوں کی نہ تو آؤ بھگت کر سکا، نہ کوئی سوغات بھیج سکا نہ ملنے ان کے گھر گیا۔ چند دن گذرے تھے کہ کسی نے آکر مجھ سے کہا کہ عبدالرحمان اور ابو سروعہ (بدری صحابی) آپ سے ملنا چاہتے ہیں۔ میں نے اُن کو اندر بلا لیا۔ وہ بہت اُداس تھے۔ اُنہوں نے کہا: ہم کو حد شراب لگائیں، رات ہم نے شراب پی اور مدہوش ہوگئے۔ میں نے دونوں کو جھڑکا را اور کہا: امیرالمومنین کے لڑکے اور ایک بدری صحابی کے حد لگاؤں؟ عبدالرحمان

---

(۱) واقدی، مصر، صفحہ ۱۴

نے کہا اگر آپ حد نہ لگائیں گے تو میں مدینہ لوٹ کر امیر المومنین کو اس کی خبر دونگا اس اثناء میں عبداللہ بن عمر بھی آگئے، میں ان کے استقبال کے لیے آگے بڑھا خوش آمدید کہا۔ اور صدر مجلس میں بٹھانا چاہا لیکن انہوں نے انکار کیا اور بولے: والد نے مجھے تم سے ملنے کی ممانعت کر دی ہے الا یہ کہ ملاقات کے بغیر چارہ نہ ہو اور نہ اس وقت ایک ایسی ضرورت آن پڑی ہے کہ ملاقات ناگزیر ہے میں چاہتا ہوں کہ میرے بھائی (عبدالرحمان) کا منظر عام پر سر نہ منڈوایا جائے حد شراب جہاں چاہو لگا سکتے ہو۔ عمرو بن عاص کہتے ہیں کہ حد کے ساتھ تضحیک و تشہیر کے لیے سر بھی منڈوایا جاتا تھا۔ میں دونوں کو گھر کے صحن میں لایا اور حد لگائی۔ اس کے بعد عبداللہ بھائی کو لے کر محل کے ایک کمرہ میں گئے اور ان کا اور ابو سروعہ کا سر مونڈا بخدا میں نے اس موضوع پر عمر کو ایک حرف بھی نہ لکھا۔ لیکن چند دن ہی گذرے تھے کہ یہ توبیخ آمیز خط موصول ہوا: ۔

"عبداللہ عمر امیر المومنین کی طرف سے عاصی بن عاصی کو سلام علیک ابن عاص، مجھے حیرت ہے تم پر اور تمہاری جرأت پر کہ تم نے میری ہدایات کی خلاف ورزی کی، میں نے اصحاب بدر اور تم سے بہتر لوگوں کو نظر انداز کر کے تم کو منتخب کیا حالانکہ تم گمنام تھے اور تم کو پچھلی صف سے نکال کر اگلی صف میں کھڑا کیا لوگوں نے مجھ سے کہا تھا تم جرأت اور مخالفت سے کام لوگے اور میں دیکھ رہا ہوں ویسا ہی ہوا جیسا انہوں نے کہا تھا، ایسا معلوم ہوتا ہے تم کو بری طرح معزول کرنا پڑے گا۔ تمہارا برا ہو، عبدالرحمان کو اپنے گھر میں حد لگاتے ہو، اور اس کا سر بھی گھر کے اندر مونڈتے ہو، حالانکہ تم کو معلوم تھا کہ یہ بات میری مرضی کے خلاف ہوگی۔ عبدالرحمان تمہاری رعیت کا ایک فرد تھا اور تم کو اس کے ساتھ ویسا ہی سلوک کرنا چاہیے۔

تھا جیسا کسی دوسرے مسلمان کے ساتھ، لیکن تم نے کہا: امیرالمومنین کا لڑکا ہے، اس کے ساتھ رعایت کریں، حالانکہ تم جانتے ہو کہ حقوق اللہ میں کسی کے ساتھ میں یہ رعایت نہیں کرتا۔" یہ خط پاتے ہی عبدالرحمان کو عبا (دبالوں کا لمبا کوٹ) پہنا کر اور بغیر کجاوہ کے اونٹ پر سوار کر کے روانہ کر دو تاکہ اپنی بدکرداری کا مزہ چکھے۔"

میں نے حسب ہدایت عبداللہ کو ان کے والد کا خط دکھا کر عبدالرحمان کو مدینہ روانہ کر دیا اور عمر کو ایک معذرت نامہ میں لکھا کہ میں نے عبدالرحمان کو گھر کے صحن میں حد لگائی ہے اور بخدا یہ وہی جگہ ہے جہاں مسلم اور غیر مسلم کو سزا دیتا ہوں۔ یہ خط عبداللہ کے ہاتھ بھیج دیا۔ عبداللہ بھائی کے ساتھ مدینہ وارد ہوئے، عبدالرحمان موٹے بالوں کے کوٹ میں باپ کے سامنے حاضر ہوئے۔ بے گدے کی سواری نے ان کا جسم ایسا چور کیا تھا کہ وہ چل نہ سکتے تھے۔ حضرت عمر نے عبدالرحمان کو برا بھلا کہتے ہوئے کوڑا منگوایا۔ عبدالرحمان بن عوف نے شفاعت کی اور کہا کہ ان کو شراب نوشی کی سزا مل چکی ہے۔ مگر حضرت عمر پر اس کا اثر تو کجا انہوں نے الٹا ابن عوف کو ڈانٹا۔ عبدالرحمان پر کوڑے پڑنے لگے، وہ چیختے اور کہتے "میں بیمار ہوں، بخدا تم مجھے مار ڈالتے ہو۔ مگر بے سود۔ حضرت عمر کو رحم نہ آیا، حد لگانے کے بعد عبدالرحمان کو قید کر دیا گیا۔ جہاں ایک ماہ مریض رہ کر ان کا انتقال ہوا۔ (۱)

(۵۵)

ذمیوں سے حسن سلوک کا حکم

یہ خط حضرت عمر نے، والی مصر عمرو بن العاص کے نام تحریر فرمایا تھا۔

---

(۱) شرح نہج البلاغہ مصر، صہ ۱۲۳، د تاریخ عمر، ابن جوزی۔

"حاضر ہو کر میں نے مدینہ کے مردوں، عورتوں اور بچوں کا وظیفہ "دیوانِ عطاء" میں مقرر کر دیا ہے۔ ان میں وہ لوگ بھی شامل ہیں جو جہاد کے لیے مصر یا دوسرے محاذوں پر چلے گئے تھے اور پھر لوٹ آئے۔ وہ لوگ جو یہاں وظیفہ مقرر ہونے کے بعد مصر جا کر بس گئے ان کا اور ان کے بیوی بچوں کا وظیفہ میری مقرر کردہ شرح کے مطابق جاری رکھو، اور جن لوگوں کا وظیفہ یہاں مقرر نہیں ہوا ہے اور وہ مصر میں آباد ہو گئے ہیں، ان کا وظیفہ مقرر کردو۔ اور اس کی شرح وہ ہو جو ان کے جیسی خدمت والے دوسرے مسلمانوں کے لیے مقرر کی گئی ہو۔ خود اپنا وظیفہ دو سو دینار مقرر کر دو یہ وہ رقم ہے جو جنگِ بدر میں شریک ہونے والے مہاجر اور انصار کو دی گئی ہے میں نے اتنا وظیفہ تمہارے کسی ہم مرتبہ کو نہیں دیا ہے، تم کو زیادہ دینے کی وجہ یہ ہے کہ تم حاکم ہو۔ مجھے معلوم ہے کہ تمہیں سرکاری کاموں کے لیے روپے کی ضرورت ہوگی، ان مصارف کے لئے خرچ بڑھاؤ۔ تحصیلِ خراج انصاف اور حق کے اصول پر ہو، جب خراج جمع ہو جائے تو بلا کسی تصرف کے اس سے مسلمانوں کے وظائف اور ضروری مصارف نکال لو اور باقی مجھے بھیج دو۔ تم کو یاد رکھنا چاہیئے کہ مصر سے خمس نہیں لیا جائے گا، کیوں کہ اس معاہدہ کے ذریعے فتح کیا گیا ہے مصر اور مصر میں جو کچھ ہے مسلمانوں کی دولت ہے۔ اس دولت سے پہلے ان لوگوں کو دو جو سرحدوں کی حفاظت کرتے ہیں اور سرکاری فرائض انجام دیتے ہیں،

عمر یاد رکھو اللہ تم کو اور تمہارے اعمال کو دیکھتا ہے،

وہ اپنی کتاب میں فرماتا ہے:

وہ چاہتا ہے کہ قرآن کی بتائی ہوئی راہ پر چلا جائے۔ تم کو یہ بھی یاد رہے کہ

تمہاری عملداری میں ذمّی اور معاہد لوگ ہیں۔ رسول اللہ نے ان کے ساتھ اچھے سلوک کی تاکید کی ہے۔ اور قبطیوں کے ساتھ بھی اچھے برتاؤ کی فہمائش کی ہے چنانچہ آپ نے فرمایا ہے "قبطیوں سے حسن سلوک کرو، وہ تمہاری حفاظت میں داخل ہوں گے، وہ تمہارے ہم نسب بھی ہیں، ان سے رشتہ یہ ہے کہ حضرت اسماعیل کی ماں قبطی تھیں۔ رسول اللہ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ جو معاہد پر ظلم کرے گا یا اس کی طاقت سے زیادہ خراج یا جزیہ لے گا تو قیامت کے دن میں اس کا گریبان پکڑوں گا، خبردار عمرو، کہیں رسول اللہ تمہارا گریبان نہ پکڑیں، رسول اللہ جس کے گریبان گیر ہوئے خدا بھی اس کا گریبان گیر ہوگا۔ اس قوم کا حاکم بن کر ایک بڑی آزمائش میں ڈالا گیا ہوں مجھے اپنی کمزوری کا احساس ہونے لگا ہے۔ میری رعایا ہر طرف پھیل گئی ہے، میری ہڈیاں گھس گئی ہیں۔ خدا سے دعا کرتا ہوں کہ مجھے اٹھا لے، نہ میری تعریف کرنے والا کوئی ہو نہ برائی کرنے والا، بخدا مجھے ڈر رہتا ہے کہ اگر کوئی اونٹ تمہاری عملداری کے دور ترین حصہ میں لاپرواہی سے ضائع ہو جائے تو قیامت کے دن مجھ سے جواب طلب ہو گا۔" (۱)

(۵۶)

ذمّی کی دیت کا فیصلہ

نجدی مذہب کے معاملہ میں بڑے متشدد ہوتے ہیں، یہ وہی ہیں جنہیں "وہابی" کہا جاتا ہے، لیکن ذمیوں کی دیت کا سوال جب علمائے نجد کے سامنے آیا، تو اپنی تشدد پسندی کے باعث وہ بھی، اہم مسئلہ میں کوئی ایسی بات نہ کہہ سکے جو ان کی تشدد پسندی کا ثبوت ہوتی، چنانچہ ایک

(۱) ابن سعد، کنز العمال، ۱۶۲/۳

« فتویٰ » ملاحظہ ہو :—

اذا ضرب المشرك
وجرح فدمه مباح
الا الذمی والمعاهد
والمستامن فديتهم
اذا اصيبت النفس احدهم
ثمانمائة درهم وللجرح
ينظر فيها على قدر
دياتهم

(کسی لڑائی جھگڑے میں، اگر کوئی مشرک
مجروح ہو، یا مارا جائے، تو اس
کا خون ہدر (مباح) ہے لیکن اگر
ذمی یا معاہد یا مستامن، پر یہ گزرے
تو اس کی دیت جان جانے کی صورت
میں دی جائے گی، جو آٹھ سو درہم
ہے، اور مجروح ہونے کی صورت
میں زخم کی دیات کے مطابق فیصلہ
کیا جائے گا۔ (۱)

(۵۷)

حضرت عمرؓ کا غیر مسلم غلام

اب یہ باب جو حضرت عمر رضؓ کے عہد کے واقعات پر مشتمل تھا، ختم ہوتا ہے، اور اسے ختم کرنے سے پہلے، ہم حضرت عمر رضؓ کا ایک واقعہ پیش کرتے ہیں، یہ واقعہ اس شخص کا ہے، جو دُنیا کی ایک بہت بڑی مملکت کا سربراہ، ایک مقال، کارگذار، جراءت مند، با حوصلہ، بہادر، شجاع، اور اقدار جدید کی حامل قوم کا سردار اعلیٰ تھا، جس کے جلال و جبروت کا یہ عالم تھا، کہ روم و فارس کے ایوان اس کے ذکر سے لرزتے تھے، ملوک و سلاطین اس کے سامنے بید لرزاں کی طرح کانپتے اور سہمتے ہوئے حاضر ہوتے تھے، جس کی ہیبت اور عظمت کا یہ عالم تھا کہ، اس کے اشارۂ چشم کی خلاف ورزی بھی بڑے بڑوں کے لیے ناممکن تھی، وہ جو چاہتا تھا ہوتا تھا، جو کہتا تھا، اس

---

(۱) مجموعۃ الرسائل والمسائل النجدیہ، صفحہ ۵۶۰

کی تعمیل ہوکر رہتی تھی، جو فیصلہ کر لیتا تھا، اس کی تعمیل وقت کے جابرہ تک کے لیے، سرمایہ فخر و سعادت تھی، لیکن ویسا باجبروت شخص اپنے غلام کا مذہب، اپنی مرضی کے مطابق تبدیل نہ کر سکا:۔

راوی عن ھلال الکانی	بلال لاتی وسقا رومی سے روایت
عن وسق الرومی قال	کرتے ہیں کہ میں عمرؓ کا مملوک (غلام)
کنت مملوک عمر	تھا، اُنہوں نے مجھے فرمایا، اسلام
فکان یقول لی اسلم	قبول کرلے، اگر تو مسلمان ہو جائے
فانک ان اسلمت	تو مسلمانوں کی امانت کے سلسلہ میں
استعنت بک علی امانت	تو میرا ہاتھ بٹا سکے گا، کیونکہ یہ کام
المسلمین فانہ لا	کسی غیر مسلم سے نہیں لیا جا سکتا۔ لیکن
ینبغی ان استعین علی	میں نے اسلام قبول کرنے سے انکار
امانتھم من لیس منھم	کردیا، آپ نے فرمایا:۔
فابیت فقال لا اکراہ	لا اکراہ فی الدین یعنی دین کے معاملہ
فی الدین فلما حضرتہ	میں کسی طرح کا جبر روا نہیں پھر جب
الوفات اعتقنی فقال اذھب	آپ کا وقت وفات قریب آیا،
حیث شئت	تو آپ نے مجھے آزاد کردیا، اور
	فرمایا، ”تیرا جہاں جی چاہے چلا
	جا،“ (۱)

کیا یہ واقعہ اپنے اندر کوئی عبرت نہیں رکھتا،؟ کیا دُنیا کے مانے ہوئے اور عہدِ جدید کے سربرآوردہ مؤرخ TOYNBEE کی نظر سے یہ واقعہ

(۱) احکام القرآن (جصاص) مطبوعہ مصر، صـ [illegible]

نہیں گذرا؟ اس نے دُنیا کی تاریخ مذہب لکھتے وقت اسلام کے بارے میں جو کچھ لکھا، وہ صرف، علم سینہ ہی پر مبنی ہے؟ تصورات اور تخیلات ہی کا شاہکار ہے؟ صرف سنی سنائی باتوں پر مشتمل ہے؟ اگر نہیں تو پھر یہ الفاظ اس کے قلم سے کیوں کر نکلے؟

"(مسلمان) اپنے مذہبی اصولوں کے مطابق، اس امر پر مجبور ہیں کہ دوسرے مذاہب کو برباد کرنے کے لیے، تشدد اختیار کریں، لیکن اس کے باوجود کئی صدیوں تک، دوسرے مذاہب کے ساتھ ان کا برتاؤ رواداری نہ رہا، ! عیسائیوں کو صرف یہ حکم تھا کہ وہ تبلیغ کریں، اور راہِ ہدایت دکھائیں لیکن اقتدار حاصل کرتے ہی اُنھوں نے تلوار سنبھال لی، اور ان لوگوں کے درپے ہو گئے، جو ان کے ہم مذہب نہیں تھے ہم ایسا محسوس کرتے ہیں کہ اگر مغربی ممالک کے عیسائی سارا سین (مسلمان) اور ترکوں کے بجائے ایشیائی ممالک کو فتح کرتے، تو آج ایک قوم کا کہیں نشان بھی نہ ملتا، اور وہ مسلمانوں کے ساتھ ذرا بھی روادارانہ برتاؤ نہ کرتے،" (۱)

حضرتِ عثمانؓ کا دور

اب حضرت عثمانؓ کا دور شروع ہوتا ہے، حضرت (ابوبکرؓ اور عمرؓ) کے مقابلہ میں یہ دور بالکل مختلف ہے، حضرت ابوبکر نے ڈھائی سال خلافت کی، اس مختصر مدت میں انہوں نے باغیوں کو کچل دیا۔ امن و امان قائم کیا۔ بگڑے ہوئے حالات سنوارے، آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے فائدہ اٹھا کر دشمن حوصلہ مندی کے ساتھ استیصال اسلام کے لیے کمربستہ ہو گئے تھے، لیکن ان کی ایک نہ چلی، اسلام کا دبدبہ قائم رہا، اس کی شوکت میں فرا کمی نہ ہوئی، دشمن ناکام ہوئے، اور اسلام کا پرچم لہراتا رہا،

پھر حضرت عمرؓ مسند آرائے خلافت ہوئے، حضرت عمر نے دس سال تک اس منصب کو نبایا، اس عہد میں نہ صرف اندرونی امن و امان قائم رہا۔ بلکہ، فتوحات کا دروازہ بھی کھل گیا، مسلمانوں کے قافلے،

جن کے ہاتھوں میں رہا کرتی تھی اونٹوں کی مہار

ریگ زار عرب سے باہر نکلے، فتح و کامرانی نے ان کے قدم چومے، نتیجہ یہ ہوا کہ انہوں نے روم و فارس کی عظیم الشان سلطنتوں کا چراغ گل کر دیا اور سطوت و جلال کا لوہا منوا لیا۔ حضرت عمرؓ کے بعد حضرت عثمانؓ کا دور شروع ہوتا ہے۔ یہ تقریباً بارہ سال تک قائم رہا، اس عہد کو دو

حصوں میں منقسم کیا جا سکتا ہے، پہلا نصف، فتوحات پر مشتمل ہے، دوسرا خانہ جنگی، فتنہ طرازی، باہمی کشت و خون۔ اور تفرقہ آرائی پر مبنی ہے ہمارے موضوع کا جہاں تک تعلق ہے۔ ہم صرف، پہلے حصہ پر گفتگو کریں گے۔ اور بتائیں گے کہ اس عہد میں بھی غیر مسلموں کے ساتھ عدل و انصاف اور رواداری کا سلسلہ اس شان کے ساتھ قائم رہا، جیسا کہ ہم عہد شیخین میں دیکھ چکے ہیں بے شک اس عہد میں خانہ جنگی، اور باہمی کشت و خون کا آغاز ہوا، مسلمانوں نے وہ تلوار جو دشمن کے سروں پر چمکتی تھی۔ آپس میں چلانی شروع کر دی، لیکن اس افراتفری، اور باہمی خانہ جنگی کے دور میں بھی، مسلمان اپنے " ذمہ " کو نہیں بھولے، وہ غیر مسلموں کے ساتھ برابر لطف و کرم کا برتاؤ کرتے رہے ان کی خطائیں معاف کرتے رہے۔ ان کے جرائم معاف کرتے رہے۔ ان کی بغاوت اور سرکشی کا جواب، رحم و کرم اور معافی کی صورت میں دیتے رہے۔ انہوں نے بدعہدی کی، نقض عہد کیا۔ موقع سے ناجائز فائدہ اٹھا کر، مسلمانوں کو قتل کیا لیکن جب مسلمانوں کو موقع ملا، اور وہ پھر ان قابو پا گئے، دشمنوں پر غالب آتے تو انہوں نے نہ صرف کسی طرح کا انتقام نہیں لیا۔ بلکہ اپنے رعایات لطف و کرم کو قائم رکھا۔

(۱)

پاس وفا کی تاکید

مسند آرائے خلافت ہونے کے بعد حضرت عثمانؓ نے، حکومت کے حکام و عمال کے نام، ایک مکتوب تحریر فرمایا، یہ مکتوب موجودہ اصطلاح میں گویا، سرکاری پالیسی کا اعلان تھا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ، آپ اپنی حکومت کس اسلوب اور نہج پر چلانے کا ارادہ رکھتے تھے، اور وہ وہی نہج تھی جو سنت

نبوی، اور اسوۂ شیخین پر مبنی تھی، چنانچہ آپ فرماتے ہیں:—

اما بعد فان اللہ امر الائمۃ ان یکونوا رعاۃ ولم یتقدم الیہم ان یکونوا جباۃ، وان صدر ھذہ الامۃ خلقوا رعاۃ ولم یخلقوا جباۃ. ولیوشکن ائمتکم ان یصیروا جباۃ ولا یکونوا رعاۃ. فاذا عادوا کذلک انقطع الحیاء والامانۃ والوفاء الا وان اعدل السیرۃ ان تنظروا فی امور المسلمین وفیما علیہم فتعطوہم ما لہم و تاخذوہم بما علیہم ثم تعتنوا بالذمۃ فتعطوہم الذی لہم وتاخذوہم بالذی علیہم ثم العدو الذی تنتابون فاستفتحوا علیہم بالوفاء

اما بعد! اللہ تعالیٰ نے حاکموں کو یہ حکم دیا ہے کہ وہ امت کے نگہبان بنیں، محض خراج جمع کرنے والے نہ بنیں، اوائل اسلام کے لوگ نگہبان تھے، محض خراج جمع کرنے والے نہیں تھے، لیکن مجھے ڈر ہے کہ تم لوگ نگہبانی امت کے فرائض چھوڑ کر کہیں صرف خراج جمع کرنے نہ لگ جاؤ۔ اگر ایسا ہوا تو حیاء، امانت اور وفا سب کچھ تم سے رخصت ہو جائے گی۔ بہترین عمل یہ ہے کہ تم مسلمانوں کے امور میں غور کرو۔ جو ان کا حق تم پر ہے وہ انہیں دو جو تمہارا حق ان پر ہے وہ ان سے لو، پھر ذمیوں کا جو حق تم پر ہے، وہ انہیں دو اور تمہارا جو حق ان پر ہے وہ ان سے لو، اس کے بعد دشمن کی طرف متوجہ ہو اور اس پر فتح پاؤ لیکن جو اس سے وعدہ کرو وہ ضرور پورا کرو۔"

(۲)

معاہد پر ظلم نہ کرو،

"معاہد" یعنی وُہ غیر مسلم، جس سے مسلمانوں نے عہد کر لیا ہو، اور جو ان کے عہد میں آکر، امن وامان کی زندگی بسر کر رہا ہو، اسلام نے بڑی تاکید کی ہے کہ، معاہد اور ذمی کے ساتھ کسی طرح کی زیادتی نہ ہونے پائے، چنانچہ حضرت عثمان نے منصب خلافت پر فائز ہونے کے بعد، سب سے پہلا جو کام کیا، وہ یہی تھا۔ اُنہوں نے خراج اور جزیہ کی رقم وصول کرنے والوں کو تحریر فرمایا:

اما بعد فان اللہ خلق	اللہ تعالےٰ نے مخلوقات کو حق کے ساتھ
الخلق بالحق فلا یقبل	پیدا کیا۔ وہ حق ہی کو قبول کرتا ہے
الا الحق خذوا الحق واعطوا	حق لو اور اس کے بدلے میں حق ہی
الحق به والامانة بالامانة	دو، امانت، امانت کے ساتھ ہوتی
قوموا علیها ولا تکونوا	ہے۔ اس پر مضبوطی سے قائم رہو
اول من یسلبها فتکونوا	اور ان لوگوں میں سے نہ ہو جو امانت
شرکاء من بعدکم الی	میں خیانت کرتے ہیں۔ اس طرح تم
ما اکتسبتم. والوفاء	اپنے بعد آنے والے خائنوں کے
بالوفاء لا تظلموا الیتیم	ساتھ شریک ہوگے۔ وفا وفا کے
ولا المعاهد فان اللہ	ساتھ ہوتی ہے۔ تم یتیم پر اور جس کے
خصم لمن یظلمهم	ساتھ معاہدہ کیا ہو ظلم نہ کرو۔ کیونکہ اللہ
؛	تعالےٰ ان لوگوں کا دشمن ہے جو ان لوگوں
	پر ظلم کرتے ہیں۔

(۳)

حضرت عثمان کا پہلا امتحان

مسند خلافت پر بیٹھتے ہی حضرت عثمان کو ایک سخت امتحان سے دو چار ہونا پڑا، یہ پہلا اور فیصلہ کن امتحان تھا، اور حضرت عثمان اس امتحان میں شایانِ شان طور پر کامیاب ہوئے،

واقعہ بڑا سنگین تھا، ایسے سنگین واقعہ کا اس طرح فیصلہ کرنا، کہ انصاف اور عدل کا دامن بھی ہاتھ سے نہ چھوٹنے پاتے۔ عامۃ مسلمین کے جذبات بھی مجروح نہ ہوں، بڑا دشوار کام تھا، اور کوئی شبہ نہیں حضرت عثمان بڑی خوبی اور خوش اسلوبی کے ساتھ اس سلسلہ سے عہدہ برآ ہوئے۔

اس واقعہ کی ضروری تفصیل، ہم "خلفائے محمد" کے تیسرے حصہ، "سیرت عثمان" سے پیش کرتے ہیں، اس تفصیل سے، اس واقعہ کی حقیقت و ماہیت اور پس منظر پر بڑی اچھی طرح روشنی پڑتی ہے، اور واقعات و موثرات اجاگر ہوکر منظر کے سامنے آجاتے ہیں، "—

حضرت عثمان رضؓ کے سریر آرائے خلافت ہوتے ہی ایک ایسا واقعہ پیش آیا جس سے سارے مدینہ میں ہیجان بپا ہو گیا۔ حضرت عبیداللہ بن عمرؓ نے ہرمزان سابق حاکم ایران اور ایک عیسائی غلام جفینہ کو اپنے والد کو شہید کرنے کے شبہ میں قتل کر دیا، حضرت عبیداللہ بن عمرؓ کو پتہ چلا تھا کہ ہرمزان سابق حاکم فارس (جس نے اسلام لانے کے بعد مدینہ میں سکونت اختیار کرلی تھی) اور جفینہ نصرانی حضرت عمرؓ کے شہید کیے جانے سے پہلے ایک دن آپ کے قاتل ابولؤلؤ کے ساتھ خاص سرگوشی میں مصروف تھے۔ اس

پھر انہوں نے یہ خیال کرکے کہ یہ دونوں ان کے والد کی شہادت میں شریک تھے ان دونوں کو طیش کی حالت میں قتل کر دیا۔

عبدالرحمان بن ابی بکر بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے ان تینوں کو ایک جگہ آپس میں سرگوشی کرتے دیکھا یہ ان کے پاس گئے۔ ان کو دیکھ کر وہ تینوں کھڑے ہو گئے اور گھبراہٹ میں ایک دو دھاری خنجر ان کے کپڑوں میں سے نکل کر زمین پر گر پڑا جب اس خنجر کو دیکھا گیا جس سے حضرت عمر رضؓ پر حملہ کیا گیا تھا تو وہی خنجر تھا جو عبدالرحمان بن ابی بکر نے دیکھا تھا جب حضرت عبیداللہ بن عمر رضؓ نے یہ واقعہ سُنا تو ان کو یقین ہو گیا کہ ان کے والد کی شہادت ان تینوں کی سازش اور اشتراک عمل سے ہوئی ہے۔ جب تک حضرت عمر رضؓ زندہ رہے ابن عمر ضبط کئے رہے۔ لیکن جب آپ کی وفات ہو گئی تو شمشیر بدست پہلے ہرمزان کے پاس گئے اور اسے قتل کر دیا۔ اس کے بعد جفینہ کے پاس گئے اور اسے بھی موت کے گھاٹ اتار دیا۔ اس وقت سعد بن ابی وقاص نے مداخلت کرکے زبردستی ان کو روکا۔ اور ان کے ہاتھ سے تلوار چھین کر انہیں ان کے گھر میں بند کر دیا۔ جب حضرت عثمان کی بیعت ہو چکی تو آپ نے عبیداللہ بن عمر کو بلایا اور ایک مجلس میں جہاں مہاجرین و انصار بیٹھے تھے پوچھا بتلاؤ! اب ابن عمر کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے ؟ حضرت علیؓ نے جواب دیا۔ میری رائے یہ ہے کہ آپ ان کو قتل کر دیں ؟ اس پر بعض مہاجرین کہنے لگے کہ حضرت عمر رضؓ کل شہید کر دیئے گئے

اور ان کو آج قتل کر دیا جائے ؟ یہ کس طرح ہو سکتا ہے ۔ ؟

حضرت عمروؓ بن العاص نے کہا ۔ " امیر المومنین اگر یہ واقعہ آپ کے عہد حکومت میں ہوتا تب تو آپ کو بیشک انہیں قصاص میں قتل کر دینا چاہیے تھا ۔ لیکن اب ایسی صورت نہیں ہے یہ واقعہ آپ کے عہدِ حکومت میں نہیں ہوا بلکہ اس سے پہلے ہی ہو چکا تھا اس لیے اب آپ بری الذمہ ہیں "

یہ بات حضرت عثمانؓ کے دل کو بھی لگ گئی ۔ آپ نے فرمایا کہ میں ان مقتولوں کا ولی ہوں اس لیے ان کی دیت اپنے ذمہ لیتا ہوں اور اپنے مال میں سے ادا کروں گا ۔

اس فیصلہ کا یہ جملہ خاص طور پر قابلِ ذکر ہے کہ میں ان مقتولین کا " ولی " ہوں ، لہٰذا ان کا خون بہا میں ادا کروں گا ، اس سے ثابت ہوا کہ ، خلیفہ یا امام ، ان لوگوں کا ولی ہوتا ہے ، جو مملکت اسلامیہ کے ذمہ میں ہوں ، !

عبید اللہ بن عمر ، ایک عظیم المرتبت باپ کے جلیل القدر ، فرزند تھے ۔ اُنہوں نے جو کچھ کیا تھا ، وہ عالمِ اشتعال میں کیا تھا ، اور اس اقدام کا ان سے سرزد ہونا بالکل قدرتی اور فطری امر تھا ، لیکن غور طلب امر یہ ہے کہ اس کے باوجود ، ملّت کے سر بر آوردہ اصحاب نے ۔ اس معاملہ میں کسی مدافعت سے کام نہیں لیا ۔ بلکہ نہایت صفائی اور بیباکی کے ساتھ ان کے اس فعل پر تنقید کی ، اور کسی درجہ میں بھی اسے جائز ، اور مستحسن نہیں قرار دیا اس پر بحث و گفتگو کرتے ہوئے ، " خلفائے محمّد " کے فاضل مصنف نے ، اختصاراً لیکن جامعیت کے ساتھ ، صورت مسئلہ کا جائزہ لیا ہے ۔ وہ ارشاد فرماتے ہیں : ۔

بعض لوگوں کی یہ رائے ہے کہ حضرت عبید اللہ بن عمر شرعی نقطۂ نگاہ سے قتل کے مرتکب ہوتے تھے۔ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اُنھوں نے یہ فعل قصاص کے طور پر کیا تھا۔ کیونکہ یہ بات تب کہی جا سکتی تھی جب وہ اصل قاتل کو قتل کرتے لیکن اُنھوں نے ان لوگوں کو قتل کیا جو حضرت عمرؓ کے قاتل نہیں تھے کوئی ایسا شرعی ثبوت بھی موجود نہیں ہے جس سے ان کا اس قتل میں اشتراک ثابت ہو قصاص تب واجب ہوتا ہے جب قتل کے تمام دکمال ثبوت موجود ہوں۔ قاتل اپنی زبان سے اقرار کرے اور حاکم وقت قصاص کا حکم دے لیکن ان قرائن سے جو اس وقت پائے گئے ہرگز قصاص واجب نہیں ہوتا اور نہ شریعت ان قرائن کی موجودگی میں حد جاری کرتی اور سزا دیتی ہے، اس لیے ان حالات دواقعات کی موجودگی میں عبید اللہ بن عمرؓ سے قصاص لینا واجب تھا۔ حضرت عمرو بن العاص کا اس امر کی طرف اشارہ کرنا کہ یہ واقعہ حضرت عثمانؓ کی حکومت سے پہلے ظہور پذیر ہوا تھا۔ عبد اللہ بن عمرؓ کی بریت کے لیے کافی قرار نہیں دیا جا سکتا۔ اگر حضرت عمرؓ زندہ ہوتے، اور ان کے سامنے ان کے بیٹے یہی حرکت کرتے تو وہ ان پر لازماً شرعی حد جاری کرتے اور اس میں کسی مُروت رعایت، کو دخل نہ دیتے۔ لیکن حضرت عثمانؓ بعض مہاجرین کی طرح یہ نہ چاہتے تھے کہ حضرت عمرؓ کے شہید کیے جانے کے مابعد ان کا لڑکا بھی قتل کر دیا جائے۔ اور ان کی خلافت کا آغاز گذشتہ خلیفہ کے لڑکے کے قتل سے ہو۔ اس واسطے اُنھوں نے اس الجھن سے نکلنے کے لیے حضرت عمرو بن العاص کی رائے پر عمل کیا۔

اس واقعہ کی نوعیت پر اگر غور کیا جائے۔ تو آج بھی اس کی کوئی خاص اہمیت نہیں ہے لیکن اسلام میں اس واقعہ کے حدوث نے ایک ہلچل مچا دی؛

(۴۰)

حضرت عثمانؓ کا اجتہاد

قرآن کی رُو سے جو قومیں "اہلِ کتاب" شمار ہوتی ہیں، وہ یہود و نصاریٰ ہیں، جزیہ انہی لوگوں سے لیا جا سکتا ہے، عیسائی یا یہودی عورت سے نکاح بھی کیا جا سکتا ہے، اور نصرانیوں اور یہودیوں کے ہاتھ کا ذبیحہ بھی کھایا جا سکتا ہے، ان کے علاوہ جو قومیں ہیں، وہ اہلِ کتاب نہیں شمار ہوں گی، اور ان کے ساتھ اگرچہ رعائتیں کی جائیں گی، مفاداری کا برتاؤ کیا جائے گا، ان کے دینی معاملات، اور پرسنل لا میں کسی طرح کی مداخلت نہیں کی جائے گی، لیکن ان کے ساتھ بہرحال اہلِ کتاب کا سا برتاؤ نہیں کیا جائے گا۔

لیکن آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے، ہجر کے مجوس پر یہ احسان فرمایا کہ ان سے اہلِ کتاب کے مانند جزیہ لے لیا، اور اس طرح انہیں وہ سہولتیں عطا فرما دیں، جو صرف، اہلِ کتاب ہی کو حاصل ہو سکتی تھیں، حالانکہ کھلی ہوئی بات ہے مجوس مشرک ہیں، پھر آں حضرت ؐ کے اس اسوہ کی روشنی میں حضرت عمر رضؓ نے اپنے عہدِ خلافت میں، فارس کے مجوسیوں کے ساتھ وہی سلوک کیا، جو ہجر کے مجوس کے ساتھ کیا گیا تھا، یعنی ان سے جزیہ لے لیا،

حضرت عثمانؓ کے دور میں، جب تیز رفتاری کے ساتھ، فتوحات کا سلسلہ شروع ہوا، تو افریقہ کے بربر بھی مغلوب و مفتوح ہوتے، یہ بالکل اجڈ وحشی، اور سر تا سر مشرک تھے، ان کے شرک کے بارے میں کسی طرح کی تاویل بھی نہیں کی جا سکتی تھی، لیکن حضرت عثمان رضؓ نے اجتہاد سے کام لے کر، بربر سے بھی جزیہ لے لیا، اور انہیں وہی سہولتیں عطا فرمائیں جو آں حضرت ؐ نے ہجر کے اور حضرت عمر رضؓ نے فارس کے مجوس کو عطا فرمائی تھیں، ؎

حضرت عثمانؓ کا یہ واقعہ جہاں اُن کی فراست وبیدا کا بہترین ثبوت ہے وہاں وہ اُن کی معاملہ فہمی، تدبیر، اور مصلحت شناسی پر بھی دلالت کرتا ہے، ان کا یہ اقدام ہر اعتبار سے مصالح امت کے مطابق تھا، چنانچہ اُنھوں نے غور کیا جب ہجر اور فارس کے مجوس ذمّی بنائے جا سکتے ہیں، اور ان سے جزیہ لیا جا سکتا ہے، تو یہی سلوک، بربر کے ساتھ کیوں نہیں کیا جا سکتا، جب کہ مشرک دونوں میں مشترک ہے،

واقعہ کی تاریخی تفصیل اس کی شاہد ہے کہ جانشین رسول ؐ کا برتاؤ، مفتوحین کے ساتھ حد درجہ روادارانہ، عادلانہ، اور مساویانہ تھا، فتح کے بعد انہیں تنگ اور پریشان نہیں کیا جاتا تھا، بلکہ، ان کے لیے ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر سہولتیں پیدا کی جاتی تھیں،

اب اصل واقعہ ملاحظہ ہو:۔

مجھ سے حدیث بیان کی الحسین نے، اُنہوں نے کہا ہم سے حدیث بیان کی یحییٰ بن آدم نے ان سے ابن المبارک نے ان سے یونس بن یزید الایلی نے، ان سے الزہری نے اور ان سے سعید بن المسیب نے:۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجوس ہجر سے اور (حضرت) عمرؓ نے مجوس فارس سے اور (حضرت) عثمانؓ نے بربر سے جزیہ لیا ۔

ہم سے الحسین نے، ان سے یحییٰ نے، ان سے عبداللہ بن ادریس نے، ان سے مالک بن انس نے اور ان سے الزہری نے اسی کی مثل حدیث بیان کی ۔ (۱)

---

(۱) فتوح البلدان، ص ۱۲۱

اس واقعہ کو ہم نے اس لیے زیادہ اہمیت دی کہ آج کل کچھ ارباب سیاست ان حقائق پر غور نہیں فرماتے، چنانچہ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ، آج ان مثالوں کی پیروی نہیں کی جاسکتی، حالانکہ یہ غلط ہے، آج تو سب سے زیادہ ضرورت ہے، ان مثالوں پر پیروی کرنے کی ۔

(۵)

بغاوت کا صلہ

حضرت عمرؓ کے زمانہ میں متعدد مقامات تھے، جن پر مسلمانوں کا غلبہ اور تسلط ہوگیا، اور ان کی زندگی تک کام خوش اسلوبی سے چلتا رہا، کسی طرح کی شورش، یا سرکشی، یا بغاوت ظہور میں نہیں آئی، لیکن ان کے انتقال کے بعد متعدد مقامات پر بغاوت اور شورش کے شعلے بھڑک اُٹھے، چنانچہ، آرمینیا جو حضرت عمرؓ کے زمانہ میں فتح ہوا تھا، حضرت عثمانؓ کے سریر آرائے خلافت ہونے کے بعد، باغی ہوگیا، بغاوت کی سزا قتل و غارت ہی کی صورت میں دی جاسکتی ہے، ہمیشہ سے یہی ہوتا آیا ہے، اور شاید ہمیشہ ایسا ہی ہوتا رہے گا۔ چنانچہ آرمینیا کے باغیوں کی سرکوبی کے لیے بھی اسلامی فوجیں روانہ ہوئیں، باغیوں نے ڈٹ کر مقابلہ کیا، لیکن بالآخر اسلامی فوجوں کے سامنے ٹھہر نہ سکے، چنانچہ :—

> جب حضرت عثمانؓ کے عہد میں آرمینیا میں بغاوت ہوئی تو ۲۶ھ (۶۴۶ء) میں آپ نے حضرت معاویہ بن سفیانؓ کو جنہیں آپ شام اور جزیرہ کا گورنر بنا چکے تھے حکم دیا کہ وہ دوبارہ آرمینیا پر چڑھائی کریں۔ حضرت معاویہؓ نے حبیب بن مسلمہؓ الفہری کو جو حضرت عمرؓ کے زمانہ میں بھی آرمینیا پر چڑھائی

کر چکے تھے، چھ ہزار فوج دے کر وہاں بھیجا، حبیب بن مسلمہ نے قالیقلا کا محاصرہ کر لیا، جب شہر والوں کو ہر طرف سے مدد پہنچنی بند ہو گئی تو وہ مجبوراً اس شرط پر صلح کے طالب ہوئے کہ اگر ان کو امان دے دی گئی تو وہ جزیہ دینے کے لیے تیار ہیں چنانچہ یہ شرط قبول کر لی گئی۔ قالیقلا کو سر کر لینے کے بعد وہاں کے کئی باشندوں کو جلا وطن کر دیا گیا کیونکہ وہ سخت فتنہ پرداز اور فسادی تھے۔

اس واقعہ میں چند قابل غور امور نظر آتے ہیں:

(۱) باغیوں نے، اسلامی فوج کے پہنچنے کے بعد، کسی ندامت کا اظہار نہیں کیا، نہ اطاعت پر آمادگی ظاہر کی، لڑے اور ڈٹ کر لڑے،

(۲) جب کوئی آس باقی نہیں رہ گئی۔ تو صلح پر تیار ہوئے،

(۳) اسلامی لشکر نے، ان کی اس کمزوری سے فائدہ نہیں اٹھایا، بلکہ صلح کر لی، اور جزیہ عائد کر دیا۔

(۴) کسی قسم کی انتقامی کارروائی۔ اسلامی فوج کی طرف سے نہیں کی گئی حالانکہ باغیوں کا طرزِ عمل اس کا متقاضی تھا، کہ ان کے ساتھ، سختی کا برتاؤ کیا جاتے۔

(۵) حد یہ ہے کہ جو لوگ، حد درجہ فتنہ طراز، فساد انگیز، اور شورش پسند ثابت ہوئے، انہیں بھی نہ قتل کیا گیا، نہ جیل میں بند کیا گیا۔ نہ غلام بنایا گیا، نہ کسی اور طرح کی سختی کی گئی، بس یہ کیا گیا کہ انہیں جلا وطن کر دیا گیا۔ تاکہ سانپ کے دانت ٹوٹ جائیں اور وہ دوبارہ نہ ڈس سکے، یہ اگر سزا تھی تو اس سے ہلکی۔ اور نرم سزا کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا، ہمارے سامنے

حال کے جو واقعات ہیں، وہ تو یہ ہیں کہ، دو آزاد، اور خود مختار قومیں جو ہرگز ایک دوسرے کی مطیع اور محکوم نہیں ہوتیں، جب لڑتی ہیں تو فاتح قوم، مغلوب قوم کے تمام سربر آوردہ، اصحاب پر حب وطن کے جرم میں مقدمے چلاتی ہیں، اور اُنہیں پھانسی پر لٹکا دیتی ہے۔ ان کی جائداد ضبط کرلیتی ہے اور اُنہیں عبرت انگیز سزا دیتی ہے، حالانکہ ان کا جرم حب وطن کے سوا، کچھ نہیں ہوتا اُنہیں سزا اس لیے دی جاتی ہے کہ، اُنھوں نے اپنی قوم کا ساتھ کیوں دیا، اور "دشمن" سے کیوں لڑے لیکن اسلامی عہد حکومت میں ایسا کبھی نہیں کیا گیا، ——؟

(۶)

فتوحات عثمانی

حضرت عثمان کے دور میں ایک عجیب بات نظر آتی ہے کہ، اسلامی فوجوں کے غلبہ اور تسلط کا سلسلہ مختلف اطراف میں جاری رہا۔ رُوم کے کئی قلعے سر ہوتے، ایران کے کئی شہروں کو مطیع کیا گیا، بربر علاقہ تک اسلامی فوجیں پہنچیں، اور وہاں بھی مسلمانوں کا پرچم لہرانے لگا،

لیکن ان تمام مقامات میں سے کہیں بھی ایسا نہیں ہوا کہ مسلمانوں نے غیر مسلموں پر، ان کی بدعہدی، فساد انگیزی، شرارت، بغاوت اور سرکشی کے باوجود ظلم کیا ہو، انتقام لیا ہو، مسلمانوں کی تلواریں اُس وقت تک چمکتی رہیں، جب تک دشمن برسرِ جنگ رہا، لیکن جہاں وہ ہتھیار ڈالنے اور صلح کرنے پر تیار ہوا، فوراً ہی مسلمانوں کی تلواریں نیام میں چلی گئیں،

اسکندریہ کو دوبارہ فتح کیا گیا۔ لیکن جب فتح حاصل ہوگئی۔ تو جنگ کرنے والوں کے ساتھ پوری پوری رعایت کی گئی، ان سے کوئی تاوان نہیں لیا گیا۔ ان

پر جرمانہ نہیں کیا گیا۔ انہیں کسی طرح ستایا نہیں گیا، جزیہ پر دوبارہ معاملہ کر لیا گیا، (۱) اور ان کی پچھلی تمام خطائیں معاف کر دی گئیں،

ایران اور عراق میں بھی یہی صورتِ حال قائم رہی، اسلامی فوجیں اپنے ساتھ نرمی اور ملاطفت کا تحفہ لے کر پہنچیں، انتقام تعزیہ اور سزا کی تلوار لے کر نہیں،

" ایران کی حدود خلفاء راشدین کے عہد میں موجودہ ایران کی حدود سے بہت وسیع تھیں، اس زمانہ میں بلوچستان افغانستان، آذربائیجان، کردستان اور مشرقی آرمینیا کا وہ حصہ جو بحر قزوین سے ملتا ہے سب مملکتِ ایران میں شامل تھے مسلمانوں نے اس کے اکثر حصہ کو فتح کر لیا تھا اور ان علاقوں میں جو عرب کی سرحد سے ملتے تھے مسلمانوں کی پائدار سلطنت قائم ہوگئی تھی لیکن وہ علاقے جو عرب کی سرحد سے دور تھے وہاں مسلمانوں کا قبضہ اور تسلط مستحکم نہ تھا۔ بعض حصے ایسے بھی تھے جہاں عہد فاروقی میں مسلمان پہنچے بھی نہ تھے۔

حضرت عثمانؓ کی خلافت کے تیسرے سال کردوں نے بغاوت کی تو حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ نے اس بغاوت کو فرو کرنے اور باغیوں کو مغلوب کرنے کا ارادہ کیا، انہوں نے لوگوں کو جہاد کی ترغیب دی لیکن ساتھ ہی یہ کام بھی کیا کہ اپنا سارا مال و متاع چالیس خچروں پر بار کر لیا۔

اہلِ بصرہ دیکھ کر کہ ہمارے حاکم کے پاس اس قدر ساز و سامان ہے، بہت برہم ہوئے اور ان کے ایک وفد نے حضرت عثمانؓ سے جا کر سارا قصہ بیان کیا۔ اس پر حضرت عثمانؓ نے ابوموسیٰ کو ان کے عہدے سے معزول کر دیا اور ان کی جگہ اپنے ماموں زاد بھائی عبداللہ بن عامر قریشی کو مقرر کیا جو اس وقت

---

(۱) فتوح البلدان،

پچیس سال کے تھے۔ نیز ابوموسیٰ اور عثمان بن ابی العاص والی عمان و بحرین کا سارا لشکر عبداللہ بن عامر کی زیر سرکردگی کر دیا۔ عبداللہ نے عبیداللہ بن معمر کو خراسان سے ہٹا کر فارس بھیج دیا اور خراسان کا والی عمر بن عثمان بن سعد کو بنا دیا۔ یہ تبدیلیاں کرنے کے بعد انہوں نے اپنے لشکر کو ساتھ لیکر پیش قدمی شروع کی اور بڑھتے بڑھتے فرغانہ تک پہنچ گئے۔ دوسرے اُمرا کو بھی انہوں نے آگے بڑھنے کا حکم دیا اور اس طرح مسلمانوں کا لشکر چین کی حدود تک جا پہنچا۔

کچھ عرصہ بعد اہل فارس نے عبیداللہ بن معمر کے خلاف بغاوت کر دی اصطخر کے مقام پر دونوں فریقوں کا مقابلہ ہوا جس میں عبیداللہ مارے گئے جب یہ خبر ابن عامر کو پہنچی تو وہ ایک لشکر لے کر فارس کی طرف روانہ ہو گئے اصطخر کے مقام پر ایرانیوں کی فوجوں سے ان کا مقابلہ ہوا جس میں ایرانیوں کو شکست فاش اُٹھانی پڑی اور شہر پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا۔ اصطخر کو فتح کرنے کے بعد ابن عامر نے اپنے لشکر کو آگے بڑھایا۔ اور جور کے شہروں کو فتح کیا۔ اس اثنا میں اصطخر والوں نے پھر بغاوت کر دی۔ ابن عامر لوٹے اور اصطخر کا محاصرہ کر لیا۔ محاصرہ طویل عرصہ تک جاری رہا۔ آخر منجنیقوں کے ذریعہ شہر پر سنگ باری کر کے اس کو فتح کر لیا۔ اس جنگ میں ہزاروں ایرانی مارے گئے۔

ان فتوحات سے فارغ ہو کر ابن عامر بصرہ واپس ہوئے۔ ابھی وہ بصرہ پہنچے بھی نہ تھے کہ انہیں خراسان میں بغاوت کی خبریں ملیں۔ وہ زیاد کو بصرہ میں اپنا قائم مقام بنا کر خراسان کی طرف چل کھڑے ہوئے۔ سجستان کو فتح کرنے کے لیے ربیع بن زیاد حارثی کو اور کرمان کو مغلوب کرنے کے لیے مجاشع بن مسعود سلمی کو مقرر کیا اس کے بعد نیشاپور روانہ ہوئے ہراول دستہ پر احنف بن قیس کو متعین کیا۔ سب سے پہلا مقابلہ طبسین پر ہوا۔ یہ دو قلعے تھے اور

خراساں کے لیے دروازوں کا کام دیتے تھے، ان کو فتح کرنے کے بعد فوج کے سرداروں کو نیشاپور کے علاقوں کی طرف روانہ کیا اور انہوں نے اس کے ارد گرد کا سارا علاقہ فتح کر لیا۔

احنف بن قیس طخارستان کی طرف چلے۔ پہلے سواد نجرد پہنچے۔ وہاں کے باشندوں نے تین ہزار درہم پر صلح کر لی۔ پھر مروالروذ کی طرف رخ کیا۔ پہلے تو وہاں کے باشندے مقابلہ میں آئے۔ لیکن پھر صلح کر لی۔ اس کے بعد انہوں نے بلخ نامی قصبہ پر قبضہ کر لیا۔

جب اہل طخارستان نے دیکھا کہ احنف بڑھتے ہی چلے آتے ہیں تو انہوں نے ایرانیوں اور ترکوں پر مشتمل ایک بہت بڑا لشکر جمع کیا۔ احنف سے ان کا مقابلہ کیا۔ اور ان کو شکست فاش دی۔ اس کے بعد وہ بلخ کی طرف روانہ ہوئے جو طخارستان کا دارالحکومت تھا اور اس کو بھی فتح کر لیا۔

باقی سرداران فوج میں سے مجاشع بن مسعود سلمی کرمان گئے۔ پہلے انہوں نے دارالحکومت سیرجان کو فتح کیا اس کے بعد ارد گرد کے شہروں اور علاقوں پر حملے شروع ہو گئے۔ ربیع بن زیاد حارثی سجستان پہنچے اور تمام علاقہ فتح کر لیا۔ عبداللہ بن حازم نے قارن کا رخ کیا اور اسے فتح کر لیا۔

ان تمام فتوحات میں بھی اس طرح کی مثال نہیں ملتی جو مسلمانوں کے ظلم اور زیادتی کی طرف اشارہ بھی کرتی ہو۔

(۷)

بربر قبائل

ہم بتا چکے ہیں کہ حضرت عثمان نے اجتہاد سے کام لے کر، مجوس کی طرح بربر سے بھی جزیہ وصول کیا، اور اس طرح، ایک بہت بڑا طبقہ اسلام کا حلقہ

بگوش بن گیا،

یہ بربر رومیوں کے باجگذار تھے، مسلمانوں سے جزیہ پر صلح کر لینے کے بعد پھر اُنھوں نے رومیوں کا دباؤ نہیں مانا۔ آج تو اُنھوں نے دیکھ لیا، مسلمانوں کا ان کے ساتھ برتاؤ، رومیوں کے مقابلہ میں کہیں بہتر اور انسانیت نواز تھا، شاید یہی وجہ تھی کہ بربر نے جزیہ کی صورت میں جتنی رقم مسلمانوں کو خوشی خوشی دے دی، اتنی رومیوں کو، جبر وجور کے باوجود کبھی نہیں دی ــــ!

چنانچہ ان سے پہلی مرتبہ جو جزیہ وصول ہوا۔ اس کی میزان سترہ ہزار دینار تھی، (۱)

(۸)

ہرات کا صلحنامہ

عبداللہ بن عامر نے ہرات پر فوج کشی کی، مرزبان ہرات نے، جنگ کی صورت میں فلاح نہ دیکھی، صلح پر آمادہ ہوگیا، چنانچہ دس لاکھ درہم سالانہ خراج ادا کرنے کی شرط پر صلح ہوگئی، صلح نامہ کی عبارت کا یہ حصہ خاص طور پر قابل غور ہے:ــــ

بسم اللہ الرحمن الرحیم	
ھذا ما امر بہ عبد اللہ بن عامر عظیم ھراۃ و بوشنج و باد غیس امرہ	یہ معاہدہ صلح، عبداللہ بن عامر حاکم ہرات، وبوشنج، و بادغیس کی طرف سے ہے۔
بتقوی اللہ ومناصحۃ المسلمین واصلاح ما تحت	حاکم ہرات کو لازم ہے کہ وہ خدا سے ڈرتا رہے، اور مسلمانوں کا خیر خواہ رہے، اور جتنی زمین اس کے

(۱) ابن خلدون،

بید یه من الارضین	تصرّف اور قبضہ میں ہے اسے درست
وصالحہ عن ھرات	رکھے، اور اسے آباد رکھنے کی کوشش
یسھلھا وجبلھا	کرے،
علی ان یؤدی من الجزیۃ	ہرات کی ساری زمین، خواہ وہ
ما صالحہ علیہ وان	میدانی ہو یا کوہستانی، اس صلح کے ذیل
ھیسم ذلک علی الارضین	میں آتی ہے، حاکم ہرات رقم مقررہ
عدلا بینھم فمن منع	اپنی اور اپنے ماتحتوں سے حصہ رسدی
ما علیہ فلا عھد لہ	وصول کر کے ادا کرتا رہے، عدل کو کام
ولا ذمۃ	میں لائے، البتہ جو شخص اپنا حصہ دینے
	سے انکار کرے گا، اس کا عہد
	امان فسخ ہو جائے گا، اور وہ مسلمانوں
	کے "ذمہ" میں نہیں رہے گا، (۱)

(۹)

تحفہ قبول کرنے میں احتیاط

سب جانتے ہیں حضرت عمرؓ تیز مزاج تھے، یہی وجہ تھی کہ عوام و حکام سب ان سے خائف اور لرزاں و ترساں رہتے تھے، لیکن حضرت عثمانؓ نرم خو، نرم مزاج اور نرم طبیعت تھے، اور یہ صفت اس درجہ بڑھی ہوئی تھی، کہ اس سے بعض لوگوں نے ناجائز فائدہ بھی اٹھایا، لیکن فائدہ جو کچھ اٹھایا گیا۔ وہ صرف آپس میں تھا، غیر مسلموں کا جہاں تک تعلق ہے۔ عہد عثمانی کے عمال وحکام ان کے ساتھ، اس وضع احتیاط پر قائم تھے، جو عہد عمرؓ کی خصوصیت

(۱) کامل ابن اثیر،

تھی، چنانچہ اس سلسلہ میں ہم ایک واقعہ خاص طور پر پیش کرتے ہیں، جو ہمارے دعوے کا بہترین ثبوت ہے:

احنف نے خوارزم کی طرف کوچ کیا، اور بلخ میں اپنا قائم مقام اسید کو کر گئے۔ اس زمانہ میں پارسیوں کی عید مہرجان ہوتی، اہل بلخ نے اپنے حاکم اسلام کو اس موقع پر بہت سے تحفے اور ہدیے بھیجے، یہ درہم، دینار، ہیرے جواہرات طلائی و نقرئی، پارچہ جات وغیرہ پر مشتمل تھے۔

اسید نے خیال کیا، یہ سارا سامان، جزیہ کی صورت میں پیش کیا جا رہا ہے، چنانچہ انہوں نے متحیر ہو کر کہا، صلح تو ہم نے درہم و دینار پر کی ہے۔ پھر یہ سازو سامان کیسا؟ پارسیوں نے عرض کیا، بجا ارشاد ہوا، لیکن یہ پیش کش جزیہ کی نہیں، تحفہ اور ہدیہ کی ہے اور ہمارا ہمیشہ سے یہ دستور چلا آتا ہے کہ اس یوم سعید پر ہم اپنے سرداروں اور حاکموں کی خدمت میں تحفے اور ہدیے پیش کرتے ہیں' —!

یہ سن کر اسید نے کہا، میں سمجھا نہیں کہ یہ کیا معاملہ ہے ابھی تو میں اس مال کو رکھے لیتا ہوں، پھر بعد میں فیصلہ کروں گا کہ اسے قبول کروں یا نہ کروں'؟

چنانچہ اسید نے سارا مال و متاع امانت کے طور پر الگ رکھوا لیا، پھر جب احنف واپس آئے، تو ان سے ماجرا بیان کیا۔ احنف نے اہل بلخ کو بلا کر استفسار کیا، انہوں نے جواب میں وہی کہا، جو اسید سے کہا تھا، احنف وہ سب

مال اپنے سردار عامر کے پاس لے گئے، اور سارا واقعہ اُن کے گوش گذار کر دیا،

ابن عامر نے کہا، ٹھیک ہے، تم یہ مال قبول کر لو، مگر احنف نے اسے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ (۱)

(۱۰)

کرمان کی بغاوت اور اطاعت

کرمان، حضرت عمر فاروق کے عہد میں فتح ہوا تھا، آپ کی حیات تک یہاں کے لوگ، اطاعت کی زندگی بسر کرتے رہے، لیکن حضرت عثمان کے سریر آرائے خلافت ہونے کے بعد، انہوں نے عہد شکنی کی، اور بغاوت کے مرتکب ہوئے، عبداللہ بن عامر نے، مجاشع بن مسعود سلمی کو حکم دیا کہ وہ یہ مہم سر کریں، مجاشع نے حمید کو فتح کر لیا، اہل کرمان نے دیکھا، مسلمانوں کے دبدبہ اور طنطنہ میں کوئی فرق نہیں آیا ہے۔ اپنی غلطی پر نادم ہوئے اور صلح کی درخواست لے کر حاضر ہوئے، اور جزیہ دینے پر آمادگی ظاہر کی، ان کی اس ندامت کو دیکھ کر، ان کے ساتھ نرمی کا برتاؤ کیا گیا۔ اور جزیہ پر ان سے صلح کر لی گئی، (۲)

(۱۱)

قبرص کی بغاوت

۳۲ھ میں اہل قبرص نے بغاوت کی، فتح کے بعد سے اب تک یہ مطیعانہ زندگی بسر کر رہے تھے، لیکن رومیوں کے بہکانے سے یہ بغاوت پر

---

(۱) کامل ابن اثیر،

(۲) کامل ابن اثیر، نیز ابن خلدون،

آمادہ ہو گئے۔ مسلمانوں کا یہ دستور تھا کہ وہ دوست کے دوست اور دشمن
کے دشمن تھے، جب تک اہلِ قبرص ٹھیک رہے، مسلمانوں نے ان کے ساتھ
کوئی ناگوار سلوک نہیں کیا، لیکن جب اُنھوں نے تلوار اُٹھائی، تو مسلمانوں نے
بھی میان سے تلوار نکال لی، چنانچہ ۳۳ھ میں، مسلمانوں کی ایک فوج ان
کی سرکوبی کے لیے پہنچی، باغی مقابلہ کی تاب نہ لاسکے، اُن کی اکڑی ہوئی
گردن، سرِ تسلیم بن کر خم ہوگئی، کافی کشت و خون کے بعد یہ لوگ امان کے
طالب ہوئے، سالارِ لشکرِ اسلام نے ان کی جاں بخشی کی، اور سابقہ معاہدہ کی تجدید
کردی۔ (۱)

اس سلسلہ میں یہ پہلو خاص طور پر قابلِ غور ہے کہ، بغاوت کے بعد جب
دوبارہ اہلِ قبرص سے صلح کی گئی، تو ان پر نئے شرائط نہیں ٹھونسے گئے
بلکہ اتنی نرمی اختیار کی گئی کہ بالکل سابقہ معاہدہ پر پھر سے دستخط کر دیئے
گئے۔

کیا یہ رواداری، اور سیر چشمی، اور عالی حوصلگی کی انتہا نہیں ہے؟

(۱۲)

نجران کے عیسائی

نجران کے عیسائیوں کا معاملہ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ
سے لے کر، عہدِ ابوبکرؓ و عمرؓ اور پھر عہدِ عثمانؓ میں تازہ ہوتا رہا،
آں حضرتؐ کے زمانہ میں یہ لوگ، مطیع ہوئے، اُنھوں نے جزیہ دینا
منظور کیا، اور اپنے علاقہ میں بدستور مقیم رہے، حضرت ابوبکرؓ کے زمانہ میں
اُنھوں نے کچھ پر پرزے نکالے، لیکن نہ ایسے کہ ان کے خلاف کوئی کارروائی ضروری

---

(۱) کامل ابن اثیر

ہوتی، چنانچہ ان کے عہد میں بھی یہ بدستور اپنی زمینوں پر قابض اور متصرف رہے، اور عافیت و اطمینان کی زندگی بسر کرتے رہے، حضرت عمرؓ کے زمانہ میں اُنہوں نے کچھ سازوسامان جنگ جمع کیا، گھوڑے جمع کیے، ہتھیار جمع کئے، حضرت عمرؓ نے تاڑ لیا، یہ اب شرارت پر آمادہ ہیں، چنانچہ اُنہوں نے اس حدیث نبوی کے پیش نظر کہ عرب میں، دو مذہب —— اسلام اور کفر —— نہیں رہ سکتے، اُنہیں جلا وطن کر کے عراق بھیج دیا، اُنہیں نقل مکان کی زحمت تو ہوئی، لیکن اور کسی طرح کی تکلیف سے یہ دو چار نہیں ہوئے کیونکہ زمین کے بدلہ میں اُنہیں زمین دے دی گئی۔ اور یہ سُکھ کی زندگی حسب معمول بسر کرنے لگے،

حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں یہ لوگ بارگاہ خلافت میں حاضر ہوئے۔ اور نجران میں دوبارہ مقیم ہونے کی اجازت چاہی، اور جزیہ وصول کرنے والوں کے طرز عمل کی کچھ شکایت بھی کی۔ حضرت عثمانؓ نے اُنہیں دوبارہ نجران میں بسنے اور آباد ہونے کی اجازت تو نہیں دی البتہ ان کے ساتھ حسن وسلوک میں اور اضافہ کر دیا، تاکہ ان کی تالیف قلوب ہو، اور وطن چھٹنے کا انہیں جو صدمہ ہے، وہ دور ہو جائے۔

چنانچہ اس سلسلہ میں حضرت عثمانؓ نے جو فرمان بارگاہ خلافت سے صادر فرمایا تھا اس کے الفاظ یہ ہیں: ——

"امابعد، میرے پاس نجران کا عاقب اور اسقف اور (چند) معززین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان لیکر آئے اور وہ پروانہ بھی اُنہوں نے مجھے دکھایا جو عمرؓ نے اُنہیں دیا تھا، میں نے اس کے متعلق عثمان بن حنیف سے گفتگو کی، اُنہوں نے

کہا: میں ان لوگوں کے معاملے میں تحقیق کرکے اس نتیجہ پر
پہنچا ہوں کہ یہ (شرط) زمینداروں کے لیے بہت نقصان دہ
ہے، کیونکہ اس کی وجہ سے وہ اپنی زمینوں سے محروم ہو
جاتے ہیں۔ بنابریں میں ان کی زمین کے معاوضہ میں لوجہ
اللہ ان کے جزیہ میں سے دو سو حلّے کم کر دیتا ہوں، اور ان
کے حق میں تمہیں وصیت کرتا ہوں اس لیے کہ یہ وہ قوم ہے
جس کے لیے ذمہ ہے۔" (۱)

ان الفاظ سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت عثمان رضؓ نے نجران کے نصاری
کے ساتھ حسن و سلوک کی تاکید فرمائی، لیکن جب پورا فرمان ہمارے سامنے
آتا ہے، تو صورت واقعہ کی مکمل تصویر سامنے آجاتی ہے، اب وہ ملاحظہ
فرمایئے:۔

اما بعد!

"اہل نجران، اپنے سربرآوردہ اصحاب کے ساتھ، میرے پاس
آئے، انہوں نے مجھ سے شکایت کی، اور عمر رضؓ کا وہ معاہدہ دکھایا، جو انہوں
نے جلا وطن کرتے وقت انہیں دیا تھا، میں نے ان کا حال معلوم کیا، اور جو
تکلیف و ایذا مسلمانوں سے (جزیہ وصول کرنے کے سلسلہ میں) انہیں پہنچتی
رہی ہے، وہ بھی معلوم ہوئی، چنانچہ میں نے (اشاعت اور تالیف قلب
کرتے ہوئے) ان کے جزیہ میں تخفیف کر دی ہے، اب تیس ۳۰ حلّے سالانہ ان
کے جزیہ میں سے معاف کیے جاتے ہیں، یہ رعایت (————) انہیں
دی جاتی ہے، عراق میں جو زمین، عمر رضؓ نے ان کی یمن کی زمین کے معاوضہ میں

(۱) فتوح البلدان، ص۷۱

دی تھی، میں بھی اسے بحال رکھتا ہوں، اور تمہیں تاکید کرتا ہوں کہ ان کے ساتھ نیکی سے پیش آؤ، میں تمہیں نصیحت کرتا ہوں کہ یہ لوگ ذمی ہیں، اور ہمارے عہد میں اور ہماری پناہ میں ہیں۔ میں انہیں پہلے سے جانتا ہوں، تم یہ کرو عمرؓ کا عہد نامہ دیکھ لو، اور اس کے مطابق کارروائی کرو، جس قدر زمین اس میں لکھی ہے وہ پوری کی پوری انہیں دے دو، دوسرے جو شرائط ہیں ان پر بھی عمل کرو۔"

(۱۳)

شرائط صلح

اہل قبرص کی بغاوت کا ذکر ہم کر چکے ہیں، اور یہ بھی بتا چکے ہیں کہ اس بغاوت کو کچلنے کے بعد، مسلمانوں نے کوئی انتقامی کارروائی نہیں کی، بلکہ سابقہ شرائط پر تجدید صلح کر لی،

لیکن یہ سابقہ شرائط کیا تھے، یہ بھی معلوم کر لیں، تو بہتر ہوگا، جب قبرص کے باشندے کسی طرح مسلمانوں کے حملہ کی تاب نہ لا سکے، تو انہوں نے حسب ذیل شرائط پر صلح کی،

(۱) ہر سال سات ہزار دینار، خراج کے طور پر اہل قبرص دیا کریں گے۔

(۲) اگر ذمی دشمن پر اس کی شرارت کے باعث مسلمان حملہ کریں، تو اہل قبرص مسلمان فوجوں کو اپنے حدود سے گذرنے کی اجازت دیں گے۔ اور کوئی مزاحمت نہیں کریں گے۔

(۳) اہل قبرص کے دینی اور شخصی معاملات میں مداخلت نہیں کی جائے گی۔

(۴) مسلمانوں کے ساتھ اہل قبرص کا رویہ دوستانہ رہے گا،

مسلمانوں کے اس جنگی بیڑے کا امیر البحر، عبداللہ بن قیس حارثی تھے، اس فتح نے مسلمانوں کے تسلط کا سارے، افریقہ پر امکان پیدا کر دیا، اور یورپ ان کی اس بحری طاقت سے لرزنے لگا، عبداللہ اپنے فن میں ایسے یکتا تھے، اور ایسی شجاعت اور دلیری کے ساتھ اُنھوں نے اپنے فرائض انجام دیئے کہ اُن کی کارکردگی کے عہد میں نہ کوئی سپاہی غرق آب ہوا، نہ کوئی جہاز ڈوبا، اس سلسلہ میں یہ بات یاد رکھنی چاہیئے کہ عبداللہ، کو کم و بیش پچاس بحری جنگیں لڑنا پڑیں،

(۱۴)
برقہ کی فتح

مصر کی فتح سے عمرو بن العاص کے حوصلے بلند ہوگئے، وہ تھے بھی بڑے موقع شناس، مدبر، بیباک اور جری، ان میں وہ تمام صلاحیتیں موجود تھیں جو ایک قائد میں ہونی چاہیئں، وہ حکمت سے کام لینا بھی جانتے تھے، اور تلوار سے بھی، جب مصر پر قبضہ مکمل ہوگیا، اور رُومی، مقابلہ کی تاب نہ لاکر بھاگ کھڑے ہوئے تو انہوں نے مغرب اقصیٰ پر اپنی توجہ مبذول کی، اور یہاں بھی فتوحات کا ایک نہ ختم ہونے والا سلسلہ قائم کر دیا، سب سے پہلے وہ برقہ پہنچے، یہاں تک پہنچنے کے لیے اُنہیں ریگستان کی سختیاں برداشت کرنا پڑیں، لیکن ان کی پیشانی پر شکن تک نہ آئی، وہ یہاں پہنچے، اور دشمن ان کے مقابلہ میں نہ ٹھہر سکا، آخر اس نے تین ہزار درہم سالانہ بطور جزیہ دینے کا عہد کرلیا۔ اور صلح ہوگئی۔(۱) یہ فتح حضرت عمرؓ کے زمانہ میں ہوئی تھی، لیکن کامل قبضہ اور تسلط حضرت عثمانؓ کے عہد میں ہوا، اور ایک مثال بھی ایسی نہیں

---

(۱) فتوح البلدان،

ملی کہ مسلمان فاتحوں نے غیر مسلم مفتوحوں کے ساتھ ناروا اور نامناسب سلوک کیا ہو،

(۱۵)

قبطیوں کی وفاداری

مصر پر مسلمان جب قابض ہوئے، تو اُنھوں نے حسب معمول غیر مسلموں کے ساتھ، شریفانہ اور عادلانہ سلوک کیا، اس سلوک سے قبطی بہت متاثر ہوئے۔ اس لیے کہ وہ دیکھ چکے تھے کہ مسلمانوں سے پہلے، رومیوں کے عہد میں ان کے ساتھ کیسا تلخ برتاؤ ہوتا تھا۔ حالانکہ یہ رومی، مذہبی اور ثقافتی اور تہذیبی اعتبار سے ان سے بہت قریب تھے، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ، وہ مسلمانوں کو رومیوں کے مقابلہ میں ترجیح دینے لگے،

چنانچہ حضرت عثمانؓ کے سریر آرائے خلافت ہونے کے بعد، جب مسلمانوں نے حضرت عمرؓ کی پالیسی ترک کرکے مصر سے آگے بڑھنا شروع کیا، تو رومیوں کو شرارت اور بغاوت کا موقع مل گیا، اسکندریہ میں، جو رومی مقیم تھے، اُنھوں نے شاہ روم کو پوشیدہ طور پر اطلاع دی کہ اس سے اچھا وقت مسلمانوں کے قلع قمع کا نہیں مل سکتا، اس سے فائدہ اٹھا لیجئے، اس وقت یہاں صرف ایک بڑا جنگ جو مسلمان ہے۔ اس کا آسانی سے قلع قمع ہو سکتا ہے، باقی عام شہری ہیں، وہ رومیوں کا بحری بیڑہ دیکھ کر سراسیمہ ہو جائیں گے، مسلمانوں کی فوج کا بڑا حصہ، اس وقت بیرونی جنگوں میں مصروف ہے ——!

شہنشاہ روم، مصر پر دوبارہ قبضہ کرنے کے لیے، بے چین تھا، وہ اس وسیع زرخیز، اور سرسبز و شاداب علاقہ سے دست بردار ہونا نہیں

چاہتا تھا، اس کا بحری بیڑہ واقعی بہت بڑا تھا، بجا طور پر کہا جا سکتا ہے کہ سمندر پر اس کی ضرورت تھی، چونکہ مسلمان رومیوں کی طرف سے کوئی اندیشہ نہیں رکھتے تھے، اس لیے اُنھوں نے کوئی تیاری اس سلسلہ میں نہیں کی تھی۔

اسکندریہ کے رومیوں کی طرف سے جب یہ اطلاع ملی ——————

واضح رہے کہ اسکندریہ کے رومی، ذمّی کی حیثیت سے رہ رہے تھے، اور مسلمانوں کا برتاؤ انکے ساتھ بہت اچھا تھا —— تو اپنے جاسوسوں کی کارگزاری پر بہت خوش ہوا، اور مانویل پادری کی سربراہی میں ایک بیڑہ بھیج دیا، یہ راتوں رات اسکندریہ کی بندرگاہ میں لنگرانداز ہوگیا، رومیوں کی مدد اسکندریہ کے ذمّی عیسائیوں نے کی، مسلمان سپاہی واقعی بہت کم تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ، رومی ایک مرتبہ پھر اسکندریہ پر قابض ہوگئے، اور قابض ہوتے ہی اُنھوں نے قتل و غارت، اور کشت و خون کا لرزہ خیز سلسلہ شروع کر دیا جو عرب سپاہی وہاں موجود تھے ان کا بڑا حصّہ شہید ہوگیا —!

اس سلسلہ میں، سب سے زیادہ اہم اور قابلِ توجہ جو بات ہے وہ یہ کہ وہاں کے قبطی مسلمانوں کے ساتھ رہے: اُنھوں نے رومیوں، اور عیسائیوں کی ذرا بھی مدد نہیں کی، اور بعد میں اس "جرم" کے باعث رومیوں کے ظلم و تعدی کے شکار بنے، لیکن اُنھوں نے مسلمانوں کا ساتھ نہیں چھوڑا، اور رومیوں کا ساتھ نہیں دیا، ——! (۱)

(۱۶)

"جرم" کی سزا

قبطیوں کا یہ جرم واقعی بہت بڑا، سنگین، اور قطعاً ناقابلِ معافی تھا،

---

(۱) معجم البلدان

رومی واقعی اس کی توقع نہیں رکھتے تھے کہ قبطی انہیں چھوڑ کر، مسلمانوں کا ساتھ دیں گے، اور عین اس وقت، جب وہ مسلمانوں کو قتل کر رہے تھے ان کے مفتوحہ مقامات فتح کر رہے تھے، اور اسکندریہ پر قابض ہو چکے تھے، یہ قبطی رومیوں سے بالکل الگ تھے، اگر ساتھ دیتے تھے تو مسلمانوں کا،

نتیجہ یہ ہوا کہ رومیوں نے جس طرح مسلمانوں کو لوٹا اور مارا، بالکل یہی سلوک انہوں نے قبطیوں کے ساتھ بھی کیا، ان کی تمام قیمتی چیزیں لوٹ لیں، ان کے املاک اور جائداد پر قبضہ کر لیا، اس طرز عمل کا انجام یہ ہوا کہ اب تک اگر قبطی ڈھکے چھپے مسلمانوں کا ساتھ دیتے تھے تو اب کھل کر میدان میں آ گئے، اور مسلمانوں کے دوش بدوش مصروف کار ہو گئے (۱)

دنیا میں، اس طرح کے واقعات صرف مسلمانوں ہی کے دور حکومت میں مل سکتے ہیں کہ مفتوحوں اور محکوموں نے ایسے نازک وقت پر، جب وہ آسانی سے آزاد ہو سکتے تھے، اور مسلمانوں کا قلع قمع کر سکتے تھے، وہ ہر طرح کے شور و شر سے الگ رہے، اور مسلمانوں کا صداقت اور وفاداری کے ساتھ دیتے رہے ۔

(۱۷)

فتح افریقہ

فتح افریقہ بھی عہد عثمانی کا ایک شاندار اور حیرت انگیز تاریخی واقعہ ہے، یہ واقعہ اس سلسلہ کی ایک کڑی ہے، جس نے مسلمانوں کی کامرانی میں اضافہ کیا، اور وہ سیل رواں کی طرح آگے بڑھتے رہے،

تاریخ کی زبان یہ واقعہ اس طرح بیان کرتی ہے: —

---

(۱) فتوح البلدان،

حضرت عبداللہ بن ابی سرح کا مصر پر پورا اقتدار قائم ہوگیا تو انہوں نے حضرت عثمانؓ سے افریقہ پر چڑھائی کرنے کی اجازت مانگی جو انہیں مل گئی، اس پر انہوں نے بڑے زور شور سے تیاری شروع کر دی، تیاری مکمل ہونے پر وہ مصر سے نکلے اور تیونس کی حدود پر جا کر دم لیا، مصر اور تیونس کا درمیانی فاصلہ ساحل کے راستے سوا تین سو میل کا ہے — لیکن صحرائی راستہ کی مسافت بہت کم ہے۔ اس واسطے عبداللہ نے اسی راستے کو اختیار کیا اور صحرا سے گذر کر اپنی منزل کی طرف بڑھنا شروع کیا۔

عبداللہ بن ابی سرح نے بغیر سوچے سمجھے ہی چڑھائی نہیں کر دی بلکہ پورے غور و فکر اور سوچ بچار کے بعد اس کام کا بیڑہ اٹھایا، انہوں نے پہلے چھوٹے چھوٹے لشکر بھیجے تاکہ رومیوں کی طاقت کا اندازہ ہو سکے، جب ۱۲ آئی ٹھن گئی تو رومیوں کے سردار غرنیوار نے اپنی فوج میں یہ اعلان کیا کہ جو شخص ابن ابی سرح کو قتل کرے گا، میں اپنی بیٹی کی شادی اس سے کروں گا اور اس کو ایک ہزار انعام دوں گا،

جب ابن ابی سرح کو یہ خبر پہنچی تو انہوں نے بھی اپنے لشکر میں یہ منادی کرادی کہ جو شخص غرنیوار کو قتل کرے گا میں اس کو ایک ہزار دینار انعام دوں گا اور اس کی بیٹی کی شادی اس سے کروں گا۔

صبح کے وقت مبیطلہ کے قریب رومیوں اور عربوں کے

درمیان زبردست معرکہ شروع ہوا۔ سبیطلہ جنوبی تیونس کے مشرقی علاقہ کا مشہور شہر ہے جو آج تک اپنی قدیم جگہ پر واقع ہے۔ رومیوں کی تعداد عربوں سے کہیں زیادہ تھی، لیکن مسلمانوں نے ہمت نہ ہاری اور بڑے حوصلہ اور جواں مردی سے میدان میں ڈٹے رہے جب مسلمانوں نے دیکھا کہ لڑائی تیز سے تیز تر ہوتی جا رہی ہے۔ اور ہماری فتح کی کوئی صورت نظر نہیں آتی تو ابن زبیر نے ابن ابی سرح کو یہ صلاح دی کہ فوج کا ایک حصہ میدان جنگ سے ہٹا لیا جائے اور باقی فوج دشمن سے لڑتی رہے، جب دشمن کی فوج تھک جائے تب بقیہ تازہ دم فوج کو میدان میں لایا جائے اور اس طرح دشمن کو تباہ و برباد کر دیا جائے۔

ادھر ابن زبیر نے رومی سپہ سالار پر تاک لگائی اور چند سواروں کو اپنے ساتھ لیکر اس پر حملہ کر دیا۔ وہ اس اچانک حملہ سے سنبھل نہ سکا اور ابن زبیر کے نیزے نے اس کا کام تمام کر دیا۔ اس کے قتل سے رومیوں کی ہمت چھوٹ گئی اور مسلمانوں کے حوصلے پہلے سے بھی بلند ہو گئے، انہوں نے رومیوں پر فوراً ایک زبردست حملہ کر دیا اور ان کی صفوں کی صفیں کاٹ کر رکھ دیں رومی اس حملے کی تاب نہ لا سکے اور بے تحاشا بھاگنا شروع کر دیا۔ مسلمانوں نے ان کا میلوں تعاقب کیا۔ سینکڑوں رومیوں کو قتل اور ہزاروں کو قیدی بنا لیا۔ اس طرح عربی لشکر سبیطلہ اور اس کے قلعہ پر قابض ہو گیا۔

فتح حاصل ہونے کے بعد عبداللہ بن ابی سرح سبیطلہ میں

ٹھہرے رہے اور اسے اپنی فوجی سرگرمیوں کا مرکز بنا کر شمالی جنوبی اور مشرقی علاقوں میں فوجیں بھیجنی شروع کر دیں۔ ان کے لشکر قفصہ، سبیطلہ کے غمست کے قلعوں تک پہنچ گئے۔ ابن زبیر نے ساحل کا رُخ کیا وہاں پہنچ کر سوسہ پر حملہ کیا اور اس کو فتح کیا۔

رومی کوئی چارۂ کار نہ دیکھ کر پہاڑوں میں جا چھپے۔ انہوں نے اپنے انجام پر نظر کر کے یہ فیصلہ کیا کہ ابن ابی سرح کو یہ پیشکش کی جائے کہ وہ ان سے تین سو قنطار سونا لے کر ان کے علاقہ سے دست بردار ہو جائیں، چنانچہ ابتدائی بات چیت کے بعد دونوں فریقوں کی صلح کانفرنس ہوئی جس میں مندرجہ ذیل شرائط طے پائیں:

(۱) رومی تاوانِ جنگ ادا کریں گے جس کی مقدار تین سو قنطار سونا ہوگی۔ (۱)

(۲) مسلمان ان کے شہروں سے اپنا قبضہ ہٹا لیں گے اور اس علاقہ سے نکل جائیں گے۔

(۳) مسلمانوں نے صلح سے قبل جو مالِ غنیمت حاصل کیا ہوگا وہ انہی کے پاس رہے گا۔ لیکن صلح کے بعد اگر انہوں نے کچھ حاصل کیا ہوگا تو وہ لوٹانا ہوگا۔ (۱)

اس جنگ کو دیکھئے، فتح و شکست کے مناظر دیکھئے، پھر شرائط صلح پر ایک نظر ڈالیے، اور اگر کہیں بھی مسلمانوں کی زیادتی، ناانصافی، ظلم، شقاوت

---

(۱) خلفائے محمدؐ، حصہ سوم سیرت عثمانؓ۔

سفاکی، درندگی، اور بہیمیت کا کوئی واقعہ نظر آئے، اس کی نشان دہی کردی لیکن ایسا نہیں ہو سکے گا، مسلمانوں کی زیادتی اور ظلم کی نشان دہی ان کے بدترین نکتہ چین، اور عیب جو دشمن بھی نہیں کر سکے، پھر کوئی اور بتا سکے گا - ؟

(۱۸)

یہ بُت واپس لے لو

حضرت عثمان کے عہد میں اسلامی مملکت کے حدود بہت زیادہ وسیع ہو گئے، یہ حدود ایک طرف ہندوستان سے ملتے تھے، دوسری طرف شمالی افریقہ کے ساحل سے، اور تیسری جانب یورپ کے دروازہ تک، توسیع مملکت کے اس دس سالہ دور میں بہت سی خون ریز لڑائیاں ہوئیں، طرفین کے آدمی قتل اور شہید ہوئے، صلح کے معاہدے مرتب ہوئے، اور ان معاہدوں پر مفتوحوں نے عمل بھی کیا، اور انہیں توڑا بھی، جب تک وہ عمل کرتے رہے اسلامی حکومت اپنے "ذمہ" کو نباہتی رہی، ان کی سرپرستی کرتی رہی - ان کے ساتھ رحم و کرم کا برتاؤ کرتی رہی، اور انہوں نے ان معاہدوں کو توڑا، خیانت کا ارتکاب کیا، پیمان شکنی کی، تو حکومت اسلامیہ کے قشون قاہرہ، پھر تلوار سونت کر میدان میں پہنچ گئے، لیکن جیسے ہی دشمن نے ندامت کا اظہار، یا اطاعت کا اعلان کیا مسلمانوں کی تلوار میان میں چلی گئی، بغیر کسی انتقام کے، بغیر کسی سزا کے، بغیر نئے شرائط کے انصاف کے، پھر قدیم شرائط پر صلح کر لی گئی، جنہوں نے پیمان شکنی کی تھی، پھر ان پر اعتماد کر لیا گیا،

پھر محو ہو گئیں تری وعدہ خلافیاں
پھر اعتبار ہے مجھے عہد جدید کا

سجستان فتح کرنے کے بعد، عبدالرحمان کی فوجیں، کابل کی طرف بڑھیں،

اور کامیابی کے ساتھ، مختلف بستیوں اور مقامات کو فتح کرتی ہوئی دُور تک پہنچ گئیں، یہاں کے لوگ، مسلمانوں سے لڑنے کے لیے کوہ رونہ میں جمع ہوئے۔ عبدالرحمان تو آتے اس لیے تھے، انھوں نے اس اقدام کا خیر مقدم کیا، اور ان لوگوں کو اپنے محاصرہ میں لے لیا، محاصرہ میں آنے کے بعد اُنہیں اندازہ ہوا کہ یہ جنگ سر نہیں ہو سکتی، مسلمانوں سے مقابلہ نہیں کیا جا سکتا، جنگ کا نتیجہ تباہی، بربادی اور ہلاکت کے سوا کچھ نہ ہوگا، چنانچہ انھوں نے صلح کی استدعا کی، جو منظور کر لی گئی،

اس پہاڑ میں ایک طلائی بت نصب تھا، یہ بت کھوکھلا نہیں، اس کی آنکھیں یاقوت سُرخ کی تھیں، اور جسم ٹھوس سونے کا، عبدالرحمان ایک فاتح کی حیثیت سے جب وارد ہوئے، تو ان کی نظر اس بت پر پڑی، وہ آگے بڑھے، انھوں نے بت کے ہاتھ قطع کر دیئے، اس کی آنکھیں نکال لیں، اور وہاں کے مرزبان، یعنی سردار قوم سے فرمایا:

"تم نے دیکھ لیا، یہ بت کچھ نہیں کر سکتا، نہ نفع پہنچ سکتا ہے، نہ نقصان، میں اسے لینا نہیں چاہتا، لے جاؤ تم اسے"[1]

چنانچہ بت واپس کر دیا گیا، صلح نامہ پر دستخط ہو گئے، اور وہاں کے باشندوں کو وہی حقوق حاصل ہو گئے، جو عملی طور پر مسلمانوں کو حاصل تھے،

(۱۹)

ذمیوں کے سبب عمرو بن العاص کی معزولی،

عمرو بن العاص کو حضرت عثمان نے معزول کر دیا، اس معزولی کے متعدد اسباب

---

(۱) طبری

بیان کیے جاتے ہیں، اور تاریخی تلاش و تفحص کے بعد گو ان کی فہرست مختصر رہ جاتی ہے، لیکن اس کا تنوع بہرحال قائم رہتا ہے، لیکن ان اسباب میں ایک اہم ترین سبب، یہ تھا کہ اسکندریہ کی بغاوت کچلنے کے سلسلہ میں، اُنہوں نے ذمیوں پر، زیادتیاں کیں ——— گو یہ ذمی معصوم نہیں تھے، موقع پرست اور قابلِ اعتبار تھے، لیکن جزاء سیئۃ سیئۃ مثلھا کے حدود سے تجاوز کرنا بہرحال روحِ اسلام کے منافی تھا، اور حضرت عثمان رض جیسا شخص، مسند رسول ؐ پر بیٹھ کر، اس زیادتی کو کبھی نہیں برداشت کر سکتا تھا، چنانچہ جن ذمیوں کو عمرو بن العاص نے لونڈی اور غلام بنا لیا تھا، حضرت عثمان نے اُنہیں۔

(۱) آزاد کیا،

(۲) اور ان کے مستقر پر واپس کر دیا،

(۳) اور عمرو بن العاص سے مصر کی ولایت چھین لی، (۱)

اس واقعہ سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ، اسلام کی نظر میں، مسلمانوں کی پناہ میں آئے ہوئے ذمیوں کی کیا حیثیت اور کتنی زیادہ اہمیت ہے، یہ واقعہ اس زمانہ کا ہے جب دوسری قومیں اور ملتیں، محکوموں کے ساتھ، ذرا ذرا سی باتوں پر سفاکانہ برتاؤ کی عادی تھیں، اور رواداری، فراخ حوصلگی، اور سیر چشمی کا یہ برتاؤ کرنے والے مسلمان جب بھی کافروں کے پنجہ میں گرفتار ہوتے تھے، تو ان کی اس خصوصیت کو نظر انداز کر کے زیادہ سے زیادہ ہدفِ انتقام بنایا جاتا تھا، لیکن ان واقعات سے وہ ذرا بھی بددل نہیں ہوتے، اپنا فریضہ مزد و صلہ سے بے نیاز ہو کر، وہ ہر حال میں انجام دیتے تھے۔

---

(۱) یعقوبی - ج ۱

(۲۰)

حضرت عثمان پر الزام

حضرت عمرؓ کے صاحبزادے عبیداللہؓ نے، ایک عیسائی ذمی، جفینہ کو اس شبہ میں قتل کر دیا کہ وہ بھی ابولولو کا شریک کار تھا، یا اس سازش میں شریک تھا، اسلام کا قانون سب کے لیے یکساں ہے، وہ بڑے اور چھوٹے میں کسی طرح کی تفریق نہیں کرتا، اسلام کا قانون اس کی اجازت نہیں دیتا کہ کوئی شخص کسی حادثہ سے متاثر ہو کر قانون کو اپنے ہاتھ میں لے لے، خود ہی الزام لگائے، خود ہی فیصلہ کرے، خود ہی سزا کا حکم سنائے، اور خود ہی اسے نافذ کر دے، جرم قاضی کی عدالت میں لگانا چاہیئے، وہ شہادتوں کو پیش نظر رکھ کر فیصلہ کرے گا۔ لیکن عبداللہ بن عمرؓ نے یہ طریقہ نہیں اختیار کیا، جس پر شبہ تھا۔ اسے قتل کر دیا، گو وہ مسلمان نہیں عیسائی تھا، لیکن مسلمانوں کے ذمہ میں تھا۔ اور اب اس کا اور ایک مسلمان کا خون قیمت میں ایک ہو چکا تھا،

اصول کا تقاضہ تو یہی تھا کہ قصاص لیا جاتا، اور حضرت علیؓ نے رائے بھی یہی دی تھی، لیکن حضرت عثمانؓ نے اپنے تدبر سے ایک درمیانی راستہ پیدا کیا، یعنی مقتول کے ولی کی حیثیت سے خون بہا اپنے پاس سے ادا کر دیا" اور بات ختم ہو گئی۔

لیکن مسلمانوں کے ایک بڑے گروہ کے دل میں یہ بات بہرحال کھٹکتی رہی چنانچہ، حضرت عثمانؓ کے آخر دور حیات میں، جو سراسر شورش، بدامنی اور انقلاب کا دور تھا، مخالفین نے جو الزامات آپ کی ذات گرامی پر لگائے ان میں سے ایک یہ تھا کہ آپ نے "عبداللہ بن عمرؓ سے جفینہ کے قتل کا قصاص نہیں لیا، یا" (۱)

---

(۱) کامل ابن اثیر،

حضرت عثمان کی ذات گرامی پر یہ الزام کسی طرح ثابت نہیں ہو سکتا۔ قطعاً غلط ہے، یقیناً بے بنیاد ہے، لیکن اس سے یہ بات بہرحال ثابت ہوتی ہے کہ ایک ذمی کے قتل کا قصاص نہ لیا ——— اگرچہ خون بہا دیا گیا ہو، اور قصاص نہ لینے میں خواہ کتنے ہی مصالح پوشیدہ ہوں ——— ایک ایسا سنگین واقعہ تھا، جسے مخالفین اچھال کر عامۃ المسلمین کے مذہبی جذبات بھڑکاتا، اور حضرت عثمان کے خلاف فضا پیدا کرنا چاہتے تھے، اگر ذمی کا خون اتنی غیر معمولی اہمیت نہ رکھتا ہوتا، تو کوئی وجہ نہیں تھی کہ اس کا اتنا چرچا کیا جاتا،

(۲۱)
دبیل کے کافروں سے عہد نامہ

حبیب بن مسلمہ نے فتح و کامرانی کے بعد دبیل کے عیسائیوں، یہودیوں اور مجوسیوں سے جو عہد نامہ کیا تھا، وہ تاریخ کا ایک زریں ورق ہے، مجوس اگرچہ اہل کتاب نہیں تھے لیکن ان کے ساتھ وہی سلوک کیا گیا، جو اہل کتاب کے ساتھ کیا جاتا تھا، اس معاہدہ کی روح تمام تر رواداری اور عفو و کرم ہے۔ اس کا ایک لفظ بھی ایسا نہیں ہے جس سے تشدد اور انتقام کی بو آتی ہو۔ تفصیل یہ ہے:———

> حبیب بن مسلمہ یہاں سے چلکر (بعہد عثمان غنیؓ) ازدوساط پہنچے یہ القریز کا قریہ تھا ——— اور نہر الا کراد عبور کرکے مرج دبیل پر اترے اپنا رسالہ (شہر کی طرف) بھیجا، پھر خود آگے بڑھے اور اس کے دروازہ پر خیمہ زن ہوئے، اہل شہر نے قلعہ گیر ہوکر ان

(۱) ابن حوقل، ص ۱۱۱

پر سنگباری شروع کی لیکن جب انہوں نے ان پر منجنیق سے سنگباری شروع کی تو ڈر دو امان مانگنے لگے اور صلح کے خواستگار ہوئے، اور ان سے صلح کر لی گئی۔ ان کے سوار ترک تازیاں کرتے ہوئے جرزان پہنچے، پھر انہوں نے اشوش اور فات اللجم وحیس کو تہہ دو، وادی الاحرار پر چیاوتی چھائی اور دبیل کے تمام دیہات پر غالب ہو گئے انہوں سراج طیر و بغروند کی طرف بھی فوج بھیجی، یہاں کا بطریق امان کے پاس آیا اور اس سے اس قرارداد پر صلح کر لی کہ وہ خراج دے گا، مسلمانوں کا خیر خواہ رہے گا ان کی مہمان داری کرے گا، اور ان کے دشمنوں کے خلاف ان کی مدد کرے گا۔

دبیل کا صلحنامہ یہ تھا:-

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ حبیب بن مسلمہ کی یہ تحریر نصارائے اہل دبیل اور وہاں کے مجوس و یہود کے لیے ہے، عام اس سے کہ وہ حاضر ہوں یا غائب ہیں نے تمہاری جانوں تمہارے اموال تمہارے کنیسوں، تمہارے عبادت گاہوں اور تمہارے شہر پناہ پر تمہیں امان دی ہے، اب تم امان میں ہو۔ اور ہم پر تمہارے تو وفائے عہد فرض ہے حتیٰ کہ تم ادا کرو اور جزیہ و خراج دیتے رہو۔ حبیب بن مسلمہ نے اس پر اپنی مہر لگائی۔" (۱)

ذرا اس امان کی وسعت دیکھئے، جو لوگ حاضر ہیں موقع واردات پر موجود ہیں، ان کے لیے، تو اس امان کا پروانہ لکھا ہی

---

(۱) فتوح البلدان ص ۲۰۵

جا رہا ہے، لیکن جو لوگ، شرمسار ہو کر، یا اپنے جرائم سے ڈر کر، بھاگ گئے ہیں، ان تک بھی یہ امان نامہ وسیع ہے، اس سے بڑھ کر عفو و کرم، اور بخشش و عطا کا نمونہ اور کیا ہو سکتا ہے؟

(۲۲)

اللہ اور اس کے ملائکہ کی گواہی

مسلمان جب کوئی معاہدہ کرتے تھے، تو سچائی اور امانت کے ساتھ کرتے تھے، ایسا کبھی نہیں ہوتا تھا کہ، قلم سے کچھ لکھیں۔ زبان سے کچھ کہیں اور عمل سے کچھ کریں، ان کے قلم، زبان اور عمل میں پوری ہم آہنگی ہوتی تھی، یہی حبیب بن مسلمہ جب تفلیس پہنچے، اور ایک فاتح اور کشور کشا کی حیثیت سے پہنچے تو وہاں کے باشندوں کے لیے یہ صلح نامہ لکھا دیا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۔ یہ تحریر حبیب بن مسلمہ کی طرف سے اہلِ تفلیس کے لیے ہے، جو جرزان القرمز کے علاقہ منجلیس میں واقع ہے، کہ ان کی جانوں اور ان کے بیعوں اور ان کے صومعوں اور ان کی نمازوں اور ان کے دین کے لیے امان ہے بشرطیکہ وہ عاجزی کا اقرار کریں اور گھروں کے تمام افراد پر ایک دینار جزیہ دیں۔ تمہارے لیے یہ جائز نہیں ہوگا کہ جزیہ میں کمی کرنے کی غرض سے کئی گھر ملا کر ایک کر دو اور نہ ہمارے لیے یہ جائز ہوگا کہ جزیہ میں اضافہ کرنے کی غرض سے گھروں میں تفریق کریں ہمارا حق یہ ہے کہ تم ہماری خیر خواہی کرو، اللہ اور اس کے رسول (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کے دشمنوں کے مقابلہ میں ہماری مدد کرو اور اہلِ کتاب کے طعام حلال

سے حاجتمند مسلمانوں کی ایک رات کے لیے میزبانی کرو، اگر کوئی
مسلمان رستہ بھول کر تمہاری طرف آنکلے تو مسلمانوں کی قریب ترین
آبادی تک پہنچا دو۔ لیکن اس صورت میں کہ کوئی حائل ہو، تمہارے
لیے رخصت ہے ۔

اگر تم اللہ کی طرف رجوع ہو جاؤ گے اور نماز پڑھنے لگو گے تو
تم ہمارے دینی بھائی ہو، ورنہ تم پر جزیہ ہے، اگر مسلمان کسی دوسری
طرف مشغول ہو کر تمہاری حفاظت سے عاجز ہو جائیں اور تمہارا
دشمن تمہیں مغلوب کر لے تو اس کے لیے تم ماخوذ نہیں ہو گے اور
نہ یہ بات تمہارے عہد کے لیے ناقص ہوگی۔ یہ ہمارے حقوق
اور یہ تمہارے فرائض ہیں (۱)

یہ کوئی وقتی اور مصلحتی معاہدہ نہیں تھا، سچا اور پرخلوص عہد نامہ تھا، اسے
زیادہ سے زیادہ موثق اور معتبر بنانے کے لیے خدا اور اس کے فرشتوں کی گواہی
کرادی گئی ہے، کیا ایک مسلمان اس سے زیادہ بھی کچھ کر سکتا ہے، یہ وجہ نہیں تھی
کہ اس کا اتنا چرچا کیا جاتا ۔

(۲۴۳)

عتاق

حضرت عثمان جتنے بڑے دولت مند تھے، اتنے ہی زیادہ سخی، فیاض، اور
سیر چشم بھی تھے، وہ لوگوں کی مدد کرتے تھے، غریبوں کے کام آتے تھے، عزیزوں کے
ساتھ حسن سلوک سے پیش آتے تھے، دوستوں اور ساتھیوں کی امداد کرتے تھے، جسے

---

(۱) فتوح البلدان، صفحہ ۲۲۳

تباہ حال اور آشفتہ روزگار دیکھتے تھے، دل و جان سے اس کی اعانت پر آمادہ ہو جاتے تھے، ابتدائے اسلام میں قدم قدم پر آپ نے زر کو ہر نثار کیے، تاجدار نبوت کی خدمت میں اکثر آپ اپنی پونجی فخر و مسرت کے ساتھ نذر کیا کرتے تھے، غزوات احیاء کے موقع پر آپ کی مالی امداد ہمیشہ دوسروں سے زیادہ رہی، خدا کی راہ میں آپ نے دو لاکھ اشرفی کی جائداد وقف فرما دی تھی،[1]

غلاموں کی مشکلوں اور بے بسی پر آپ کا دل کڑھا کرتا تھا، آپ کا معمول تھا کہ ہر جمعہ کو ایک غلام آزاد کرتے تھے،

غلاموں کے ساتھ آپ کا برتاؤ حد درجہ شفقت اور رحم و کرم کا تھا، آپ بہت بڑے دولت مند تھے، گھر میں غلاموں کی کھیپ کی کھیپ موجود تھی، لیکن عالم یہ تھا کہ رات کو تہجد کے وقت عبادت کے لیے اٹھتے، خود ہی پانی لیتے اور وضو کر لیتے۔ آپ سے کہا گیا، آخر یہ اتنے غلام کس لیے ہیں، کیوں نہیں ان میں سے کسی کو آپ جگا لیتے؟ جواب میں آپ نے فرمایا،

میں ان کے آرام میں خلل نہیں ڈالنا چاہتا، یہ آرام کر رہے ہیں۔ (۲)

غرض عہد عثمانی پر ایک سرسری نظر ڈالی جائے، تو بآسانی اندازہ ہو سکتا ہے کہ اس عہد میں بھی عہد رسالتؐ کی طرح اور دور صدیقیؓ و فاروقیؓ کی طرح غیر مسلموں کے ساتھ زیادہ سے زیادہ مراعات، اور رواداری کا برتاؤ کیا گیا، انہیں کسی طرح کی تکلیف نہیں دی گئی، ان پر کوئی ظلم نہیں کیا گیا، ان کی ہر طرح سے پاسبانی اور نگہداشت کی گئی، !

---

(۱) ابن سعد ج ۳،

(۲) ابن سعد ج ۳،

دورِ مرتضوی

اب حضرت علیؓ کا دورِ خلافت شروع ہوتا ہے،——

خلفائے راشدین میں حضرت علی گوناگوں خصائص کے حامل ہیں، آپ کی تربیت آغوشِ نبویؐ میں ہوئی، شعور کی آنکھ کھولی تو اپنے ابن عمؐ کو خدائے واحد کی پرستش کرتے، شرک کی مخالفت کرتے، اور ہر طرح کی بے سروسامانی کے باوجود، مشرکوں اور کافروں کا مقابلہ کرتے دیکھا، لیکن ایک تماشائی کی حیثیت سے، آپ نے بے تامل اسلام قبول کرلیا، اور اس راستہ میں کسی ایثار اور قربانی سے گریز نہیں کیا، کافروں اور مشرکوں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جتنی لڑائیاں لڑنی پڑیں، حضرت علی اپنے پورے شکوہ شجاعت کے ساتھ ان میں شریک رہے بدر کی لڑائی میں، علی کا جوشِ شہادت، اپنی مثال آپ نظر آتا ہے، احد کے معرکہ میں جو گنتی کے چند لوگ، آخر وقت تک ثابت قدم رہے۔ ان میں علی کا جگمگاتا ہوا چہرہ کتنا روشن دکھائی دیتا ہے۔ جنگِ خندق میں جنگِ بنو قریظہ میں اور پھر جنگِ حنین میں، غرض کسی جنگ اور کسی معرکہ میں علی کے سرفروشانہ کارنامے تاریخ کا ایک ناقابلِ فراموش واقعہ نہیں ہیں؟ اور ایسا کیوں نہ ہوتا۔ کوہِ صفا پر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وانذر عشیرتک الاقربین

کی تعمیل کرتے ہوئے، اپنے اہل خاندان کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا،

اے بنو مطلب!

میں تمہیں اس سرائے فانی، اور عالم باقی کی سب سے اچھی اور گراں مایہ نعمت کی طرف دعوت دیتا ہوں، تم میں سے کون ہے جو میرا ساتھ دے؟ تم میں سے کون ہے جو میری رفاقت اور اعانت کا حق ادا کرے؟ ——————!

محمدؐ کے منہ سے یہ الفاظ نکلے، مگر حاضرین میں سے صرف ایک چھوٹا سا بچہ آگے بڑھا اس نے کہا۔

"میں اگرچہ کمزور و ناتواں ہوں پھر بھی آپ کا ساتھ دوں گا آپ کی مدد کروں گا"

یہ آواز علیؓ ابن ابی طالب، اسد اللہ الغالب کی تھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین بار اس سوال کا اعادہ فرمایا اور ہر مرتبہ علی ہی کا جواب فضا میں گونجا اور کوئی شبہ نہیں عہد طفلی سے لے کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات تک علیؓ نے زندگی کے ہر مرحلے پر آپ نے بھائی اور خدا کے رسولؐ کا ساتھ دیا بڑے سے بڑے خطرہ کی بھی پروا نہ کی اور اپنے عہد رفاقت پر قائم رہے

اب ہم حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی حیات گرامی کے چند واقعات پیش کرتے ہیں، یوں تو حضرت علی کی زندگی، مجموعۂ صفات تھی، وہ آنحضرتؐ کے دور میں، ان تمام ذمہ داریوں سے خوبی اور خوش اسلوبی کے ساتھ عہدہ برآ ہوتے رہے جو ایک بھائی، ایک مسلمان، اور ایک امتی کی حیثیت سے ان پر عائد ہوتی تھیں، یہی وجہ تھی کہ آنحضرتؐ نے انہیں اپنے سے وہ نسبت دی، جو ہارونؑ کو موسیٰؑ سے تھی، خم غدیر کے موقع پر آپؐ نے حاضرین کو مخاطب کر کے فرمایا:۔

من کنت مولاہ فعلی مولاہ

(جس کا میں مولا (دوست) ہوں، اس کا علی بھی مولیٰ ہے۔)

آں حضرتؐ کی وفات کے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ کے عہدِ خلافت میں حضرت علیؓ تمام مہمات امور میں ان کے مشیر تھے۔ یہی کیفیت حضرت عمرؓ کے زمانہ میں بھی رہی، چنانچہ ایک موقعہ پر علی کی اصابت رائے اور فراستِ مومن سے متاثر ہو کر انہوں نے فرمایا :۔

لولا علی الھلک عمر

یعنی

"اگر علی نہ ہوتا عمر ہلاک ہو گیا ہوتا۔"

پھر حضرت عثمانؓ کے عہد میں بھی وہ برابر اُلجھے ہوئے معاملات کو سلجھانے کی سعی کرتے رہے، اور معاملاتِ رشت کو روبراہ کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذا نہیں فرمایا :۔

چنانچہ عہدِ جدید کا ایک مورخ ابوالفرج لکھتا ہے[1] :۔

"ہمارا خیال ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ بھی آخری وقت میں حضرت علیؓ ہی کی خلافت کے لئے سوچتے تھے اور جانتے تھے کہ علیؓ آپ کے بعد لوگوں کی راہ نمائی اسی طریق پر کریں گے جس طریق پر حضرت ابوبکرؓ اور وہ خود کر چکے تھے۔ آپ نے حالتِ نزاع میں اس امر کی طرف اشارہ کیا بھی تھا لیکن حضرت علیؓ کو خلیفہ نامزد کرنا آپ نے پسند نہیں فرمایا بلکہ خلافت کے معاملہ کو چھ آدمیوں کے سپرد کر دیا۔ آپ کا غالب گمان یہی تھا کہ قوم حضرت علیؓ ہی کو خلافت کے لئے منتخب کرے گی لیکن ایسا نہیں ہوا، بلکہ حضرت عثمانؓ کی خلافت کے حق میں قوم کا اتفاق ہو گیا۔

تینوں خلفاءؓ کے عہد میں حضرت علیؓ ان سے بے حد قریب تھے اور تینوں کو ان پر بے حد اعتماد تھا۔ حضرت عمرؓ کے عہد میں نہ آپ کے خاص مشیروں میں سے تھے۔ حضرت عمرؓ ہر اہم معاملہ میں ان سے مشورہ لیتے اور احکام شرعیہ میں ان سے استفتا فرماتے تھے۔ سلطنت کے کاموں میں حضرت علیؓ پوری طرح دخیل تھے۔ آپ کے مشوروں کی قدر کی جاتی تھی، آپ کی رائے بڑے غور سے سنی جاتی اور اس پر عمل کیا جاتا تھا۔ حضرت عثمانؓ کی خلافت کے ابتدائی سالوں میں بھی حضرت علیؓ امورِ سلطنت میں اسی طرح دخیل رہے، جس طرح حضرت عمرؓ کے زمانہ میں تھے۔ لیکن جب حضرت عثمانؓ نے بنی امیہ کو مناصبِ جلیلہ سے نوازنا شروع کیا تو حضرت علیؓ نے اس بات کو ناپسند فرمایا اور اس کے بعد اس دلچسپی سے ملکی معاملات میں حصہ نہیں لیا جس طرح پہلے لیتے تھے۔

حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد خلافت کا بار آپ پر ڈالا گیا، اور آپ نے یہ منصب طوعاً و کرہاً قبول فرما لیا، لیکن اب حالات بگڑ چکے تھے، فتنہ کا دَور دورہ شروع ہو چکا تھا۔ عالم آشوب ہنگامہ آرائیوں کے نہ ختم ہونے والے سلسلہ کا آغاز ہو چکا تھا، خانہ جنگی، تفریق بین المسلمین، سازش اور جنگِ زرگری نے عالم اسلام میں ایک عجیب تہلکہ کی سی کیفیت پیدا کر دی تھی، حضرت علی کا عہدِ خلافت بہت مختصر رہا، اور یہ عرصہ بھی فتنہ و آشوب کے مقابلہ اور استیصال میں صرف ہوا، انہیں تعمیری اصلاحی اور تبلیغی کام کرنے کی فرصت بھی مہلت نہیں ملی، پھر بھی اگر ایک نظر ہم حضرت علیؓ کی زندگی پر ڈالیں، تو ہمیں معلوم ہوگا، ان حوصلہ فرسا حالات میں بھی وہ اپنے فرائض سے ایک لمحہ کے لئے بھی غافل نہیں ہوئے مسلمانوں کے ساتھ خلیفہ راشد کی حیثیت سے ان کا جو برتاؤ تھا وہ تو تھا ہی، لیکن غیر مسلموں کے ساتھ خاص طور پر، ان کا سلوک

اس درجہ عادلانہ اور رواداری تھا کہ اس کی مثال ملنا مشکل ہے، فقہ حنفی نے غیر مسلموں
اور ذمیوں کے سلسلہ میں، جو اصول اور قواعد مرتب کئے ہیں، ان کی بنیاد اور اساس
ہی حضرت علی کا یہ قول ہے کہ " ذمیوں کا خون ہمارے خون کی طرح (معزز و محترم)
ہے !"!

اب اس سلسلہ میں حضرت علیؑ کی حیاتِ گرامی کے چند واقعات پیش کرتے
ہیں ، :-

ا۔ کٹھن گھڑی

حضرت عمرؓ کو شہید کردیا گیا یہ بہت بڑا حادثہ تھا مدینہ کا ہر شخص سراسیمہ
پریشان اور مضطرب ہو گیا، خلیفۂ رسول کا قتل اور وہ بھی عمرؓ جیسے جلیل القدر
خلیفہ کا قتل کوئی معمولی حادثہ نہ تھا عبیداللہ ابن عمر نے ابولولو کے ۲ ساتھیوں کو جو
غیر مسلم اور ذمی تھے قتل کردیا ان کا خیال تھا حضرت عمرؓ کے قتل میں یہ دونوں
بھی شامل تھے ۔

لیکن اگر یہ شریک ہوتے تو بھی کیا شریعت اسلامیہ اس کی اجازت دیتی ہے
کہ قانون اپنے ہاتھ میں لے لیا جائے اور عدالت سے رجوع کئے بغیر شک کی
بناء پر ملزم کو موت کے گھاٹ اتار دیا جائے ؟ حضرت علی کا صاف اور بے لاگ
فیصلہ یہ تھا کہ ایسا نہیں ہو سکتا، جس شخص نے کسی ذمی کو قتل کیا ہے خواہ وہ کتنا
بڑا آدمی ہی کیوں نہ ہو اسے بھی موت کی سزا ملنی چاہیئے ۔

حضرت عثمانؓ جیسے ہی مسند خلافت پر بیٹھے سب سے پہلا مقدمہ ان کی
خدمت میں جو پیش ہوا یہی تھا، حضرت عثمان نے صحابہ کرام سے مشورت کی
حضرت علیؓ نے فرمایا عبیداللہ بن عمر کو قتل کی سزا ملنی چاہیئے حضرت علیؓ کی یہ

اس نے سُن کر حاضرین پر ایک سکتہ چھا گیا کوئی بھی یہ نہیں چاہتا تھا کہ کل حضرت عمرؓ قتل کئے گئے اور آج ان کے بیٹے کی گردن اڑا دی جائے، لیکن حضرت علیؓ کے فتویٰ کی شرعی حیثیت پر نکتہ چینی کرنے کی کسی میں جرأت نہ تھی، آخر عمرو ابن العاص کے مشورہ سے حضرت عثمان نے ایک درمیانی راستہ نکالا اور مقتولین کی دیت اپنے پاس سے ادا کر دی اور اس طرح یہ معاملہ ختم ہوا[1]

۲- ایک ذمّی دربار علیؓ میں

ذیل میں عہد مرتضوی کا ایک اور اہم واقعہ ہم درج کرتے ہیں جس سے شرع اسلامی میں ذمیوں کی اہمیت واضح ہوگی، آیاتِ قرآنی، احادیث نبوی، فقہ اسلامی یہ ثابت کرنے کے بعد کہ اگر کوئی مسلمان کسی ذمی کو قتل کر دے گا، تو وہ بھی سزائے قتل پائے گا، ابوبکر جصاص نے عہدِ خلافت راشدہ کی مثال و نظائر بھی پیش کئے ہیں۔ چنانچہ ابو الجنوب الاسدی کی روایت بیان فرماتے ہیں:۔

حضرت علی کے پاس اہلِ حیرہ کا ایک شخص	جاء رجل من اهل الحيرة
آیا، اس نے کہا، یا امیر المومنین ایک	الى على كرم الله وجهه
مسلمان نے میرے لڑکے کو قتل کر دیا اور اس	فقال يا امير المؤمنين رجل
کا میرے پاس ثبوت بھی ہے، چنانچہ اس نے	من المسلمين قتل ولى بينة
گواہوں کو پیش کیا اور انہوں نے گواہی	فجاء الشهود فشهدوا
دے دی، حضرت علیؓ نے ان گواہوں سے	وسال عنهم فزكوا
پوچھ گچھ کے بعد قاتل مسلمان کو طلب فرمایا	فامر بالمسلم فاقعد

---

[1] ابن اثیر ج ۳۔

على الجسرى سيفا وقال
اخرجوه معه الى الجبانة
فليقتله وامكناه من
السيف فتباطأ الجسرى
فقال له بعض اهله هل
لك فى الدية تعيش فيها
وتصنع عندنا يدا قال
نعم وغمد السيف واقبل
الى على فقال لعلهم سبوك
وتواعدوك ؟ قال لا والله
ولكنى اخترت الدية فقال
على انت اعلم، ثم اقبل على
على بقوم فقال اعطينا
هم الذى اعطيناهم لتكون
دماؤنا كدماءهم ودياتنا
كدياتهم (۱)

اور ایک تلوار جسری کے ہاتھ میں دے کر
فرمایا، قاتل کو قتل گاہ میں لے جاؤ تاکہ
یہ جسری اسے قتل کر دے۔ اس جسری سے
لوگوں نے کہا۔ کیا ایسا نہیں ہو سکتا، تم
دستِ قبول کر لو تاکہ ہم تمہارے ممنون
ہوں اور تم دیت کی رقم سے اطمینان کی
زندگی بسر کرو، جسری نے یہ بات مان لی،
تلوار میان میں رکھی، اور حضرت علیؓ کے
پاس واپس آیا، آپ نے کہا شاید لوگوں نے
تجھے برا بھلا کہا اور ڈرایا دھمکایا ہے؟
اس نے کہا نہیں خدا کی قسم نہیں میں
خوشی سے دیت لینے پر رضامند ہو گیا ہوں
حضرت علیؓ نے کہا، اگر یہ بات ہے
تو تم جانو، پھر مسلمانوں سے مخاطب
ہو کر کہا۔

"ہم نے ان ذمیوں کو وہ حقوق
دیئے ہیں کہ ہمارا خون ان کے خون کی
طرح اور ہماری دیت ان کی دیت کے
مانند ہو جائے (۱)

۱؎ احکام القرآن (جصاص)

(۳)

اہلِ کتاب کا احترام

یہی وہ مصالح تھے جنہیں پیشِ نظر رکھ کر بعد میں فقہانے اپنے اصول اور ضابطے مقرر کئے، فقہا عام کافروں کے مقابلہ میں اہلِ کتاب کو یعنی عیسائیوں اور یہودیوں کو زیادہ مراعات دیتے ہیں عام اس سے کہ وہ ذمی ہوں یا نہ ہوں یعنی مسلمانوں کے مفتوح ہوں یا اپنے علاقہ میں حاکمانہ زندگی بسر کرتے ہوں، انہیں جو حقوق حاصل ہیں وہ ہر حالت میں قائم رہیں گے۔ ان کے مسلمان ہو جانے کی صورت میں فقہ اسلامی کی رو سے تجدید نکاح کی ضرورت نہیں ہوگی

لایحل لمسلمة نکاح کافر ولا للمسلم نکاح کافرة الا الحرة الکتابیة ومتی اسلم زوج الکتابیة او اسلم الزوجان الکافران معاً فهما علی نکاحهما	مسلمان عورت کے لئے کافر مرد سے نکاح کرنا حلال نہیں۔ نہ کسی مسلمان مرد کا کافرہ عورت سے نکاح جائز ہے، سوا اس صورت کے کہ وہ عورت آزاد ہو۔ (لونڈی نہ ہو) اور کتابیہ ہو، کسی کتابیہ عورت کا شوہر اگر اسلام قبول کرلے۔ یا دونوں کافر میاں بیوی مسلمان ہو جائیں، تو ان کا نکاح قائم رہے گا۔[1]

۴۔ علیؓ اور معاویہ

حضرت علی کی خلافت تسلیم کرنے سے امیر معاویہ نے انکار کردیا اتمامِ حجت

---

[1] عمدة الفقه (ابن قدامه) صفحہ ۱۰۵ مطبوعہ مصر۔

کے بعد حضرت علی امیر معاویہ سے مقابلہ کے لئے نکلے امیر معاویہ کا لشکر ۹۰ ہزار افراد پر مشتمل تھا حضرت علی کی فوج ۷۰ ہزار تھی حضرت علی کی فوج کی ایک خصوصیت یہ تھی کہ اس میں ستر صحابہ وہ تھے جو جنگِ بدر میں آنحضرتؐ کے دوش بدوش کفار مکہ سے لڑ چکے تھے، سات سو صحابہ ایسے تھے جنہوں نے بیعتِ رضوان میں جانثاری کا عہد کیا اور چار سو عام مہاجر اور انصار تھے[1]

امیر معاویہ کا لشکر پہلے پہنچ گیا اور اس نے پانی کے گھاٹ پر قبضہ کر لیا حضرت علیؓ نے پہلے تو افہام و تفہیم کے ذریعہ امیر معاویہ کو اس طرز عمل سے روکنے کی کوشش کی لیکن وہ اپنے اس فیصلہ پر قائم رہے کہ لشکر علی کو پانی کا ایک قطرہ بھی نہیں دیا جائے گا۔ آخر حضرت علیؓ کے حکم سے، اشعث بن قیس کندی اپنے تیر اندازوں کو آگے لے کر بڑھے اور تیروں کا مینہ برسا دیا، پھر نیزے چلائے، پھر تلوار کی باری آئی امیر معاویہ کی طرف سے ابو الاعور جنگ کر رہے تھے ان کی کمک پر ایک بہت بڑا لشکر لے کر عمرو بن عاص بھی پہنچ گئے اشعث کی کمک پر حضرت علیؓ نے اشتر نخعی کو روانہ کیا آخر کار جنگ زور شور سے شروع ہو گئی[2]

اور بالآخر حضرت علی نے پانی پر قبضہ کر لیا اور دشمن کی فوجیں پیچھے ہٹنے پر مجبور ہو گئیں، اب موقع تھا کہ علی کا لشکر معاویہ کے لشکریوں کو پیاسا مارتا لیکن علی مرتضیٰ نے ایسا ادچھا انتقام پسند نہیں کیا، بلکہ اپنے لشکریوں کو حکم دیا کہ دشمن فوج کے کسی سپاہی کو پانی لینے سے نہ روکا جائے[3]

چنانچہ امیر معاویہ کے سپاہی نہایت اطمینان سے مشکیزے بھر بھر کر لے جانے

---

[1] یعقوبی ج ۲ (تاریخ اسلام) [2] ابن اثیر [3] طبری

گئے کسی طرح بھی وہ روک ٹوک سے دوچار نہیں ہوئے ابو النصر نے اس واقعہ کو اختصار لیکن جامعیت کے ساتھ لکھا ہے ملاحظہ کر لیجئے[1]

حضرت معاویہؓ اپنا لشکر لے کر صفین میں پہلے ہی پہنچ چکے تھے۔ انہوں نے اپنے لئے دریائے فرات کے متصل ایک وسیع وعریض میدان منتخب کر لیا تھا جہاں سے پانی لینا بہت آسان تھا۔ اس جگہ کے علاوہ جہاں حضرت معاویہ کی فوج نے قیام کیا تھا اور کوئی جگہ ایسی نہ تھی جہاں سے پانی لینا ممکن ہوتا۔ کیونکہ وہ علاقہ پہاڑی تھا اور دریا کے دونوں طرف اونچی اونچی پہاڑیاں کھڑی تھیں۔ دریا بھی اس جگہ بہت گہرا اور تیز تھا۔

حضرت معاویہؓ کی غرض اس جگہ کے منتخب کرنے سے یہ تھی کہ دونوں فوجوں میں باقاعدہ مقابلہ ہونے سے پہلے ہی حضرت علیؓ کی فوج کو پیاسا مار کر اپنے حق میں فیصلہ کرا لیا جائے۔ حضرت معاویہؓ کا خیال تھا کہ اس طرح اول تو مقابلہ کی نوبت ہی نہیں آسنے گی اور اگر آئی بھی تو پیاس سے نڈھال ہونے والی فوج زیادہ دیر تک ان کا مقابلہ نہیں کر سکے گی۔

لیکن حضرت معاویہؓ نے اپنی مخالف فوج کی قوت کا اندازہ غلط لگایا تھا کہ وہ بآسانی حضرت علیؓ کی فوج کو پانی لینے سے روک سکیں گے۔ لیکن انہوں نے یہ بات نظر انداز کر دی کہ ستر ہزار فوج پانی کو اپنے بالکل سامنے دیکھ کر کسی طرح صبر نہیں کر سکے گی اور اگر اسے پانی لینے کی اجازت نہ ملی تو وہ تلوار سے کام لے کر دشمن کو اپنے راستہ سے ہٹانے اور خود پانی پر قبضہ کرنے کی کوشش کرے گی جب حضرت علیؓ اپنے لشکر کو لے کر صفین کے میدان میں پہنچے تو انہوں

---

[1] خلفائے محمد، سیرت علی۔

نے دیکھا کہ حضرت معاویہؓ کے لشکر نے نہایت مناسب جگہ پر پڑاؤ ڈال رکھا ہے اور پانی پر اسی کا قبضہ ہے۔ جب آپ کے آدمیوں نے پانی لینے کے لئے دریا کی طرف بڑھنا چاہا تو دشمن کے سپاہی راستہ میں روک بن کر کھڑے ہو گئے اور انہیں دریا کی طرف بڑھنے سے روک دیا۔

حضرت علیؓ کی عادت تھی کہ آپ جس حد تک ممکن ہوتا تھا اپنے لشکر کو جنگ کرنے سے روکتے تھے۔ چنانچہ یہاں بھی آپ نے صلح صفائی سے کام لینا چاہا۔ اپنے ساتھیوں کو حکم دیا کہ وہ اس وقت تک کسی شخص سے چھیڑ چھاڑ نہ کریں جب تک وہ پانی کے بارے میں معاویہؓ کو خط نہ لکھیں اور وہاں سے جواب موصول نہ ہو جائے۔ آپ کی فوج کو پیاس نے بے حد تنگ کر رکھا تھا۔ اس نے کوئی ایسی جگہ تلاش کرنے کی کوشش کی جہاں سے پانی لینے میں آسانی ہو۔ لیکن وہ اپنی کوشش میں کامیاب نہ ہو سکی۔ یہ حالت دیکھ کر حضرت علیؓ نے معاویہؓ کو ایک خط لکھا جس میں اپنی فوج کے لئے دریا سے پانی لینے کی اجازت طلب کی لیکن حضرت معاویہؓ نے صاف انکار کر دیا۔ اب حضرت علیؓ کی فوج کے لئے لڑنے کے سوا کوئی چارہ نہ رہا۔

جو خط حضرت علیؓ نے صعصعہ بن صوحان کے ساتھ حضرت معاویہؓ کے پاس بھیجا تھا اس کا مضمون یہ تھا۔

"تم نے اپنے گھوڑے آگے بڑھائے اور قبل اس کے کہ ہم تم سے لڑتے تم ہم سے لڑے۔ تم نے ہمارے ساتھ جنگ میں ابتدا کی۔ اب تم نے ہمیں پانی سے روک دیا ہے۔ یہ بات تمہارے لئے اچھی نہیں ہے۔ تم ہمیں پانی لینے دو ورنہ پھر ہم مجبور ہوں گے کہ تم سے لڑیں اور خود پانی پر قبضہ کر لیں۔"

صعصعہ یہ خط لے کر حضرت معاویہؓ کے پاس پہنچے۔ انہوں نے اپنے ساتھیوں کو یہ خط دکھا کر مشورہ طلب کیا۔ بعض لوگوں نے کہا "ان لوگوں کو پانی ہرگز نہیں لینے دینا چاہئے۔ کیونکہ یہ لوگ پہلے خود حضرت عثمانؓ پر پانی بند کر چکے ہیں"۔ البتہ عمرو بن العاصؓ نے یہ رائے دی کہ انہیں پانی سے روکنا نہیں چاہیئے۔ لیکن حضرت معاویہؓ نے حضرت عمرو بن العاص کی رائے کی پروا نہ کی اور حضرت علیؓ کی فوج کو بدستور پانی لینے سے روکے رکھا۔

اس پر حضرت علی کی فوج میں سخت جوش پیدا ہو گیا اور انہوں نے تنگ آمد بجنگ آمد کے مصداق حضرت معاویہؓ کی فوج سے لڑنے کا ارادہ کر لیا۔ تاہم حضرت علیؓ نے جہاں تک ممکن ہوا ان کے جوش کو ٹھنڈا کرنے کی کوشش کی لیکن کامیاب نہ ہو سکے۔ رات کو آپ گشت کرتے کرتے مذحج قبیلہ کے خیموں کی طرف جا نکلے وہاں ایک آدمی شعر پڑھ رہا تھا۔

"کیا یہ قوم ہمیں دریائے فرات کے پانی سے روک سکے گی؟ حالانکہ ہمارے پاس تلواریں اور نیزے ہیں اور ہمارے درمیان علیؓ ہیں جن کو مصائب و آفات آکر ڈراتی ہیں تو وہ ڈرتے نہیں"۔

حضرت علیؓ آگے بڑھے اور کندہ کے خیموں میں پہنچے۔ وہاں اشعث بن قیس آپ کے پاس آئے اور کہنے لگے۔

"کیا یہ لوگ ہمیں فرات کے پانی سے روک سکیں گے حالانکہ آپ ہمارے درمیان ہیں اور تلواریں ہمارے ہاتھوں میں ہیں"۔

آخر حضرت علیؓ نے فوج کو حکم دے دیا کہ وہ تلواریں ہاتھ میں لے لے اور دشمن کو پانی کی جگہ سے بزور ہٹا دے۔ چنانچہ اشعث نے لوگوں میں جنگ کی منادی کرنی شروع کی۔ کندہ اور قحطان کے بارہ ہزار سپاہی تلواریں سونت

سونت کر باہر نکل آئے۔ ان کی قیادت اشعث کر رہے تھے۔ یہ لوگ آگے بڑھے اور اہل شام سے جا کے بھڑ گئے۔ لڑائی شروع ہو گئی۔ جانبین کو برابر اپنی طرف سے امداد پہنچ رہی تھی۔ حضرت علیؓ کے بارہ ہزار ساتھی گھوڑوں سے اتر پڑے اور اہل شام کی صفوں میں گھس کر انہیں تہ تیغ کرنا شروع کیا۔ کچھ دیر نہ گذری تھی کہ شامیوں کو شکست ہو گئی۔ حضرت معاویہؓ کی فوج کو مجبوراً دریا سے بہت دور جا کر پڑاؤ ڈالنا پڑا۔ حضرت علی کا لشکر آگے بڑھا اور اس وسیع و عریض میدان پر قابض ہو گیا جو چند گھنٹے پیشتر حضرت معاویہ کی فوج کے قبضہ میں تھا اور جس کے برابر سے دریائے فرات بہہ رہا تھا۔

اب حضرت معاویہؓ کے لشکر کی وہی حالت تھی جو اس سے پہلے حضرت علیؓ کے لشکر کی تھی۔ وہ پانی سے دور تھے اور پانی حاصل کرنے کا کوئی ذریعہ ان کے پاس نہ تھا۔ لشکر کے ہر شخص کا خیال تھا کہ حضرت علیؓ کے آدمی انہیں کبھی پانی نہیں لینے دیں گے۔ لیکن حضرت عمروؓ بن العاص نے کہا۔

"میرا یہ خیال ہے کہ وہ ہمیں پانی لینے سے ہرگز نہیں روکیں گے۔"

حضرت عمروؓ بن العاص کا یہ خیال بالکل ٹھیک نکلا۔ کیونکہ جب حضرت معاویہؓ کے آدمی پانی لینے کے لئے دریا کی طرف بڑھے اور حضرت علیؓ کے آدمیوں نے انہیں روکنا چاہا تو حضرت علیؓ نے انہیں ایسا کرنے سے منع کر دیا اور فرمایا کہ ہمارا دین اور ہمارا اخلاق اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ ہم اپنے دشمن سے ایسا ہی سلوک کریں، جو اس نے ہم سے کیا تھا۔

جب آپ کے ساتھیوں نے آپ سے کہا۔

"امیر المومنین! جس طرح انہوں نے ہمیں پانی لینے سے روکا تھا ہم بھی انہیں کیوں نہ روکیں؟"

توحضرت علیؓ نے فرمایا :-

"نہیں، انہیں پانی لینے کے لئے راستہ دے دو۔ میں جاہلوں کا سا کام نہیں کروں گا۔ ہم ان کے سامنے کتاب الٰہی پیش کریں گے اور انہیں ہدایت کی طرف بلائیں گے۔ اگر انہوں نے ہماری دعوت کو قبول کر لیا تو خیر ورنہ پھر ہمارے اور ان کے درمیان تلوار کی دھار فیصلہ کرے گی"

چنانچہ تھوڑی ہی دیر میں لوگوں نے یہ نظارہ دیکھا کہ اہل عراق اور اہل شام دونوں ایک گھاٹ سے پانی لے رہے ہیں اور کوئی ایک دوسرے سے تعرض نہیں کر رہا۔

اس جگہ ہر شخص کے دل میں سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا حضرت علیؓ کی یہ کارروائی ٹھیک تھی ؟ کیا حضرت علیؓ کو نہیں چاہیئے تھا کہ وہ بھی اپنے دشمن سے اسی قسم کا سلوک کرتے جو وہ ان سے کر چکا تھا ؟

جنگی نقطۂ نظر سے خواہ حضرت علیؓ کا اپنے دشمنوں سے یہ برتاؤ ٹھیک ہو یا غلط۔ لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ آپ کا یہ کارنامہ، آپ کی شرافت، بزرگی اور اخلاق کی بلندی کی ایک زندہ مثال ہے۔

(۵)
ذمیوں کے ساتھ حسن سلوک

ذمیوں کے ساتھ حضرت علیؓ کا برتاؤ خاص طور پر بہت زیادہ رحم ہمدردی اور رعاداری کا تھا۔ وہ اسے ہرگز گوارا نہیں کر سکتے تھے کہ ان کے ساتھ نا رعا برتاؤ کیا جائے یا انہیں ہدف ظلم و ستم بنایا جائے۔ جب کبھی آپ کو کوئی ایسی اطلاع ملی تو آپ نے نہایت سختی کے ساتھ اس کے تدارک کی طرف توجہ فرمائی ایک مرتبہ آپ کو معلوم ہوا کہ ایک عامل کا برتاؤ ذمیوں کے ساتھ اہانت آمیز ہے، آپ نے بہت سختی کے

ساتھ انہیں ڈانٹا اسی طرح ایک مرتبہ ذمیوں نے یہ شکایت کی کہ اُن کی نہر جس سے وہ اپنے کھیتوں کو پانی دیتے تھے مٹی سے پٹ گئی ہے۔ آپ نے اس کی شکایت کی طرف فوراً توجہ کی اور وہاں کے عامل قرضہ بن کعب انصاری کو لکھا۔

"تمہارے علاقہ کے ذمیوں نے شکایت کی ہے کہ اُن کی ایک نہر پٹ گئی ہے، اس کا بنانا مسلمانوں کا فریضہ ہے۔ تم اسے فوراً درست کرا دو مجھے یہ زیادہ پسند ہے کہ ذمی اپنی زمین پر آباد رہیں نہ بجائے اس کے کہ وہ ترکِ وطن پر مجبور ہو جائیں اور ملک کی فلاح و بہبودی میں حصہ لینے کے قابل نہ رہیں[1]

(۶) امیر معاویہ کی غلطی اور اُس کی اصلاح

خلفائے راشدین نے غیر مسلموں اور ذمیوں کے ساتھ جو برتاؤ روا رکھا تھا کہ ان کے بعد اگر کسی بڑی سے بڑی ہستی نے بھی اس کی خلاف ورزی کی تو مسلمان علماء اور صلحائے نے ایک لمحہ کے لئے بھی اسے پسندیدگی کی نظر سے نہیں دیکھا اور جب کبھی اُس غلطی کی اصلاح کا وقت آیا تو فوراً اس کا تدارک کیا اور تلافی مافات میں کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہیں کیا۔ اس سلسلہ میں ذیل کا واقعہ دلچسپ بھی ہے اور سبق آموز بھی، اسلام کی رواداری کا یہ آئینہ روشن اور تابناک واقعہ ہے جو کبھی فراموش نہیں ہو سکتا ہے

اسلام کا ایک اصول یہ ہے کہ غیر مسلم مسلمان کی وراثت سے حصہ نہیں پا سکتا، اور مسلمان غیر مسلم کے ورثہ میں کوئی حق نہیں رکھتا، فرض کیجئے زید نے اسلام

---

[1] یعقوبی جلد دوم (تاریخ اسلام)

قبول کرلیا، لیکن اس کا بیٹا بدستور کافر ہے، اب زید کے انتقال کے بعد کافر بیٹا اس کے مالِ متروکہ میں سے کچھ نہیں پائے گا، اسی طرح کسی کافر کا بیٹا مسلمان ہوجاتا ہے، اب وہ اسلامی برادری کا ایک رکن ہے، اور کفر کی برادری سے اس کا رشتہ ٹوٹ گیا، اب اس کے کافر باپ کا انتقال ہوجاتا ہے، تو یہ مسلمان لڑکا اگرچہ فاقہ مست ہو اور اس کا کافر باپ بہت بڑی جائیداد اور رقم چھوڑ گیا ہو، لیکن وہ فاقہ مستی کی زندگی بسر کرنے پر مجبور ہے، کافر باپ کی چھوڑی ہوئی جائیداد اور رقم سے ایک حبہ بھی نہیں ملے گا، یہ اتنا مساویانہ اصول ہے کہ اس پر نہ کسی مسلمان کی شکایت ہوسکتی ہے، نہ کافر کو، کیونکہ دونوں کے بارے میں یکساں اصول کارفرما ہے۔

امیر معاویہ نے اپنے دورِ حکومت میں جہاں اور بہت سی بدعتیں اور جدتیں، اپنی رائے اور مرضی سے جاری کر دی تھیں، ان میں سے ایک یہ بھی تھی کہ مسلمان کو کافر کی وراثت میں حصہ دلواتے تھے۔ اور کافر کو مسلمان کی وراثت سے محروم کردیتے تھے یہ بڑی غلط چیز تھی، اسلام کی واضح تعلیمات اور احکام کے خلاف چنانچہ حضرت عمر بن عبدالعزیز جب مسندِ خلافت پر بیٹھے تو انہوں نے یہ حکم منسوخ کیا اور اصل اسلامی حکم جاری کر دیا، علامہ ابوبکر جصاص نے اپنی کتاب میں اس مسئلہ پر سیر حاصل بحث کی ہے، جس سے کئی پہلو مسئلہ کے واضح ہوجاتے ہیں، ہم اسے یہاں درج کرتے ہیں:۔

فاما میراث المسلم من	جہاں تک مسلمان کے لئے کافر کی میراث
الکافر فان الامة من	کا سوال ہے تو صحابہ کا بڑا گروہ اس پر متفق
الصحابة متفقون علی	ہے کہ مسلم اور کافر کے مابین توارث کا
نفی التوارث بینهما وهو	سلسلہ نہیں قائم ہوسکتا، یعنی یہ دونوں ایک

قول عامة التابعين وفقهاء الامصار (دارمی)

دوسرے کی میراث میں حصہ نہیں پا سکتے عامۂ تابعین اور فقہائے امصار کا مسلک بھی یہی ہے۔

ابن شهاب عن داؤد بن ابی هند قال، قال مسروق ما احدث فی الاسلام قضية اعجب من قضية قضاها معاوية، قال كان يورث المسلم من اليهودی والنصرانی ولا يورث اليهودی والنصرانی من المسلم قال فقضی بها اهل الشام قال داؤد فلما قدم عمر بن عبد العزيز ردهم الی الامر الاول (دارمی)

ابن شہاب سے ایک روایت داؤد بن ہند کی یہ ہے کہ مسروق نے فرمایا اسلام میں اس سے بڑھ کر عجیب فیصلہ کوئی نہیں تھا، جو معاویہ نے کیا، معاویہ یہودی اور نصرانی کے ترکہ میں سے مسلمان کو حق وراثت دلایا کرتے تھے اور مسلمان کے ترکہ میں سے یہودی اور نصرانی کو کچھ نہیں دلاتے تھے۔ اسی اصول پر فیصلہ کیا کرتے تھے، داؤد کہتے ہیں جب عمر بن عبد العزیز مسند آرائے خلافت ہوئے، تو انہوں نے یہ فیصلہ رد کر دیا، اور پہلی سی حالت قائم کر دی یعنی نہ مسلمان غیر مسلم کا وارث ہو سکتا تھا، نہ غیر مسلم مسلمان کا،

هشيم عن مجالد عن الشعبی ان معاوية كتب بذلك الی زياد يعنی توريث المسلم من الكافر فارسل زياد الی شريح فامره بذلك

ہشیم کی شعبی سے روایت ہے کہ معاویہ نے زیاد کو یہی بات لکھی کہ کافر کی وراثت مسلمان کو ملنی چاہیئے۔ زیاد نے یہ فرمان شریح تک پہنچا دیا۔ اس سے قبل شریح، مسلمان کو، کافر کی میراث نہیں دلایا کرتے تھے۔

وكان شريح قبل ذلك
لا يورث المسلم من الكافر
فلما امر كان زياد بها امره
قضى بقوله فكان
شريح اذا قضى بذلك قال
هذا قضاء امير المؤمنين
وقد روى الزهري عن
علي بن الحسين عن عمرو
بن عثمان عن اسامة بن زيد
قال قال رسول الله ؐ لا يتوارث
اهل ملتين شتى وفي لفظ
لا يرث المسلم الكافر ولا الكافر
المسلم وروى عمرو بن شعيب
عن ابيه عن جده قال قال
رسول الله ؐ لا يتوارث اهل
ملتين فهذه الاخبار تمنع
توريث المسلم من الكافر و
الكافر من المسلم ولم يرو
عن النبي ؐ خلافه فهو ثابت
الحكم في سقاط التوارث بينهما
واما قول مسروق ما احدث

لیکن زیاد کا حکم پانے کے بعد معاویہ کے
فیصلہ کے مطابق وہ فیصلہ کرنے لگے ، کہتے
تھے ، یہ امیر المومنین (معاویہ) کا فیصلہ ہے
زہری ، علی بن حسین سے وہ اسامہ
بن زید سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ، کہ دو مختلف
قوموں کے لوگ ایک دوسرے کے وارث
نہیں بن سکتے ۔ دوسرے الفاظ میں یہ
روایت یوں ہے کہ کافر مسلمان کا اور
مسلمان کافر کا وارث نہیں بن سکتا ۔
ایک دوسری روایت میں ہے کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ، دو
مختلف قوموں کے لوگ باہم وارث نہیں
بن سکتے ۔ ان احادیث سے ثابت ہوتا ہے
کہ کافر مسلمان کا اور مسلمان کافر کا وارث
نہیں بن سکتا ، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
سے اس کے خلاف کچھ مروی نہیں ہے وہ
اسقاط توارث بین الملتین سے ہے ۔
اور مسروق کا قول معاویہ کے عجیب
فیصلہ کے بارے میں اس مسلک کے بطلان
کی دلیل ہے ۔ کیونکہ یہ بالکل انوکھا فیصلہ تھا

في الاسلام قضيت اعجب من قضية قضى بها معاوية في توريث المسلم من الكافر فانه يدل على بطلان هذا المذهب لاخبار كون انها قضية محدثة في الاسلام وذلك يوجب ان يكون قبل قضية معاوية لم يكن يورث المسلم من الكافر واذا ثبت ان من قبل قضية معاوية لم يكن يورث المسلم من الكافر وان معاوية لايجوز ان يكون خلافا عليهم بل هو ساقط القول معهم وليدل ذلك ايضا قول داود بن ابي هند ان عمر بن عبد العزيز رد

جو معاویہ نے اسلام میں روا رکھا تھا کیونکہ اس فیصلہ سے پہلے کبھی ایسا نہیں ہوا تھا کہ مسلمان نے کافر کی میراث لی ہو اور جب یہ ثابت ہو گیا کہ معاویہ سے پہلے معمول یہ تھا تو وہ معاویہ کے لئے اس طرح کا فیصلہ کرنا کیسے جائز ہو سکتا تھا؟ لہٰذا یہ فیصلہ ساقط القول قرار دیا جائے گا۔ داؤد بن ابی ہند کے قول سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے کہ عمر بن عبد العزیز جب مسند آرائے خلافت ہوئے تو انہوں نے سابقہ صورت بحال کر دی، اور معاویہ کا فیصلہ رد کر دیا[1]

اور ایسا کیوں نہ ہوتا جس ملت کا رسول مرتدوں تک کے ساتھ یہ سلوک مرعی رکھتا ہو کہ:

عن ابي هريرة رضي الله عنه قال قدم طفيل بن عمرو الدوسي واصحابه على النبي صلى الله عليه وسلم فقالوا يا رسول الله ان دوسا عصت وابت

حضرت ابوہریرہ سے مروی ہے کہ طفیل بن عمرو دوسی اور ان کے ساتھیوں نے نبی کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا۔ یا رسول اللہ قبیلۂ دوس نے نافرمانی کی (راہ آپ کی پیروی سے) انکار کر دیا لہٰذا آپ نے ان کے لئے دعا کیجئے۔

---

[1] احکام القرآن، مطبوعہ مصر ج ۲ ص ۲۳ - ۲۲

فادع اللہ علیہا فقیل ملکت — دحاضرین میں سے بعض نے) کہا ، دوس ہلاک

دوس ھا فقال اللھم اھد — ہو گئے مگر آپؐ نے فرمایا

دوساً وائت بہم — بار الہا ! !

دوس کو ہدایت دے اور حلقہ اسلام

میں واپس لے آ ،

اس کے خلفا اور جانشین ، غیر مسلموں کے ساتھ حسن سلوک کیسے نہ کرتے ؟

چنانچہ عہدِ خلافت راشدہ کے بعد بھی مسندِ خلافت پر جب کوئی مردِ صالح متمکن ہوا تو اُس نے حق و انصاف کے معاملہ میں مسلم اور غیر مسلم کے درمیان بھی کسی طرح کا امتیاز روا نہیں رکھا ، بلکہ وہی کیا جو حق کا تقاضا اور اسلام کا حکم تھا۔ چنانچہ ذیل کا واقعہ بھی کچھ سبق آموز نہیں۔

مہران سے ایک روایت ابوبکر جصاص نے یہ ثابت کرتے ہوئے کہ قرآن حدیث کی رو سے ذمی (کافر) کا مسلم قاتل ، قصاص کی سزا پائے گا ، کچھ مثالیں پیش کیں ، جو خلفائے راشدین اور دوسرے خلفا کے عہد سے تعلق رکھتی ہیں ، چنانچہ حضرت عمر بن عبدالعزیز کا ذکر کرتے ہوئے موصوف فرماتے ہیں ؛۔

ان عمر بن عبد العزیز — حضرت عمر بن عبدالعزیز نے ایک

امر ان یقتل مسلم یھودی — یہودی کے مسلمان قاتل کے لئے حکم قتل

فقتل — صادر فرمایا ، چنانچہ وہ قتل کر دیا گیا۔

(۷)

علیؓ کا انصاف

• آپ کے ایوانِ عدالت میں بلا امتیاز مذہب و ملت خویش و بیگانہ ،

لہ احکام القرآن ، مطبوعہ مصر ص ۱۶۹

امیر و غریب سب برابر تھے اگر خود آپ کسی مقدمہ میں فریق ہوتے تھے تو قاضی کے سامنے حاضر ہونا پڑتا تھا اور اگر ثبوت نہ ہوتا تو مقدمہ آپ کے خلاف فیصل ہوتا ایک مرتبہ آپ کی زرہ گر پڑی اور ایک نصرانی کے ہاتھ لگی حضرت علیؓ نے اُسے دیکھ کر پہچانا اور قاضی شریح کی عدالت میں دعوےٰ کیا، نصرانی کا دعویٰ تھا کہ وہ اس کی زرہ ہے۔ قاضی نے حضرت علی سے پوچھا آپ کے پاس کوئی ثبوت ہے۔ آپ نے فرمایا نہیں قاضی شریح نے نصرانی کے حق میں فیصلہ دیا اس فیصلہ کا نصرانی پر اتنا اثر ہوا کہ وہ مسلمان ہو گیا اور کہا یہ تو انبیاء کا جیسا انصاف ہے کہ امیرالمومنین مجھے اپنی عدالت کے قاضی کے سامنے پیش کرتے ہیں اور قاضی امیرالمومنین کے خلاف فیصلہ دیتا ہے۔"[1]

(۸)
علیؓ کا اصول

جنگ و پیکار و صلح و امن ہر حالت میں حضرت علی کا اصول یہ تھا کہ حق کی مخالفت کرنے والوں سے صلح نہ کی جائے اور مظلوموں کے ساتھ جو سلوک کیا جائے وہ حق و انصاف کے عین مطابق ہو نہج البلاغۃ کے ایک خطبہ میں حضرت علیؓ فرماتے ہیں:۔

	اپنی جان کی قسم!
ولعمری ما علی من قتال	جو لوگ حق کی مخالفت کرتے اور گمراہی
من خالف الحق وخابط الغیّ من	میں مبتلا ہیں ان کے ساتھ میں کسی قسم کی سستی
ادھان ولا ایھان	روا نہیں رکھ سکتا

---

[1] ابن اثیر ج ۳ - ص ۱۶ (تاریخ اسلام)

فاتقوا اللہ عباد اللہ وفروا — اے بندگانِ خدا!
الی اللہ من اللہ وامضوا فی — خدا سے ڈرو اور اس کے غضب سے
الذی فجحلہ لکم وتوموا بما — بھاگ کر اس کے دامنِ رحمت میں پناہ لو
عصبہ بکم فعلی ضامن — اس راستہ پر چلو جو اس نے تمہارے لئے[1]
لنفلجکم اجلا ان لم تمنحوا — مقرر کر دیا ہے!
عاجلا — جو امور تم پر لازم کر دیئے گئے ہیں،
اُن کی (پوری پوری) پیروی کرو۔
پھر اگر تم فوراً کامیاب نہ ہوئے تو علی
مستقبل میں تمہاری کامیابی کا ضامن ہے[2]

---

[1] اور یہ راستہ وہی ہے جس کی رہنمائی رسولِ خدا نے فرمائی +

[2] کتنا زور ہے اس آخری جملہ میں! — وہی زور جو حق و صداقت کا پیدا کردہ ہوتا ہے یہ الفاظ اسی کی زبان سے نکل سکتے تھے جو اپنی زندگی کی ساری امنگیں خوشنودیٔ خدا کے لئے وقف کر چکا ہو جو قل ان صلاتی ونسکی ومحیای ومماتی للہ رب العالمین کا مکمل ترین نمونہ ہو، جس نے طے کر لیا ہو کہ جب تک زندہ رہے گا، خدا کے لئے، موت کو لبیک کہے گا تو خدا کی خوشنودی حاصل کرنے کی تمنا میں جس کی ساری زندگی ایک کتاب کی طرح کھلی ہوئی ہے اور اس زندگی کے آئینہ میں اس کا بچپن نظر آتا ہے۔ اس کی جوانی نظر آتی ہے۔ اس کا بڑھاپا نظر آتا ہے۔ اُن میں سے ہر دور پر ایک نظر ڈالو وہ پیکرِ عبدیت کے سوا کیا نظر آتا ہے؟

جب وہ بچہ تھا تو اس نے اپنے بھائی (رسول اللہ صلعم) کو نماز پڑھتے دیکھا اور بے ساختہ ان کے پہلو میں کھڑا ہو کر خود ہی سے نماز پڑھنے لگا، جب سنِ شعور کو پہنچا تو رسول اللہ کا پرستار بن چکا تھا کہ کفارِ مکہ نے طے کر لیا کہ آنحضرتؐ کو شہید کر کے رہیں گے۔ آنحضرتؐ کو بارگاہِ الٰہی سے اس کی اطلاع مل گئی، آپ نے ہجرت کا تہیہ کر لیا، یارِ غار ابوبکر صدیق۔

ہمراہ تھے، گھر کا کفار ایک طرح سے محاصرہ کئے ہوئے تھے۔ رسول اللہؐ نے علیؑ سے کہا۔ تم میرے بستر پر لیٹ جاؤ۔ علیؑ بغیر ادنےٰ تامل کے اپنے رسولؐ اور برادر بزرگ کے فرمان پر سر تسلیم خم کر دیتے ہیں، وہ مدینہ کی طرف تشریف لے گئے اور علی رسول اللہؐ کے بستر پر یہ سمجھ کر لیٹ گئے، کہ اب جان دینی ہے۔ چادر اوڑھ لی تاکہ کفار مغالطہ میں رہیں اور یہی سمجھیں کہ رسول اللہ آرام فرما رہے ہیں، پھر عہد شباب میں ان کافروں سے مقابلے ہوتے جن کی قوت دست و بازو اور مہیب شمشیر کی دھوم مچی ہوئی تھی جن میں ایک ایک سو سو سواروں پر بھاری مانا جاتا تھا۔ علی نے ان سے مقابلہ کیا اور شکست دی وہ علی کے سوا کون تھا جس نے مرحب اور عنتر کو ہرایا؟ پچھاڑا اور اسلام کو سربلند کیا! زمانہ اپنی چال چلتا رہا۔ حالات کے تواتر اور تراکم کا سلسلہ جاری رہا۔ اب ہم یہودیوں سے مسلمانوں کی معرکہ آرائی دیکھ رہے ہیں۔ خیبر ایک ایسا قلعہ ہے جو کسی سے سر نہیں ہوتا، اجل صحابہ اور کبار صحابہ اس مہم پر مامور ہوتے ہیں اور ناکام واپس آجاتے ہیں، حضرت عمر جیسا شخص بھی جاتا ہے اور لوٹ آتا ہے قلعہ سر نہیں ہوتا، رسول اللہ فرماتے ہیں اب کل اس کے ہاتھ میں علم دوں گا جو فتح کئے بغیر واپس نہیں آئے گا۔ صبح ہوتی ہے اور لوگ منتظر ہیں کہ وہ کون خوش قسمت ہے جسے آج دست پیمبر سے لوائے اسلام مرحمت ہوگا؛ رسول اللہؐ دریافت فرماتے ہیں علی کہاں ہیں؛ جواب ملتا ہے بیمار ہیں آشوب چشم میں مبتلا ہیں۔ حکم ہوتا ہے بلاؤ علی حاضر ہوتے ہیں۔ رسول اللہؐ ان کی آنکھوں میں لعاب دہن لگاتے ہیں اور فتح خیبر کا کام سپرد کرتے ہیں، علی جاتے ہیں اور اس معرکہ کو سر کر کے چلے آتے ہیں۔ حضرت عمرؓ بڑھ کر مبارکباد دیتے ہیں اور اس افتخار کا اعتراف فرماتے ہیں کہ آج مجھے علی پر رشک آیا تاریخ کا ایک ورق اور الٹو! صلح حدیبیہ ہو رہی ہے۔ صلحنامہ علی لکھ رہے ہیں ایک فریق کفار مکہ ہیں، دوسرے فریق آنحضرتؐ، علیؓ محمدؐ کے ساتھ رسول اللہ کا لفظ بھی لکھتے ہیں۔ کفار کا نمائندہ کہتا ہے ہم اگر رسول مانتے ہوتے تو جھگڑا ہی کاہے کا تھا۔ یہ

لفظ مٹا دیجئے، آپ علیؑ سے کہتے ہیں یہ لفظ (رسول) مٹا دو۔ علیؑ کی زبان سے بے ساختہ نکلتا ہے۔ رسول کا لفظ لکھنے کے بعد میرا ہاتھ نہیں مٹا سکتا۔

اللہ اللہ رسول سے عشق اور والہانہ محبت دین اسلام سے شیفتگی اور پختگی ایمان کی یہ انتہا تھی ——! رسول اللہؐ نے شفقت سے فرمایا اچھا بتاؤ وہ لفظ کہاں ہے؟ پھر آپ اپنے دست مبارک سے مٹا دیتے ہیں۔ دیکھنا ——! یہ حجۃ الوداع ہے!

آخری حج —— اس حج کے بعد رسول اللہؐ نے اس دنیا سے پردہ فرما لیا ——! اس حج سے فارغ ہو کر جب کاروان رسالت مدینہ کی طرف چلا تو کچھ لوگوں نے علیؑ کی شکایت کی یہ شکایت رسول اللہؐ برداشت نہ کر سکے اس لئے کہ یہ شکایت ایسے شخص کے خلاف تھی جو تن من دھن سے اسلام اور صرف اسلام کے لئے اپنے آپ کو وقف کر چکا تھا ——! جو سونے کی طرح تپایا جا چکا تھا! خطبہ خم غدیر اسی موقع کی یادگار ہے —— یہ وہ خطبہ ہے جس میں دوئی کا پردہ اٹھ گیا ہے، اور صاف نظر آ رہا ہے کہ نبیؐ کی نظر میں حضرت علیؑ کا کیا درجہ تھا۔ دنیا کا سب سے بڑا حادثہ رونما ہو گیا، نبی اکرمؐ نے اس دنیا سے پردہ فرمایا اور رفیق اعلیٰ سے جا ملے۔ یہ بڑی کٹھن گھڑی تھی ——!

اس کی دعوت کیا ہے؟ وہ اپنی بادشاہت کی طرف لوگوں کو نہیں بلاتا، وہ اپنی قیصریت کی طرف لوگوں کو راغب نہیں کرتا، وہ شاندار محلوں میں نہیں رہتا، وہ زرق برق پوشاک نہیں پہنتا، وہ بیت المال کا روپیہ اپنے اور اپنے متعلقین اور اپنے عزیزوں پر نہیں صرف کرتا —— حالانکہ دمشق میں یہ سب کچھ ہو رہا تھا۔ اس کی دعوت صرف اسلام ہے، وہ صرف اس امر کی دعوت دیتا ہے کہ اسلام کے احکام کی پیروی کرو، قرآن کی روشنی سے فائدہ اٹھاؤ، اور اسوۂ رسولؐ کی پیروی کرو، حق کے آگے سر جھکاؤ اور باطل کے سامنے تلوار بن کر آمادۂ مرگ و مہیائے قضا ہو جاؤ۔ وہ سب کے ساتھ —— عزیزوں، دوستوں، رفیقوں اور عامۂ مسلمین کے ساتھ —— رفق و محبت، صلح و سلام، آشتی اور نرمی کا برتاؤ کرو، ان کے دکھ میں کام آؤ، ان کی مصیبت میں ساتھ دو، ان کے غم میں شرکت کرو۔ ان کی اعانت کرو، دستگیری کرو اور جو لوگ حق کے راستے سے دور گرداں ہوں، باطل کے راستہ

بقیہ صفحہ ۳۶۹ پر

(۹)

قتل خوارج کی ممانعت

حضرت علی کے عہد میں ایک عجیب غریب فرقہ نمودار ہوا جسے تاریخ نے اپنے صفحات میں خوارج کے نام سے محفوظ رکھا ہے، یہ عجیب غریب لوگ تھے بے انتہا جری، بے انتہا سرفروش، بے انتہا بہادر، بے انتہا متقی عابد پرہیزگار، بایں ہمہ بے انتہا گمراہ اور غلط کار، یہ حضرت علیؓ کو کافر سمجھتے تھے ان کے حامیوں کو واجب القتل قرار دیتے تھے۔ انہوں نے بغاوت کی حضرت علیؓ نے طرح دی بار بار افہام و تفہیم سے انہیں براہ راست پر لانے کی کوشش کی ان کی غلطیوں کو نظر انداز کیا ان کی سفاکیوں کو معاف کیا ان کے رہزنی اور ستم گری سے درگذر کیا لیکن ان کے حوصلے بڑھتے رہے وہ حامیانِ علی کو قتل کرتے رہے، ان کی شقاوت، سفاکی، درندگی، خون آشامی اور بہیمیت کا اندازہ ذیل کے واقعہ سے ہو سکتا ہے جو خلفائے محمد سے مقتبس ہے:-

ایک بزرگ عبداللہ بن خباب اپنی حاملہ بیوی کو ساتھ لئے جا رہے تھے کہ خوارج سے ان کا سامنا ہو گیا۔ ان لوگوں نے انہیں پکڑ لیا اور کہا کہ یہ قرآن جو آپ کے گلے میں لٹکا ہوا ہے آپ کے قتل کا حکم دیتا ہے۔ عبداللہ خباب نے کہا میں تو مسلمان ہوں اور میرا نام عبداللہ بن خباب ہے۔ خوارج نے کہا ہمیں کوئی ایسی حدیث سنایئے جو آپ کے والد کی سند سے آپ تک پہنچی ہو

(بقیہ صفحہ ۳۶۸) پر گام فرسا ہوں رسائل و ذرائع کی کمی اور ساز و سامان جنگ کی کوتاہی کے باوجود ایک پہاڑ کی طرح ان کے مقابلہ میں ڈٹ جاؤ، پھر وہ بشارت دیتا ہے کہ یہ زندگی آنی اور فانی ہے اسے قیام و دوام نہیں لیکن اگر یہ زندگی دیکر تم آخرت کی دائمی زندگی کا سودا کر لو، تو یہ کاروبار برا نہیں، تم ٹوٹے میں نہیں فائدہ میں رہو گے اور میں اس کا ذمہ لیتا ہوں کہ "عاجل" دے کر "آجل" کما لو گے!

کیا یہ بات علی کے سوا اور بھی کہہ سکتا تھا؟[1]

---

[1] نہج البلاغۃ (خطبات و کلمات) صلا۱۶

آپ نے فرمایا :-

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ عنقریب ایک فتنہ نمودار ہوگا جس میں آدمی کا دل اس طرح مر جائے گا جس طرح اس کا بدن مرجاتا ہے ۔ وہ رات کو مومن ہوگا اور صبح کو کافر ہوگا تو شام کو مومن"

انہوں نے پوچھا،

"آپ کا حضرت ابوبکرؓ کے بارے میں کیا خیال ہے؟"

انہوں نے آپ کی بڑی تعریف کی، پھر حضرت عمرؓ کے بارہ میں دریافت کیا ۔ انہوں نے ان کے متعلق بھی توصیفی کلمات کہے ۔ اس کے بعد پوچھا کہ حضرت عثمانؓ کے ابتدائی اور آخری عہد کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے؟ انہوں نے جواب دیا :

"وہ اپنے ابتدائی اور آخری زمانوں میں حق و صداقت پر قائم تھے"

پھر انہوں نے پوچھا کہ حضرت علیؓ کے متعلق تحکیم سے قبل و بعد آپ کی کیا رائے ہے؟

عبداللہ نے جواب دیا۔

"علیؓ تمہارے مقابلہ میں کتاب اللہ کو زیادہ سمجھنے والے اور اس پر عمل کرنے والے ہیں"

خوارج نے کہا ۔

"خدا کی قسم تم اپنی نفسانی خواہشات کی پیروی کرکے یہ شہادت دے رہے ہو اور لوگوں کو ان کے کاموں کی بجائے ان کے ناموں کی وجہ سے فضیلت دیتے ہو اس لئے ہم تمہیں قتل کریں گے اور اس طرح قتل کریں گے کہ آج تک کسی اور کو قتل نہ کیا ہوگا"

چنانچہ وہ آپ کو نہر کے کنارے لے گئے اور ذبح کر دیا ۔ اسی طرح آپ کی بیوی کا پیٹ چاک کرکے اسے بھی قتل کر ڈالا ۔ بنی طے کی تین عورتوں اور ام سنان صیداویہ کو

بھی ان ظالموں نے پکڑ کر مار ڈالا۔

ان کی باطنی شقاوت کا تو یہ حال تھا لیکن ظاہری پرہیزگاری کا یہ عالم تھا کہ انہی عبداللہ بن خباب نے ایک خارجی کو دیکھا کہ نخلستان میں ایک کھجور درخت سے گر پڑی اس نے اُسے اُٹھا کر اپنے منہ میں رکھ لیا۔ دوسرے خارجیوں نے یہ دیکھ کر اُسے لعنت ملامت کرنی شروع کی کہ اس نے بغیر مالک کی اجازت کے اور بغیر قیمت دیئے یہ کھجور اپنے منہ میں کیوں ڈال لی۔ اسی طرح ان کے ایک شخص نے ایک سؤر مار ڈالا اور وہ اسے بُرا بھلا کہنے لگے کہ ذمیوں کے مال کا اتلاف کیوں کرتا ہے۔

خوارج کی ان غلط کاریوں کا جواب آخر آپ کو جنگ و پیکار کی صورت میں دینا پڑا نہروان کی جنگ فیصلہ کن ثابت ہوئی، میدان جنگ میں خارجیوں نے بڑی بہادری سے مقابلہ کیا لیکن بری طرح شکست کھائی اور بھاری تعداد میں قتل ہوئے آپ نے کسی ایسے آدمی کو قتل کرنے کی اجازت نہیں دی جو جنگ سے کنارہ کش ہو، آپ نے خوارج کی بغاوت کا جواب تلوار سے ضرور دیا لیکن گمراہی اور غلط روی کے باوجود ان کے حسن نیت کے قائل تھے چنانچہ فرماتے ہیں:۔

لاتقتلوا الخوارج بعدی	میرے بعد خوارج[1] کو ہلاک نہ کرنا، جو حق
فلیس من طلب الحق فاخطاہ	کا طالب[2] (اور طلب حق میں اس سے) خطا
کمن طلب الباطل فادرکہ	ہو جائے تو وہ اس شخص کے مانند نہیں ہے،
٭	جس نے باطل کو چاہا، اور اسے حاصل بھی کیا۔

حضرت امیرالمومنین کی مراد یہ ہے کہ خوارج اگرچہ اپنے بد عقیدہ کے باعث گمراہ ہیں، لیکن یہ گمراہی اس شبہ کے باعث پیدا ہوئی ہے جو ان کے نفوس میں جاگزیں ہو گیا ہے

---

[1] یعنی خوارج۔ [2] یعنی معاویہ واصحابہ (سید رضی)

یعنی ان کی نیت غلط نہیں، اگرچہ اقدام وعمل میں غلطی ان سے سرزد ہوئی ہے۔ ان کا عقیدہ
ہے کہ امام پر خروج جائز ہے یہ عقیدہ غلط ہے اور امام برحق پر خروج بھی ناواجب ہے
لیکن میری وفات کے بعد صورت حال بدل جائے گی، اب خلافت ان لوگوں کے ہاتھ میں ہو گی
جو برسر باطل ہیں اور باطل کی کمک پر انہوں نے مسند خلافت پر قبضہ کیا ہے۔ لہٰذا ایسے ملوک
کے خلاف خروج جائز ہے۔ کیونکہ جن لوگوں کے خلاف اب یہ خروج کریں گے، یہ وہی لوگ
ہوں گے جنہوں نے غلط طور پر حق کو دبا کر اور باطل سے مدد لے کر اس منصب کو حاصل کیا ہے
پس ان کے خلاف خروج و بغاوت بالکل جائز ہے، لہٰذا خوارج ان کے ساتھ جو کچھ کریں گے
عین مناسب اور مستحسن اقدام ہوگا۔

حضرت نے قتل خوارج سے نہی فرمائی ہے۔ اس لئے کہ مقصود اصلی تو ان کا حق ہے۔
البتہ اس کے حصول کا راستہ غلط ہے اور یہی ان کی گمراہی ہے۔ پس وہ لوگ سزاوار قتل
نہیں ہیں جو معاویہ اور اصحاب معاویہ کے خلاف تلوار اٹھائیں۔ اس لئے کہ ان لوگوں نے خلافت
کے نام سے حکومت حاصل کی ہے۔ باطل کی مدد سے حاصل کی ہے اور غلط مقاصد کے ماتحت حاصل
کی ہے۔

خود امیر المومنین نے جو خوارج سے جنگ فرمائی تو اس سلسلہ میں یہ بات یاد رکھنی چاہیئے
کہ کبھی خود انہوں نے پیش قدمی نہیں کی بلکہ بار بار ان کی اصلاح احوال کی کوشش فرمائی
جیسا امیر المومنین نے نہروان کے خلاف تلوار اٹھائی، ان کے فتنہ و فساد سے مجبور ہو کر، چنانچہ جب
ان لوگوں نے عبداللہ ابن خباب کو جو اصحاب امیر المومنین میں بڑے پایہ کے بزرگ تھے بری
طرح ہلاک کیا، ان کی اہلیہ کو جو پیٹ سے تھیں قتل کیا اور شکم چاک کر دیا۔

اس موقعہ پر قتل خوارج کے بارے میں جو حکم ہے وہ اس شرط پر ہے کہ اگر یہ فتنہ و فساد نہ
کریں تو محض عقیدہ کی بنا پر انہیں ہلاک نہ کرو، کیونکہ جنگ اسی وقت جائز اور مناسب و مباح
ہوتی ہے جب خون ناحق بہایا جا رہا ہو، فتنہ و فساد کی گرم بازاری شروع ہو چکی ہو[1]۔

---

[1] نہج البلاغہ (خطبات و کلمات) صفحہ ۲۲۳

(۱۰)

گورنر کے نام خط

اپنے پُرآشوب عہدِ حکومت میں حضرت علیؓ کو سب سے زیادہ فکر یہ رہتی تھی کہ اُن کا مقرر کیا ہوا حاکم رعایا پر ظلم و ستم نہ کرے کسی کو جائز شکایت کا موقع نہ دے کسی کے ساتھ رعایت نہ کرے جانب داری سے کام نہ لے کسی پر زیادتی نہ کرے، چنانچہ آذربائیجان کے گورنر اشعث بن قیس کو تحریر فرماتے ہیں۔

وانّ عملك ليس لك بطعمة ولكنه	تمہارا یہ عہدہ کوئی خوانِ نعمت نہیں ہے
في عنقك امانة وانت مسترعى لمن	بلکہ تمہارے گلے میں امانت ہے اور تم
فوقك ليس لك ان تفتات في رعية ولا	بالادست حاکم کے سامنے جوابدہ ہو۔
تخاطر الا بوثيقة وفي يديك مال من مال	تمہارے ہاتھ میں جو مال ہے، خدا کا ہے
الله عزّ وجلّ وانت من خزانه حتى	تم اس کے خزانچی ہو، یہاں تک کہ اُسے
تسلّمه الي ولعلي ان لا اكون شرّ ولا	میرے پاس پہنچا دو، امید ہے میں تمہارے
تك لك والسلام	حق میں بُرا افسر ثابت نہ ہوں گا۔[1]

(۱۱)

ذمیوں کی شکایت

ذمی کاشت کاروں نے حضرت علیؓ کے سمعِ مبارک تک عامل کی درشت مزاجی اور سخت برتاؤ کی شکایت پہنچائی، آپ نے لکھا:

اما بعد فان دهاقين اهل بلدك	تمہارے علاقے کے زمینداروں نے
شكوا منك غلظة وقسوة واحتقارا	تمہاری سختی، تنگ دلی، تحقیر، بے پروائی

• نہج البلاغہ ر رقعات و توقیعات ۱۰۷ / ۱۳

وحفوۃ ونظرت فلم ارھم اھلاً لان یدنوا بشرکھم ولا ان یقصوا ویجفوا بعھدھم فالبس لھم جلباباً من اللین تشوبہ بطرف من الشدۃ وداول لھم بین القسوۃ و من الرأفۃ وامزج لھم بین التقریب والادناء والابعاد والاقصاء ان شاء اللہ

کی شکایت کی ہے، میں نے انہیں منہ نہیں لگایا کہ مشرک ہیں، مگر ان سے بے پروائی برتنا بھی ٹھیک نہ تھا کہ ہم میں ان میں معاہدہ موجود ہے تو تم ایسا کرو کہ ان کے لئے نرمی کا لباس پہن لو، جس کے کناروں پر سختی کی گوٹ ہو۔ نرمی اور سختی کے بین بین سلوک کرو۔ نہ ایسا ہو کہ بالکل دور ہو جائیں، اور نہ ایسا ہو کہ بالکل قریب آجائیں۔ ایک درمیانی برتاؤ ان سے کرتے رہو[1]

(۱۲)
اپنے قاتل کے لئے حسن سلوک کی وصیت

رحم رواداری حسن سلوک بدترین دشمن کے ساتھ بھی حضرت علیؓ مرعی رکھتے تھے، اس سے بڑھ کر کیا ہوگا کہ آپ کا قاتل گرفتار ہو چکا ہے۔ آپ بستر مرگ پر دراز ہیں موت سامنے کھڑی ہے، زندگی کے چند سانس باقی ہیں، لیکن اس آخری وقت بھی آپ کے منہ سے جو الفاظ نکلتے ہیں ان میں قاتل کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید موجود ہے:-

وصیتی لکم ان لا تشرکوا باللہ شیئاً ومحمد صلی اللہ علیہ وسلم ولا تضعوا سنتہ اقیموا

تم سب کو میری وصیت ہے کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنا اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو ضائع نہ ہونے دینا۔ یہ دو

---

[1] نہج البلاغۃ رقعات و توقیعات ص۲۳۷

هذین العمودین واوقدوا هذین
المصباحین وخلاکم ذم . . . .
انا بالامس صاحبکم والیوم
عبرة لکم وغداً مفارقکم ان ابق
فانا ولی دمی وان افن فالفناء
میعادی فان اعف فالعفو لی
قربة وهو لکم حسنة فاعفوا
الا تحبون ان یغفر اللہ لکم
واللہ ما فجأنی من الموت وارد
کرهته ولا طالع انکرته وما کنت
الا کقارب ورد وطالب وجد
وما عند اللہ خیر للابرار

ستون تم نے قائم کر لئے تو کیا کہنا ہے تمہارا،
کل میں تمہارا ساتھی تھا آج تمہارے لئے
عبرت ہوں اور آئندہ کل تم سے جدا ہو جانے
والا ہوں، اگر میں بچ گیا تو اپنے خون کا خود
مجھے اختیار ہے، فنا ہو گیا تو فنا ہی کی طرف
مجھے لوٹنا تھا۔ قاتل کو معاف کر دوں گا تو یہ
معاف کرنا میرے لئے قربتِ الٰہی کا سبب
بن جائے گا اور اس میں تمہارے لئے بھی
بھلائی ہو گی۔ تو اے لوگو! معاف کرو، کیا تم پسند
نہیں کرتے کہ خدا تمہیں معاف کر دے۔
بخدا موت کے کسی پیامبر سے بھی میں نے
کراہت نہیں کی، موت کے کسی قاصد سے بھی
مجھے وحشت نہیں ہوتی، آج میری مثال اس
پیاسے کی سی ہے جو پانی کی تلاش میں گھاٹ
پر آ پہنچ گیا ہو یا گم گشتہ متاع کے جوئندہ
کی، جسے اپنی جستجو میں کامیابی نصیب ہو
گئی ہو۔
رخدا کے پاس جو کچھ ہے نیکو کاروں کے
لئے بہتر ہے[1]

---

[1] نہج البلاغہ رقعات و توقیعات ص۲۷

(۱۳۱)
میرے قاتل کی شکل نہ بگاڑنا !

یہ تو عام وصیت تھی لیکن آپ نے اپنے دونوں صاحبزادوں حضرت امام حسن علیہ السلام اور امام حسین علیہ السلام کو مخاطب کرکے ہوئے فرماتے ہیں :-

عربی	اردو
اوصیکما بتقوا الله وان لا تبغیا	تم دونوں کو میری وصیت ہے کہ خدا سے
الدنیا وان بغتکما ولا تاسفا علی	ڈرتے رہنا اور دنیا کے پیچھے نہ دوڑنا ، اگرچہ
شئ منها زوی عنکما وقولا للحق	دنیا تمہارے پیچھے دوڑے ۔ دنیا کی کسی محرومی
واعملا للاجر وکونا للظالم خصما	پر نہ کڑھنا ۔ ہمیشہ حق کے لئے تمہاری زبان
وللمظلوم عونا	کھلے ۔ ہمیشہ ثواب ہی کے لئے تمہارا عمل ہو ،
اوصیکما وجمیع ولدی و	ہمیشہ ظالم کے حریف بننا اور مظلوم کے مددگار
اهلی ومن بلغه کتابی بتقوا الله	تم دونوں کو اپنی سب اولاد کو ، سب
ونظم امرکم وصلاح ذات بینکم	خاندان کو اور ان سب لوگوں کو جن تک میری
فانی سمعت جدکما صلی الله علیه	یہ تحریر پہنچے وصیت کرتا ہوں کہ اللہ سے ڈرتے
وسلم یقول صلاح ذات البین افضل	رہیں ، اپنا معاملہ درست رکھیں اور آپس میں
من عامة الصلاة والصیام الله	اتفاق و اتحاد سے رہیں ۔ کیونکہ میں نے تمہارے
الله فی الایتام فلا تغبوا افواههم	نانا صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے ۔ آپس کا میل
ولا یضیعوا بحضرتکم والله الله	ملاپ عام روزے نماز سے افضل ہے ۔
فی جیرانکم فانهم وصیة نبیکم	اور اللہ اللہ یتیموں کے بارے میں
ما زال یوصی بهم حتی ظننا انه سیورثهم	انہیں کھانے پینے کی تکلیف نہ ہونے پائے
والله الله فی القرآن لا یسبقکم	تمہارے سامنے وہ تتر بتر نہ ہو جائیں ،
بالعمل به غیرکم	اور اللہ اللہ پڑوسیوں کے بارے میں

والله الله فی الصلاۃ
فانھا عمود دینکم والله
والله فی بیت ربکم لا تخلوہ
ما بقیتم فانہ ان ترک لم تناظروا
والله الله فی الجھاد باموالکم
وانفسکم والسنتکم فی سبیل
الله وعلیکم بالتواصل
والتباذل وایاکم والتدا
بر والتقاطع لا تترکوا
الامر بالمعروف والنھی
عن المنکر فیولی علیکم
شرارکم ثم تدعون
فلا یستجاب لکم
ثم قال یا بنی عبد
المطلب لا الفینکم
تخوضون دماء المسلمین
خوضا تقولون
قتل امیر المؤمنین
وقتل امیر المؤمنین
الا لا تقتلن بی الا

کہ وہ تمہارے نبی کی وصیت ہیں، رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم ان کے حق میں برابر وصیت
فرماتے رہے یہاں تک کہ ہمیں گمان ہوا انہیں
وارث بھی قرار دے دیں گے۔
اور اللہ اللہ قرآن کے معاملے میں! قرآن
کے عمل میں کوئی تم سے سبقت نہ لے جائے!
اور اللہ اللہ پروردگار کے گھر کے بارے
جب تک جیتے رہنا اس سے دست بردار نہ ہونا
بیت اللہ سے بے پروائی کرو گے تو تمہاری
بھی کسی کو پروا نہ رہے گی۔
اور اللہ اللہ راہ خدا میں اپنے مال سے
اپنی جان سے اپنی زبان سے جہاد کے بارے میں
آپس میں میل محبت ہمدردی رکھنا، پھوٹ
سے نااتفاقی سے بچنا۔ امر بالمعروف و نہی
عن المنکر سے باز نہ رہنا، ورنہ شریروں کو تمہارا
حاکم بنا دیا جائے گا۔ پھر دعائیں کرو گے مگر
قبول نہ ہوں گی[1]
اولاد عبدالمطلب! خبردار ایسا نہ ہو مسلمانوں
کا خون بہانے لگو اور کہو امیرالمومنین کو مار ڈالا
گیا ہے! خبردار میرے بدلے صرف میرے قاتل

---

[1] یہ ایک صحیح حدیث کی طرف اشارہ ہے جس میں اسی سچائی کو بیان کیا گیا ہے۔

قاتلی انظروا اذا انا مت
من ضربته هذه فاضربوه
ضربة بضربة ولا یمثل
بالرجل فانی سمعت رسول
اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وآلہ
وسلم یقول ایاکم والمثلة
ولو بالکلب العقور۔

قاتل ہی کو قتل کرنا۔
دیکھو۔ اگر میں اس کی اس ضرب سے
مرجاؤں تو قاتل کو بھی ایسی ہی ایک ضرب سے
مارنا۔ اس کی شکل نہ بگاڑی جائے۔ کیونکہ میں
نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے
خبردار کسی کے ناک کان نہ کاٹو اگرچہ وہ
کٹکھنا کتا ہی کیوں نہ ہو۔[1]

(۱۴۳)

کمزور تمہارے انصاف سے مایوس نہ ہوں

اپنے ایک منصب دار کے نام آپ نے ایک خط تحریر فرمایا جس میں اسے تعلیم دی ہے کہ رعایا کے ساتھ کس طرح کا برتاؤ کرنا چاہیئے، فرماتے ہیں:۔

اما بعد فانک ممن استظهر
به علی اقامة الدین
واقمع به نخوة الاثیم و
اسد به لهاة الثغر المخوف
فاستعن بالله علی ما اهمک
واخلط الشدة بضغث
من اللین وارفق ما کان
الرفق ارفق واعتزم

تم ان لوگوں میں سے ہو جن سے دین کے
قیام میں مدد لی جاتی ہے۔ جن کے ذریعہ گنہگاروں
کی نخوت توڑی جاتی ہے اور جن کی وجہ سے
خطرناک سرحدی رخنوں کو بھرا جاتا ہے۔ اپنے
ہر اس کام میں جو فکر پیدا کرنے والا ہے۔
خدا سے مدد مانگا کرو۔ رعایا سے نرمی اور سختی
کا ملا جلا برتاؤ کرو۔ جہاں نرمی مناسب ہو
نرمی برتو۔ جہاں سختی کے بغیر کام نہ چلے۔

---

[1] نہج البلاغۃ (رقعات و توقیعات) ص ۷۷۹

بالشدۃ حین لا تغنی عنہ الا الشدۃ، واخفض للرعیۃ جناحک وابسط لھم وجھک والن لھم جانبک واس بینھم فی اللحظۃ والنظرۃ والاشارۃ والتحیۃ حتی لا یطمع العظماء فی حیفک ولا ییأس الضعفاء من عدلک والسلام،

سختی سے کام لو۔ رعایا کے لئے خاکسار بنو اپنے دل میں اس کے لئے ترس پیدا کرو اور سب افراد کو اپنی نظر اشارے اسلام میں برابر رکھو تاکہ بڑے لوگ تم سے ناجائز فائدہ اٹھانے کی طمع نہ کریں اور کمزور تمہارے انصاف سے مایوس نہ ہو جائیں[1] والسلام

(۱۵)

افسران خراج کے نام

حضرت علیؓ کو یہ بات گوارا نہ تھی کہ زکاۃ اور خیرات کے وصول کرنے میں حکام و عمال مسلمانوں اور ذمیوں کے ساتھ تنگ دلی، شقاوت اور درشتی کا طریقہ اختیار کریں آپ بار بار اپنے حکام و عمال کو تاکید کرتے رہے کہ وہ کسی طرح بھی زیادتی اور زبردستی سے کام نہ لیں، چنانچہ زکاۃ وصول کرنے والوں کے نام آپ نے ایک فرمان جاری کیا جو یہ ہے :-

کان یکتب الی من یستعملہ علی الصدقات وانما ذکرنا ھنا جملا منھا لیعلم بھا انہ کان یقیم عماد الحق ویشرع

اللہ وحدہ لاشریک لہ کے تقوے کے ساتھ اپنے کام پر روانہ ہو، خبردار کسی مسلمان کی طرف سے اس حال میں نہ گزرنا کہ تمہیں ناپسند کرتا ہو، خدا کے مقرر کئے ہوئے حق سے

---

[1] نہج البلاغہ (رقعات و توقیعات) ص [illegible]

امثلة العدل فی صغیر الامور
وکبیرها ودقیقها وجلیلها فی
انطلق علی تقوی اللہ وحدہٗ لا
شریك لهٗ ولا تروّعن مسلمًا
ولا تجتازنّ علیه کارهًا
ولا تاخذنّ منه اکثر من حق
اللہ فی ماله فاذا قدمت علی الحیّ
فانزل بمائهم من غیر ان تخالط
ابیاتهم ثم امض الیهم بالسکینة
والوقار حتی تقوم بینهم فتسلم
علیهم ولا تخدج بالتحیّة لهم
ثم تقول عباد اللہ ارسلنی
الیکم ولی اللہ وخلیفته لآخذ
منکم حق اللہ فی اموالکم فهل
للہ فی اموالکم من حق فتؤدوہ
الی ولیه فان قال قائل لا فلا
تراجعه وان انعم لك منعم
فانطلق معه من غیر ان تخیفه
وتوعده ولا تعسفه او ترهقه
فخذ ما اعطاك من ذهب او فضة
فان کان له ماشیة او ابلٌ

زیادہ کچھ نہ لینا، جب کسی علاقے میں پہنچنا
تو آبادی کے باہر کنوئیں پر اترنا، کسی کے
گھر میں نہ اترنا، پھر سکون و وقار کے ساتھ
آبادی میں داخل ہونا، لوگوں کو سلام کرنا، اگر
انہوں نے صاحب سلامت نہ کی تو پروانہ کرنا
تم خود پوری طرح صاحب سلامت کرنا۔ اس
کے بعد ان سے کہنا خدا کے بندو، اللہ کے
ولی اور خلیفہ نے مجھے بھیجا ہے کہ تمہارے
مال میں سے خدا کا حق وصول کروں، تو اب
تم بتاؤ کہ خدا کا کوئی حق تمہارے مال میں
واجب الادا ہے جسے اس کے ولی کے حوالے
کیا جائے۔ تمہارے اس کہنے پر اگر کوئی
انکار کرے تو حجت نہ کرنا۔ اگر کہے ہاں ہے
تو اس کے ساتھ جانا مگر اس طرح کہ نہ ڈرانا،
نہ دھمکانا، نہ ستانا بلکہ سونا چاندی جو کچھ پیش
کرے، لے لینا۔
اور اگر اس کے پاس مویشی اور اونٹ
ہیں تو ان کے گلے میں اس کی اجازت کے
بغیر نہ جانا۔ کیونکہ اکثر جانور اسی کے تو ہیں،
اور جب مالک کی اجازت سے جانا تو اس طرح
نہیں گویا تم افسر ہو۔ ہرگز کوئی سختی تمہاری

فلا تدخلها الا باذنه فان اكثره	طرف سے نہ ہونے پانے، کسی جانور کو نہ بھگانا
هاله فاذا اتيتها فلا تدخل عليها	نہ سہمانا، نہ مالک کو اپنے طرزِ عمل سے رنجیدہ
دخول متسلط عليه ولا عنيف به	کرنا۔
ولا تنفرن بهيمة ولا تفزعنها ولا	جو کچھ مال ہو اس کے دو حصّے کر دینا اور
تسوئن صاحبها فيها واصدع	مالک کو اختیار دینا کہ اپنے لئے جو حصّہ چاہے
المال صدعين ثم خيره فاذا	پسند کرلے اُس کی پسند پر اعتراض نہ کرنا اب جو
اختصار فلا تعرضن لما اختاره	ایک حصّہ رہا ہے اُسے بھی دو حصّوں میں بانٹ
فاذا اختار فلا تعرضن لما	دینا اور مالک سے کہنا کہ جو حصّہ چاہے اپنے
اخياره ثم اصدع الباقي صد	لئے پسند کرلے اور تم اس کی پسند پر معترض
عين ثم خيره فاذا اختار فلا	نہ ہونا، اسی طرح تقسیم در تقسیم کرتے چلے جانا
تعرضن لما اختاره فلا تزال كذلك	اور یہاں تک کہ اُس مال میں جو خدا کا حق ہے
حتى يبقى ما فيه وفاء لحق الله في	نکل آئے تم اس حق کو لے لینا۔
ماله فاقبض حق الله منه فان	لیکن اگر اس کارروائی کے بعد بھی مالک
استقالك فاقله ثم اخلطهما ثم	چاہے کہ پورے مال پر پھر سے تقسیم ہو تو تم
اصنع مثل الذي صنعت اولا حتى	بے چون و چرا منظور کر لینا، سب جانوروں
تاخذ حق الله في ماله ولا تاخذن	کو دوبارہ ملا دینا اور پہلے کی طرح مالک کی مرضی
عودا ولا هرمة ولا مكسورة	کے مطابق تقسیم در تقسیم کرتے چلے جانا،
ولا مهلوسة ولا ذات عوار ولا	یہاں تک کہ خدا کا حق بے باق ہو جائے،
تامنن عليها الا من تثق بدينه	لیکن کوئی بوڑھا، مریل، لنگڑا، لولا، بیمار
رافقا بمال المسلمين حتى يوصله	عیبی جانور نہ لینا۔
الى وليهم فيقسمه بينهم	زکوٰۃ کے اس مال کو ایسے آدمی کے

ولا توكل بها الا ناصحا شفيقا
وامينا حفيظا غير معنف ولا
مجحف ولا ملغب ولا متعب
ثم احدر الينا ما اجتمع عندك
نصيره حيث امر الله فاذا اخذ
ها امينك فاوعز اليه ان لا يحول
بين فصيلها ولا يمصر لبنها فيضر
ذلك بولدها ولا يجهدنها ركوبا
وليعدل بين صواحباتها في ذلك و
بينها وليردها ما تمر به من
الغدر ولا يعدل بها عن نبت الارض
الى جواد الطرق وليروحها في
الساعات وليمهلها عند النطاف
والاعشاب حتى تأتينا باذن الله
بدنا منقيات غير متعبات ولا
مجهودات لنقسمها على كتاب
الله وسنة نبيه صلى الله عليه
واله فان ذلك اعظم لاجرك
واقرب لرشدك ان شاء الله

سپرد کر دینا جس کے دین پر تمہیں بھروسہ
ہو جو مسلمانوں کے مال کا ہمدرد ہو، یہاں تک
کہ یہ مال ان کے ولی کے پاس پہنچ جائے،
اور ولی ان میں تقسیم کر دے۔ ایسے ہی آدمی
آدمی کے سپرد کر دے جو خیر خواہ ہو، ترس کھانے
والا ہو، امین ہو، حفاظت کرنے والا ہو،
جانوروں کے حق میں بے رحم نہ ہو۔ انہیں ڈرانے
دھمکانے، ستانے، دبلا کر ڈالنے والا نہ ہو،
پھر تم سب کچھ لے کر سستی کئے بغیر ہمارے
پاس چلے آنا، ہم اس مال کو حکم الٰہی کے
مطابق ٹھکانے لگاویں گے۔
اور دیکھو جس آدمی کے سپرد جانور کرنا ہے
تاکید کر دینا کہ بچے کو اونٹنی سے الگ نہ کرے
اسے بہت نہ دوہے کہ بچوں کو بھوک سے
نقصان پہنچے۔ سواری کر کے اسے ہلکان نہ
کر ڈالے، سوار ہو مگر دوسری اونٹنیوں اور
اس میں انصاف سے کام لے، باری باری
بیٹھے، تھکے ہوئے اونٹوں کو آرام دے، جس
اونٹ کا کھر پھٹ جائے، یا وہ لنگڑانے
لگے تو اس پر ترس کھائے، رستہ میں جہاں
جہاں پانی ملتا جائے، جانوروں کو خوب پلائے

ہری بھری زمین سے انہیں ہٹا کے شاہراہوں
پر نہ چلے - اچھی طرح سستانے، پانی پینے اور
چرنے کا انہیں موقع دے تاکہ جب ہمارے پاس
پہنچیں تو خوب موٹے تازے ہوں، تھکے ماندے
دُبلے پتلے نہ ہوں - ہم انہیں کتاب اللہ اور
سنتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق تقسیم
کردیں گے - تم ان سب باتوں پر عمل کرو گے
جو تمہارے لئے بڑا اجر ہوگا اور تم ہدایت
سے قریب تر ہو جاؤ گے[1] - انشاء اللہ!

• اسی طرح آپ نے افسران خراج کے نام بھی ایک فرمان جاری کیا جس میں غیر مسلموں کے ساتھ خاص طور پر حسن سلوک رعایت اور نرمی کی تاکید فرمائی ہے -

من عبد اللہ علی امیر المؤمنین	خدا کے بندے علیؑ امیر المؤمنین کی طرف
الی اصحاب الخراج	سے خراج کے افسروں کے نام!
اما بعد فان من لم یحذر ما	اما بعد! جو کوئی اپنے انجام سے نہیں ڈرتا
عمائرٌ الیہ لم یقدم لنفسہ ما	خطروں سے اپنے بچاؤ کا سامان بھی نہیں
یحرزھا واعلموا ان ما کلفتم	کرسکتا، تمہیں جاننا چاہیئے کہ جو مطالبہ تم سے
یسیر وان ثوابہ کثیر ولو لم یکن	کیا گیا ہے معمولی ہے، مگر اس کا ثواب بہت
فیما نھی اللہ عنہ من البغی والعدوان	ہے، خدا نے ظلم و سرکشی کی جو ممانعت کی ہے
عتاب یخاف لکان فی ثواب	اگر اس پر سزا نہ ہوتی تو بھی اس سے بچنے کا

---

[1] نہج البلاغۃ (رقعات و توقیعات) ص ۴۲۹-۴۳۰ -

اجتنابه مالا عذر فی ترک
طلبه فانصفوا الناس من انفسکم
واصبروا لحوائجهم فانکم خزان
الرعیة ووکلاء الامة وسفراء
الائمة ولا تحشموا احداً عن
حاجته ولا تحبسوه عن طلبته
ولا تبیعن للناس فی الخراج کسوة
شتاء ولا صیف ولا دابة یعتملون
علیها ولا عبداً ولا تضربن احداً
سوطاً لمکان درهم ولا تمسن
مال احد من الناس مصل ولا
معاهد الا ان تجدوا فرساً او سلاحاً
یعدی به علی اهل الاسلام
فانه لا ینبغی للمسلم فیکون شوکة
علیه ولا تدخروا انفسکم نصیحة
ولا الجند حسن سیرة ولا الرعیة
معونة ولا دین الله قوة وابلوا
فی سبیل الله ما استوجب علیکم
فان الله سبحانه قد اصطنع
عندنا وعندکم ان نشکره بجهدنا
وان ننصره بما بلغت قوتنا

جو ثواب مقرر ہو چکا ہے۔ ایسا ہے کہ اسے
ترک کر دینے میں کوئی عذر نہیں ہو سکتا۔
پس اپنے معاملے میں لوگوں سے انصاف
کرو، اور ان کی ضرورتیں پوری کرنے میں برداشت
سے کام لو، تم رعایا کے خزانچی ہو، امت
کے وکیل ہو، اماموں کے سفیر ہو، کسی کو بھی
اس کی ضرورت سے نہ روکو۔ خبردار ایسا نہ ہو
کہ لوگ خراج ادا کرنے کے لئے اپنے گرمی
جاڑے اپنی روزی کے مویشی اور غلام بیچنے
لگیں، پیسے کے لئے کسی کو کوڑے نہ لگائے
جائیں، کسی کا مال چاہے مسلمان ہو یا معاہد نہ
چھونا۔ مگر ہاں یہ کہ اس کے پاس گھوڑا یا ہتھیار
ہوں جن سے اہل اسلام کے خلاف کمک
پہنچا ہے تو بے شک کسی مسلمان کے لئے روا
نہیں کہ ایسی چیزیں دشمنان اسلام کے ہاتھ میں
چھوڑ دے کہ ان سے اسلام کو نقصان پہنچے۔
آپس میں ہمیشہ خیر خواہی کرتے رہو۔ فوج سے
نیک برتاؤ جاری رکھو۔ رعایا کی مدد کرتے رہو
اور دین الٰہی کی طاقت بڑھاتے رہو، خدا
نے اپنی راہ میں جو کچھ خرچ کرنے کا حکم دیا
ہے۔ خرچ کرتے رہو، اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہم

ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم

اور تم سے چاہتا ہے کہ اس کی نعمتوں کا شکر بجا لایا کریں، اور اپنی طاقت بھر اس کی نصرت میں سرگرم رہیں، حالانکہ ہماری قوت بھی اللہ ہی کی بخشی ہوئی ہے۔[1]

(۱۶)

عہد خدا کا حرم ہے!

مالک اشتر کے نام حضرت علیؓ نے ایک طویل خط تحریر فرمایا یہ ایک نہایت قیمتی دستاویز ہے۔ حیرت ہوتی ہے کہ اس زمانہ میں نہ کالج تھے نہ یونیورسٹی نہ علم سیاست مرتب ہوا تھا، نہ عربوں کو حکمرانی کا تجربہ تھا اس پر بھی حضرت علیؓ نے انتہائی اختصار و بلاغت کے ساتھ حکمرانی اور سیاست مدن کے جو اصول اس تحریر میں جمع کر دیئے ہیں، آج بھی متمدن دنیا کے حکمران ان سے بے نیاز نہیں ہو سکتے، اس نامۂ گرامی میں درحقیقت پورا دستور حکومت مرتب فرما دیا ہے، افسوس یہ پورا مکتوب درج کرنا طوالت سے خالی نہیں، لہٰذا ہم اس کا ایک حصّہ درج کرتے ہیں جس کا زیادہ حصّہ غیر مسلموں کے ساتھ کئے ہوئے عہد کے ایفا اور ذمی کاشتکاروں کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید پر مشتمل ہے۔

وتفقد امر الخراج بما یصلح اهله فان فی صلاحه وصلاحهم صلاحاً لمن سواهم ولا صلاح لمن سواهم الا بهم لان الناس کلهم

دیکھو محکمۂ خراج کی نگرانی میں کوتاہی نہ ہو، خراج کے ٹھیک رہنے ہی میں سب کی بھلائی اور خوشحالی ہے، سب کے رزق کا مدار خراج پر ہے اور خراج کے تحصیلداروں

[1] نہج البلاغۃ (رقعات و توقیعات) ص ۸۲، ۸۳

عيال على الخراج واهله
ولكن نظرك في عمارة
الارض ابلغ من نظرك في استجلاب
الخراج لان ذلك لا يدرك الا
بالعمارة ومن طلب الخراج
بغير عمارة اخرب البلاد و
اهلك العباد ولم يستقم
امره الا قليلا فان شكوا ثقلا او علة
او انقطاع شرب او بالة او احالة
ارض اغتمرها غرق او اجحف
بها عطش خففت عنهم بما
ترجوان يصلح به امرهم ولا
يثقلن عليك شئ خففت به
المؤنة عنهم فانه ذخر يعودون
به عليك في عمارة بلادك و
تزيين ولايتك مع استجلابك حسن
ثنائهم وتبجحك باستفاضة
العدل فيهم معتمدا قوتهم
بما ذخرت من اجمامك لهم
والثقة منهم بما عودتهم
من عدلك عليهم في رفقك

لیکن خراج سے زیادہ ملک کی آبادی پر
توجہ رہنا چاہیئے کیونکہ خراج بھی تو خوشحالی
سے حاصل ہوتا ہے، جو حاکم تعمیر کے بغیر خراج
چاہتا ہے اس کی حکومت یقیناً چند روزہ ثابت
ہوگی۔

اگر کاشتکار خراج کی زیادتی کی کسی آسمانی
آفت کی آب پاشی میں خلل پڑ جانے کی،
رطوبت میں قلت کی، سیلاب یا خشکی کے سبب
تقاوی کے خراب ہو جانے کی شکایت کریں تو
ان کی سنتا اور خراج کم کر دینا۔ کیونکہ کاشتکار
ہی تمہارا اصل خزانہ ہیں، ان سے جو
رعایت بھی کرو گے اس سے ملک کی فلاح ہوگی
حکومت کی رونق بڑھے گی۔ نیز تم رعایا سے
مال کے خراج کے ساتھ تعریف کا خراج بھی
وصول کرو گے۔

اس وقت ان میں عدل پھیلانے سے
تمہیں اور زیادہ خوشی حاصل ہوگی، ان کی
قوت پر تمہارا بھروسہ بڑھ جائے گا۔ اور جو
راحت تم نے انہیں پہنچائی ہے اور جس
انصاف کا انہیں خوگر بنا دیا ہے، اس کی
ان کی شکر گزاری تمہارے لئے خزانہ بن

بهم فربما حدث من الامور
ما اذا عولت فيه عليهم
من بعد احتملوه من طيبة
انفسهم به فان العمران محتمل
ما حملته وانما يؤتى خراب
الارض من اعواز اهلها وانما
يعوز اهلها لاشراف انفس
الولاة على الجمع وسوء ظنهم
بالبقاء وقلة انتفاعهم بالعبر

جائے گی۔ ممکن ہے مشکلات نازل ہوں اور ان
لوگوں پر بھروسہ کرنے کی مجبوری پیش آجائے۔
ایسی حالت میں وہ بخوشی تمہارا ہر مطالبہ قبول کر
لیں گے۔

ملک کی آبادی و سرسبزی ہر بوجھ اٹھا
سکتی ہے لہٰذا اس کا ہمیشہ خیال رکھنا ملک کی
بربادی تو باشندوں کی غربت ہی سے ہوتی ہے
اور باشندوں کی غربت کا سبب یہ ہوتا ہے کہ
حاکم دولت سمیٹنے پر کمر باندھ لیتے ہیں۔ کیونکہ
انہیں اپنے تبادلے اور زوال کا دھڑکا لگا رہتا
ہے اور وہ عبرتوں سے فائدہ اٹھانا نہیں چاہتے
اپنے منشیوں کے معاملے کو بھی بہت اہمیت
دینا یہ منصب بہترین آدمیوں ہی کے سپرد کرنا
راز کی خط و کتابت پر انہی لوگوں کو مقرر کرنا
جو اعلٰے اخلاق کے مالک ہوں، جنہیں نہ اعزاز
گستاخ بنا دے کہ بھری مجلس میں تم سے بدتمیزی
کرنے لگیں، یا معاہدوں پر تمہاری، فائدوں
سے چوک جایا کریں یا اگر کسی معاہدے سے
نہیں نقصان پہنچ سکتا ہے تو اس سے مخلصی
کی صورت نہ پیدا کر سکیں، یہ لوگ ایسے ہونے
چاہئیں کہ خود اپنی قدر جانتے ہوں، کیونکہ جو

شخص اپنی قدر نہیں جانتا وہ دوسروں کی قدر کیا جانے گا؟

ان لوگوں کا چناؤ محض اپنی فراست میلانِ طبیعت یا حسنِ ظن کی بنا پر نہ کرنا، کیونکہ لوگوں کا دستور ہے کہ تصنع اور ظاہرداری سے اپنے آپ کو حاکموں کی فراست کے مطابق بنا لیتے ہیں مگر خیر خواہی اور امانتداری سے کورے ہوتے ہیں۔

ثم انظر فی حال کتابک فول علی امورک خیرهم و اخصص رسائلک التی تدخل فیها مکائدک واسرارک باجمعهم لوجوه صالح الاخلاق ممن لا تبطره الکرامة فیجترئ بها علیک فی خلاف لک بحضرة ملاء، ولا تقصر به الغفلة عن ایراد مکاتبات عمالک علیک واصدار جواباتها علی الصواب عنک فیما یاخذ لک ویعطی منک ولا یضعف عقداً اعتقده لک ولا یعجز عن اطلاق ما

انتخاب میں یہ بھی دیکھنا کہ اگلے حاکموں کے تحت انہوں نے کیا خدمتیں انجام دی ہیں۔ عوام کو ان سے کتنا فائدہ پہنچا ہے اور امانتداری میں ان کا شہرہ کیسا ہے؛ ان باتوں کا لحاظ رکھو گے تو بے شک سمجھا جائے گا کہ تم اللہ کے اور اپنی رعایا کے خیر خواہ ہو۔

ہر محکمے کا ایک صدر مقرر کرنا جو محکمے کے تمام کاموں کو اپنے ہاتھ میں رکھے اور مشکلات سے بدحواس نہ ہو، یاد رکھو تمہارے منشیوں میں جو عیب ہوگا اور تم اس سے چشم پوشی کروگے تو وہ عیب خود سمجھا جائیگا تجار اور اہلِ حرفت کا پورا خیال رکھنا

عقد عليك ولا يجهل
مبلغ قدر نفسه في الامور
فان الجاهل بقدر نفسه
يكون بقدر غيره اجهل
ثم لا يكن اختيارك اياهم
على فراستك واستنامتك
وحسن الظن منك فان
الرجال يتعرفون لفراسات
الولاة بتصنعهم وحسن
خدمتهم وليس وراء ذلك
من النصيحة والامانة
شئ ولكن اختبرهم بما
ولوا للصالحين قبلك فاعمد
لاحسنهم كان في العامة
اثرا واعرفهم بالامانة
وجها فان ذلك دليل على
نصيحتك لله ولمن وليت
امره واجعل لرأس كل
امر من امورك رأسا
منهم لا يقهره كبيرها
ولا يتشتت عليك كثيرها

ان کا بھی جو مقیم ہیں اور ان کا بھی جو پھیری
کرتے ہیں، کیونکہ یہ لوگ ملک کی دولت
بڑھاتے ہیں۔ دور دور سے سامان لاتے ہیں
خشکیوں، تریوں، میدانوں، ریگستانوں، سمندروں
دریاؤں، پہاڑوں کو پار کر کے ضروریات زندگی
مہیا کرتے ہیں، ایسی ایسی جگہوں سے مال و متاع
لاتے ہیں۔ جہاں اور لوگ نہیں پہنچتے بلکہ وہاں
جانے کی ہمت بھی نہیں کر سکتے۔

تاجر اور اہل حرفہ امن پسند لوگ ہوتے
ہیں۔ ان سے شورش و بغاوت کا اندیشہ نہیں
ہوتا، اس پر بھی ضروری ہے کہ پایۂ تخت میں
بھی اور اطراف ملک میں بھی ان پر نگاہ
رکھی جائے۔ کیونکہ ان میں سے اکثر بڑے
تنگ دل، بڑے بخیل ہوتے ہیں، اجارہ داری
سے کام لیتے ہیں اور لین دین میں کمی ڈال کے
لوٹ لینا چاہتے ہیں۔

اجارہ داری کی قطعی ممانعت کر دینا،
کیونکہ رسول اللہ نے اس سے منع فرمایا ہے
لیکن ہاں خرید و فروخت خوش دلی سے ہو،
وزن سب ٹھیک ٹھیک ہوں۔ نرخ مقرر ہوں،
نہ بیچنے والا گھاٹے میں رہے نہ مول لینے

ومهما كان في كتابك من عيب فتغابيت عنه الزمته

والا، مونڈا جائے اور مخالفت پر بھی اگر کوئی اجارہ داری کا مرتکب ہو تو اعتدال کے ساتھ اسے عبرت انگیز سزا دی جائے۔

ثم استوص بالتجار وذوي الصناعات واوص بهم خيراً المقيم منهم والمضطرب بماله والمترفق ببدنه فانهم مواد المنافع واسباب المرافق وجلابها من المباعد والمطارح في برك وبحرك وسهلك وجبلك وحيث لا يلتئم الناس لمواضعها ولا يجترئون عليها فانهم سلم لا تخاف بائقته وصلح لا تخشى غائلته وتفقد امورهم بحضرتك وفي حواشي بلادك واعلم مع ذلك ان في كثير منهم ضيقاً فاحشاً وشحاً قبيحاً واحتكاراً للمنافع وتحكماً في البياعات وذلك باب

پھر اللہ اللہ نچلے طبقے کے معاملے میں یہ لوگ وہ ہیں جن کا کوئی سہارا نہیں، فقیر مسکین، محتاج، قلاش، اپاہج، ان میں سے ایسے بھی ہیں جو ہاتھ پھیلاتے ہیں، اور ایسے بھی ہیں جو ہاتھ نہیں پھیلاتے، مگر خود صورتِ حال ہیں۔

ان لوگوں کے بارے میں جو فرض خدا نے تمہیں سونپا ہے اس پر نگاہ رکھنا، اُسے تلف نہ ہونے دینا، بیت المال میں ایک حصہ ان کے لئے خاص کر دینا۔ اور اسلام کی جہاں جو صافی جائیداد موجود ہے اس کی آمدنی میں ان کا حصہ بھی رکھنا۔ ان میں سے دُور کون ہے کون نزدیک ہے؛ یہ نہ دیکھنا دُور نزدیک سب کا حق برابر ہے اور ہر ایک کے حق کی ذمہ داری تمہارے سر ڈال دی گئی ہے۔

دیکھو دولت کا نشہ تمہیں ان بے چاروں سے غافل نہ کر دے۔ اگر تم نے اس بارے

مضرت للعامة وعيب على
الولاة فامنع من الاحتكار
فان رسول الله صلى الله عليه
واله وسلم منع منه وليكن البيع
بيعا سمحا بموازين عدل واسعار
لا تجحف بالفريقين من البائع و
المبتاع فمن قارف حكرة بعد
نهيك اياه فنكل به وعاقب في غير اسراف
ثم الله الله في الطبقة السفلى من
الذين لا حيلة لهم من المساكين
والمحتاجين واهل البؤسى والزمنى
فان في هذه الطبقة قانعا ومعترا
واحفظ لله ما استحفظك من حقه
فيهم واجعل لهم قسما من بيت
مالك وقسما من غلات صوافي الا
سلام في كل بلد فان للاقصى
منهم مثل الذي للادنى وكل
قد استرعيت حقه فلا يشغلنك
عنهم بطر فانك لا تعذر بتضييعك
التافه لاحكامك الكثير المهم فلا
تشخص همك عنهم ولا تصعر

ہیں اہم و اکثر کو پورا کر دیا تو بھی اس وجہ
سے تمہاری معمولی غفلت بھی معاف نہ کی
جائے گی۔ لہٰذا ان کے ساتھ تکبر سے پیش نہ
آنا اور اپنی توجہ سے انہیں محروم نہ کرنا۔
ان میں ایسے بھی ہوں گے جو تمہارے
پاس پہنچ نہیں سکتے۔ انہیں نگاہیں ٹھکراتی ہیں
اور لوگ ان سے گھن کھاتے ہیں۔ ان کی
خبر گیری بھی تمہارا کام ہے۔ ان کے لئے بھروسے
کے آدمیوں کی خدمات خاص کر دینا مگر یہ
آدمی ایسے ہوں جو خوف خدا رکھتے ہوں،
اور دل کے خاکسار ہوں۔ یہ لوگ بے کسوں کے
معاملات تمہارے سامنے لایا کریں اور تم وہ
کرنا کہ قیامت کے سامنے تمہیں شرمندہ نہ
ہونا پڑے۔ یاد رکھو رعایا میں ان غریبوں
سے زیادہ انصاف کا مستحق کوئی نہیں —
مطلب یہ ہے کہ ہر ایک کا جو حق ہے،
پورا پورا ادا کرتے رہنا۔
اور یتیموں کے پالنے والوں کا بھی خیال
رکھنا ہوگا اور ان کا بھی جو بہت بوڑھے
ہو چکے ہیں، جن کا کوئی سہارا باقی نہیں،
جو بھیک مانگنے کے بھی لائق نہیں ہے۔

خذ لك لهم وتفقد أمور من لا يصل اليك منهم ممن تقتحمه العيون وتحقره الرجال ففرغ لأولئك ثقتك من اهل الخشية والتواضع فليرفع اليك امورهم ثم اعمل فيهم بالاعذار الى الله يوم تلقاه فان هؤلاء من بين الرعية احوج الى الانصاف من غيرهم وكل فاعذر الى الله في تادية حقه اليه وتعهد اهل اليتم وذوي الرقة في السن ممن لا حيلة له ، ولا ينصب للمسالة نفسه و ذلك على الولاة ثقيل والحق كله ثقيل وقد يخففه الله على اقوام طلبوا العاقبة فصبروا انفسهم ووثقوا بصدق موعود الله لهم

واجعل لذوي الحاجات منك قسما تفرغ لهم فيه شخصك وتجلس لهم مجلسا عاما فتتواضع فيه لله الذي خلقك وتقعد عنهم

یہ چھوٹی چھوٹی باتیں حاکموں پر بیشک گراں ہوتی ہیں، لیکن یہ بھی سوچنا چاہیئے کہ پورے کا پورا حق گراں ہی ہے، ہاں خدا حق کو کبھی ان کے لئے آسان کر دیتا ہے جو عاقبت کی طلب میں رہتے ہیں اور اس لئے مشکلات و مکروہات میں اپنے دل کو مضبوط بنا لیتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کا یقین اس وعدۂ الٰہی پر پختہ ہے جو وہ پروردگار اپنے نیک بندوں سے کر چکا ہے۔

اور تم اپنے وقت کا ایک حصہ فریادیوں کے لئے خاص کر دینا، سب کام چھوڑ کے ان سے ملا کرنا، ایسے موقعے پر تمہاری مجلس عام رہے، کہ جس کا جی چاہے بے دھڑک چلا آئے اس مجلس میں تم خدا کے نام پر خاکسار بن جاؤ، فوجیوں، افسروں اور پولیس والوں سے مجلس کو بالکل خالی رکھنا، تاکہ آنے والے دل کھول کے اپنی بات کہہ سکیں، کیونکہ میں نے رسول اللہ کو بار بار فرماتے سنا ہے۔ اس امت کی بھلائی نہیں ہو سکتی جس میں کمزوروں کو طاقت وروں سے پورا حق نہیں دلایا جاتا۔"

یہ بھی یاد رہے کہ اس مجلس میں عوام ہی

جندك واعوانك من احراسك
وشرطك حتى يكلمك متكلمهم
غير متتعتع فاني سمعت رسول الله
صلى الله عليه وسلم يقول في غير موطن
لن تقدس امة لا يؤخذ للضعيف
فيها حقه من القوي غير متتعتع ثم
احتمل الخرق منهم والعي ونح عنهم
الضيق والانف يبسط الله عليك
بذلك اكناف رحمته ويوجب
لك ثواب طاعته واعط ما اعطيت
هنيئا وامنع في اجمال واعذار
ثم امور من امورك لابد لك
من مباشرتها منها اجابة عمالك
بما يعيا عنه كتابك ومنها اصدار حاجات
الناس يوم ورودها عليك بما
تحرج به صدور اعوانك وامض
لكل يوم عمله فان لكل يوم ما فيه
واجعل لنفسك فيما بينك وبين
الله افضل تلك المواقيت واجزل
تلك الاقسام وان كانت كلها
لله اذا صلحت فيها النية وسلمت منها

جمع ہوں گے، اب اگر بدتمیزی سے بات
کریں یا اپنا مطلب صاف بیان نہ کر سکیں
تو خفا نہ ہونا، برداشت کر لینا۔ خبردار!
زجر و توبیخ نہ کرنا، تکبر سے پیش نہ آنا
میری وصیت پر عمل کرو گے تو خدا تم پر
رحمت کی چادریں پھیلا دے گا اور اپنی
فرمانبرداری کا ثواب تمہارے لئے اٹل کر دیگا
جس کو کچھ دینا، اس طرح کہ وہ خوش
ہو جائے اور نہ دے لیکن تو اپنا عذر صفائی
سے بیان کر دینا۔
پھر ایسے معاملات بھی ہیں جنہیں خود
اپنے ہی ہاتھ میں تمہیں رکھنا ہوگا۔ ایک
معاملہ تو یہی ہے کہ عمال حکومت کے ان
مراسلوں کا جواب خود لکھا کرنا۔ جو تمہارے
منشی نہیں لکھ سکتے۔
اور ایک معاملہ یہ ہے جس دن روپیہ
آئے اسی دن مستحقوں کو بانٹ دینا۔ اس سے
تمہارے درباریوں کو کوفت تو ضرور ہوگی
کیونکہ ان کی مصلحتیں تقسیم میں تاخیر و تعویق
چاہیں گی۔
روز کا کام روز ختم کر دینا کیونکہ ہر دن

الرعية

وليكن فى خاصة ما تخلص
به لله دينك اقامة فرائضه التى
هى له خاصة فاعط الله من
بدنك فى ليلك ونهارك ووف
ما تقربت به الى الله من ذلك كاملاً
غير مثلوم ولا منقوص بالغاً من بدنك
ما بلغ واذا قمت فى صلاتك للناس
فلا تكونن منفراً ولا مضيعاً فان فى الناس
من به العلة وله الحاجة وقد
سالت رسول الله صلى الله عليه
واله وسلم حين وجهنى الى اليمن
كيف اصلى بهم فقال صل بهم
كصلاة اضعفهم وكن بالمؤمنين
رحيما

اما بعد فلا تطولن احتجابك
عن رعيتك فان احتجاب الولاة
عن الرعية شعبة من الضيق و
قلة علم بالامور والاحتجاب منهم
يقطع عنهم علم ما احتجبوا دونه
فيصغر عندهم الكبير ويعظم

کے لئے اسی کا کام بہت ہوتا ہے۔

اپنے وقت کا سب سے افضل حصہ اپنے
پروردگار کے لئے خاص کر دینا - اگرچہ سب
وقت اللہ ہی کے ہیں۔ بشرطیکہ نیک نیت
ہو اور رعایا کو اس نیک نیت سے سلامتی
ملتی ہو۔

خدا کے لئے دین کو خالص کرنے میں
سب سے زیادہ یہ خیال ہے کہ فرائض بغیر
کسی کمی بیشی کے کما حقہ، بجا لائے جائیں، یہ
فرائض صرف خدا کے لئے خاص ہیں اور ان
میں کسی کا ساجھا نہیں۔

دن اور رات میں اپنا ایک وقت ضرور
خدا کے لئے خاص کر دینا، اور جو عبادت
بھی تقرب الہی کے لئے انجام دینا، اس طرح
انجام دینا کہ ہر لحاظ سے کامل و مکمل ہو۔ کسی
طرح کا کوئی نقص اس میں نہ رہ جائے، چاہے
اس سے تمہارے جسم کو کتنی ہی تکلیف ہو،
اور دیکھو جب امامت کرنا تو ایسی
امامت نہیں کہ لوگ نماز ہی سے بیزار ہو
جائیں، اور ایسی امامت بھی نہیں کہ نماز کا
کوئی رکن ضائع ہو جائے، یاد رکھو نمازیوں

الصغیر ونقیم الحسن ویحسن
القبیح ویشاب الحق بالباطل
وانما الوالی بشرٌ لا یعرف
ماتواری عنه الناس به
من الامور ولیست علی الحق
سمات تعرف بها ضروب
الصدق من الکذب وانما
انت احد رجلین اما امرؤ سخت
نفسك بالبذل فی الحق ففیم
احتجابك من واجب حق
تعطیه او فعل کریم تسدیه
او مبتلی بالمنع فما اسرع کف
الناس عن مسالتك اذا ییسوا من
بذلك مع ان اکثر حاجات الناس
الیك مما لامؤونة فیه علیك
او طلب انصاف فی معاملة
ثم ان الوالی خاصة وبطانة
فیهم استئثار وتطاول وقلة
انصاف فی معاملة فاحسم مادة اولئك
بقطع اسباب تلك الاحوال ولا
تقطعن لاحد من حاشیتك

میں ہر قسم کے لوگ ہوتے ہیں، تندرست بھی
اور بیمار بھی اور ضرورت مند بھی، رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم جب خود مجھے یمن بھیجنے لگے
تو میں نے عرض کیا تھا "یا رسول اللہ! امامت
کس طرح کروں گا؟" جواب ملا "تیری نماز
ویسی ہو جیسی سب سے کم طاقت نمازی کی
ہو سکتی ہے اور تو مومنوں کے لئے رحیم ثابت
ہونا"

یہ بھی ضروری ہے کہ رعایا سے تمہاری
روپوشی کبھی لمبی نہ ہو، رعایا سے چھپنا حاکم
کی تنگ نظری کا ثبوت ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا
ہے کہ حاکم رعایا کے حالات سے بے خبر
ہو جاتا ہے۔

جب حاکم رعایا سے ملنا جلنا چھوڑ
دیتا ہے تو رعایا بھی ان لوگوں سے مانوس
ہو جاتی ہے جو اس سے پردے میں ہو گئے
ہیں، نتیجہ یہ ہوتا ہے بڑے لوگ اس کی
نگاہ میں ہیچ ہو جاتے ہیں اور چھوٹے لوگ
بڑے بن جاتے ہیں، اچھائی برائی بن جاتی
ہے اور برائی اچھائی، حق اور باطل میں تمیز
اٹھ جاتی ہے، اور یہ تو کھلی بات ہے کہ حاکم

وحامتك قطيعة يطمعن
منك في اعتقاد عقدة
تنفعهم من يليها من الناس
في شرب او عمل مشترك
يحملون مؤونته على غيرهم
فيكون مهنا ذلك لهم دونك
وعيبه عليك في الدنيا والآخرة
والزم الحق من لزمه من
القريب والبعيد وكن في
ذلك صابرا محتسبا واقعا
ذلك من قرابتك وخاصتك
حيث وقع وابتغ عاقبته
بما يثقل عليك منه فان
مغبة ذلك محمودة
وان ظنت الرعية بك
حيفا فاصحر لهم بعذرك
واعدل عنك ظنونهم
باصحارك فان في ذلك
رياضة منك لنفسك
ورفقا برعيتك واعذارا
تبلغ به حاجتك من تقويمهم

بھی آدمی ہوتا ہے اور ان سب باتوں کو
جان نہیں سکتا۔ جو اس سے چھپا ڈالی جاتی
ہیں، حق کے سر پر سینگ نہیں ہوتے کہ دیکھتے
ہی سچ کو سچ اور جھوٹ کو جھوٹ کہہ دیا
جائے۔

سوچو تو تم دو میں سے ایک قسم کے
آدمی ہو گے یا تو حق کے سلسلے میں خرچ کرنے
میں سخی ہو گے۔ ایسے ہو تو تمہیں چھپنے کی ضرورت
ہی کیا ہے؟ حق کی طرف سے جو کچھ
تمہارے ذمے واجب ہو چکا ہے اسے
ادا کرو گے۔ یا اور کوئی نیک کام کر گزرو گے
اور یا پھر تم بخل و منع کی آزمائش میں ڈالے
گئے تو اس صورت میں بھی چھپنا غیر ضروری
ہے، کیونکہ اس قماش کے آدمی سے لوگ
بڑی جلدی مایوس ہو کر کنارہ کشی اختیار
کر لیتے ہیں، حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ تم سے
لوگوں کی زیادہ تر ضرورتیں ایسی ہوں گی،
جن سے تم پر کوئی بوجھ نہ پڑے گا، وہ
کسی ظلم کی شکایت لے کر آئیں گے یا کسی
معاملے میں انصاف کے طالب ہوں گے۔
تمہیں یہ بھی سمجھ لینا کہ حاکم کے

على الحق ولاتدفعن صلحا
دعاك اليه عدوك
ولله فيه رضا فان
في الصلح دعة لجنودك
وراحة من همومك
وامنا لبلادك ولكن
الحذر كل الحذر من
عدوك بعد صلحه فان
العدو ربما قارب
ليتغفل، فخذ بالحزم
واتهم في ذلك حسن الظن
وان عقدت بينك وبين
عدوك عقدة او البسته
منك ذمة فحط عهدك
بالوفاء وارع ذمتك بالامانة
واجعل جنة دون ما
اعطيت فانه ليس من
فرائض الله شيء الناس
اشد عليه اجتماعا مع
تفرق اهوائهم وتشتت
آرائهم من تعظيم الوفاء

درباریوں اور مصاحبوں میں خودغرضی، تعلّی
زیادتی، بدمعاملگی ہوا کرتی ہے۔ ان کے
شر سے مخلوق کو بچانے کی صورت یہی ہے کہ
اُن کی برائیوں کے سرچشمے ہی بند کر دیئے
جائیں۔

خبردار کسی مصاحب یا رشتہ دار کو جاگیر
نہ دینا، ایسا کرو گے تو یہ لوگ رعایا پر ظلم
کریں گے۔ خود فائدہ اُٹھائیں گے اور دنیا و
آخرت میں مخلوق خدا کی بدگوئی تمہارے سر
پڑے گی۔

حق کسی کے خلاف پڑے۔ اس پر حق
ضرور نافذ کرنا چاہیئے، چاہے تمہارا عزیز
قریب ہو یا غیر، اس بارے میں تمہیں مضبوط
اور ثوابِ خداوندی کا آرزومند رہنا ہوگا
حق کا وار، خود تمہارے رشتہ داروں اور
عزیزترین مصاحبوں ہی پر کیوں نہ پڑے
تمہیں خوشدلی سے یہ گوارا کرنا ہوگا،
بے شک تم بھی آدمی ہو اور تمہیں اس سے
کوفت ہوسکتی ہے، لیکن تمہاری نگاہ ہمیشہ
نتیجے پر رہنا چاہیئے، یقین کرو، نتیجہ تمہارے
حق میں اچھا ہی ہوگا۔

بالعهود وقد لزم ذلك
المشركون فيما بينهم
دون المسلمين لما استوبلوا
من عواقب الغدر فلا
تغدرن بذمتك ولا
تخيسن بعهدك ولا
تختلن عدوك فانه
لا يجترئ على الله الا
جاهل شقيٌّ وقد جعل
الله عهده وذمته
امناً خصمه بين العباد
برحمته وحريما يسكنون
الى منعته ويستفيضون
الى جواره فلا ادغال ولا
مدالسة ولا خداع
فيه ولا تعقد عقداً
تجوز فيه العلل ولا
تعولن على لحن قول
بعد التاكيد والتوثقة
ولا يدعونك ضيق امر
لزمك فيه عهد الله

اگر رعایا کو تم پر کبھی ظلم کا شبہ ہو جائے
تو بے دھڑک رعایا کے سامنے آجانا اور اس کا
شبہ دور کر دینا، اس سے تمہارے نفس کی ریاضت
ہو گی - دل میں رعایا کے لئے نرمی پیدا ہو گی
اور تمہارے عذر کا بھی اظہار ہو جائے گا
ساتھ ہی تمہاری یہ غرض بھی پوری ہو
جائے گی - کہ رعایا حق پر استوار ہے۔
اور دیکھو جب دشمن ایسی صلح کی طرف
بلائے جس میں خدا کی رضامندی ہو تو انکار
نہ کرنا - کیونکہ صلح میں تمہاری فوج کے لئے آرام
ہے اور خود تمہارے لئے بھی فکروں سے چھٹکارا
اور امن کا سامان ہے۔
لیکن صلح کے بعد دشمن سے خوب چوکس
خوب ہوشیار رہنا چاہیئے، کیونکہ ممکن ہے
صلح کی راہ سے اس نے تقرب اس لئے حاصل
کیا ہو کہ بے خبری میں تم پر ٹوٹ پڑے،
لہٰذا بڑی ہوشیاری کی ضرورت ہے، اس
معاملے میں حسن ظن سے کام نہیں چل سکتا!
اور جب دشمن سے معاہدہ کرنا یا اپنی
زبان اسے دے دینا تو عہد کی پوری پابندی
کرنا، عہد کو بچانے کے لئے اپنی جان تک

الی طلب انفساخه بغیر
الحق فان صبرك علی
ضیق امر ترجوا نفراجه
وفضل عاقبته خیر من
غدر تخاف تبعته ان تحیط
فان صبرك علی ضیق
امر ترجوا انفراجه و
فضل عاقبته خیر من
غدر تخاف تبعته ان تحیط
بك من الله فیه طلبة
فلا تستقبل فیها دنیاك
من الله فیه طلبة فلا
تستقبل فیها دنیاك ولا
آخرتك

ایاك والدماء وسفكها
بغیر حلها فانه لیس شیٔ
ادنی لنقمة ولا اعظم لتبعة
وانقطاع مدة من سفك
الدماء بغیر حقها والله
سبحانه مبتدی بالحکم
بین العباد فیما تسافکوا

بازی لگا دینا کیونکہ سب باتوں میں لوگوں
کا اختلاف رہا ہے، مگر اس بات پر سب
متفق ہیں کہ آدمی کو اپنا عہد پورا کرنا چاہیئے
مشرکوں تک نے عہد کی پابندی ضروری
سمجھی تھی حالانکہ مسلمانوں سے بہت پیچھے
تھے یا اس لئے کہ تجربوں نے انہیں بتا دیا
تھا کہ عہد شکنی کا نتیجہ تباہ کن ہوتا ہے۔
لہٰذا اپنے عہد، وعدے، زبان کے
خلاف کبھی نہ جانا، دشمن سے دغا بازی نہ
کرنا، کیونکہ یہ خدا سے سرکشی ہے اور خدا
سے سرکشی بے وقوف و سرکش ہی کیا کرتے
ہیں۔

اور عہد کیا ہے، خدا کی طرف سے
امن و امان کا اعلان ہے، جو اس نے
اپنی رحمت سے بندوں میں عام کر دیا
ہے، عہد خدا کا حرم ہے، جس میں
سب کو پناہ ملتی ہے اور جس کی طرف
سبھی دوڑتے ہیں۔

خبردار! عہد و پیمان میں کوئی دھوکا،
کوئی کھوٹ نہ رکھنا اور معاہدے کی عبارت
ایسی نہ ہونے دینا جو گول مول مبہم ہو،

من الدماء یوم القیامة
فلا تقوین سلطانك بسفك
دم حرام فان ذلك مما
یضعفه و یوهنه بل یزیله
و ینقله ولا عذر لك عند
الله ولا عندی فی قتل
العمد لان فیه قود البدن
وان ابتلیت بخطاء وافرط
علیك سوطك او سیفك
او یدك بالعقوبة فان
فی الوکزة فما فوقها مقتلة
فلا تطمحن بك نخوة
سلطانك عن ان تؤدی
الی اولیاء المقتول حقهم
وایاك والاعجاب بنفسك
والثقة بما یعجبك منها
وحب الاطراء فان ذلك
من اوثق فرص الشیطان
فی نفسه لیمحق ما یکون
من احسان المحسنین
وایاك والمن علی رعیتك

کتنی کتنی مطلب اس سے نکلتے ہوں، اگر کبھی
ایسا ہو جائے تو عہد دے چکنے کے بعد ایسی
عبارت سے فائدہ نہ اٹھانا۔
اور یہ بھی یاد رہے کہ معاہدہ ہو چکنے
کے بعد اگر اس کی وجہ سے پریشانی لاحق ہو
تو ناحق اسے منسوخ نہ کر دینا، پریشانی
جھیل لینا بدعہدی کرنے سے کہیں بہتر ہے
بدعہدی پر خدا تم سے جواب طلب کرے گا
اور دنیا و آخرت میں اس کے مواخذے
سے کہیں مفر نہ ہو گا۔
خبردار! ناحق خون نہ بہانا، کیونکہ
خونریزی سے بڑھ کر بد انجام نعمت کا ڈھانے
والا، مدت کو ختم کرنے والا کوئی کام نہیں
قیامت کے دن جب خدا کا دربار عدالت
لگے گا تو سب سے پہلے خونِ ناحق ہی کے
مقدمے پیش ہوں گے اور خدا فیصلہ کرے گا
یاد رکھو خونریزی سے حکومت طاقت ور
نہیں ہوتی بلکہ کمزور پڑ کر مٹ جاتی ہے۔
اور یہ تو کھلی بات ہے کہ قتل عمد میں تم
نہ خدا کے سامنے کوئی عذر پیش کر سکتے ہو
نہ میرے سامنے لیکن اگر سزا دینے میں تمہارے

باحسانك او التزيد فيما كان من فعلك او ان تعدهم فتتبع موعدك بخلفك فان المن يبطل الاحسان والتزيد يذهب بنور الحق والخلف يوجب المقت عند الله والناس قال الله تعالى كبر مقتا عند الله ان تقولوا ما لا تفعلون.

کوڑے یا تلوار یا ہاتھ سے نادانستہ اسراف ہو جائے تو حکومت کے غرے میں مقتول کا خون بہا اس کے وارثوں کے حوالے کرنے سے باز نہ رہنا

خبردار! خود پسندی کے شکار نہ ہو جانا، نفس کی جو بات پسند آئے۔ اس پہ بھروسہ نہ کرنا، خوشامد پسندی سے بچنا۔ کیونکہ شیطان کے لئے یہ زریں موقع ہوتا ہے کہ نیکوکاروں کی نیکیوں پہ پانی پھیر دے۔

وایاك والعجلة بالامور قبل اوانها او التسقط فيها عند امكانها او اللجاجة فيها اذا تنكرت او الوهن عنها اذا استوضحت فضع كل امر موضعه واوقع كل عمل موقعه وایاك والاستئثار بما الناس فيه اسوة والتغابي عما تعنى به مما قد وضح للعيون فانه ماخوذ منك لغيرك وعما قليل تنكشف عنك اغطية الامور وينتصف منك للمظلوم املك حمية انفك وسورة حدك وسطوة يدك وغرب لسانك واحترس من كل

خبردار! رعایا پر کبھی احسان نہ جتانا۔ جو کچھ اس کے لئے کرنا اسے بڑھا چڑھا کر نہ دکھانا اور وعدہ خلافی بھی کبھی نہ کرنا، احسان جتانے سے احسان مٹ جاتا ہے، بھلائی کو بڑھا کر دکھانے سے حق کی روشنی چلی جاتی ہے، اور وعدہ خلافی سے خدا بھی ناخوش ہوتا ہے اور حق کے بندے بھی، اللہ تعالے فرما چکا ہے کبر مقتاً عند اللہ ان تقولوا ما لا تفعلون۔

جلد بازی سے کام نہ لینا ہر معاملے کو اس کے وقت پر ہاتھ میں لینا اور انجام کو پہنچا دینا، وقت سے پہلے اس کے لئے جلدی کرنا، نہ وقت آجانے پر تساہل برتنا۔

ذلك بكف البادرة وتاخير
السطوة حتى يسكن غضبك
فتملك الاختيار ولن تحكم
ذلك من نفسك حتى تكثر همو
مك بذكر المعاد الى ربك
والواجب عليك ان تتذكر
ما مضى لمن تقدمك من حكومة
عادلة او سنة فاضلة او اثر عن
نبينا صلى الله عليه وآله وسلم
او فريضة فى كتاب الله فتقتدى
بما شاهدت مما عملنا به
فيها وتجتهد لنفسك فى اتباع
ما عهدت اليك فى عهدى هذا
واستوثقت به من الحجة لنفسى
عليك لكيلا تكون لك علة عند
تسرع نفسك الى هواها
وانا اسأل الله بسعة
رحمته وعظيم قدرته على
اعطاء كل رغبة ان يوفقنى
واياك لما فيه رضاه من الاقامة
على العذر الواضح اليه والى خلقه

اگر معاملہ مشتبہ ہو تو اس پر اصرار نہ کرنا ،
روشن ہو اس میں کمزوری نہ دکھانا ۔ حاصل یہ
ہے کہ ہر کام اس کے وقت پر کرنا اور ہر
معاملے کو اس کی جگہ رکھنا۔

کبھی ایسی چیز کو اپنے لئے خاص نہ کر
لینا جس میں سب کا حق برابر ہے اور نہ ایسی
باتوں سے انجان بن جانا جو سب کی آنکھوں
کے سامنے ہیں ، خود غرضی سے جو کچھ حاصل
کرو گے ۔ تمہارے ہاتھ سے چھن جائے گا ،
اور دوسروں کو دے دیا جائے گا ، جلد ہی
تمہاری آنکھوں پر سے پردے اٹھ جائیں گے
اور مظلوم سے جو کچھ لے چکے ہو اس کی داد رسی
ہو گی۔

دیکھو اپنے غصے کو ، طیش کو ، ہاتھ کو ،
زبان کو قابو میں رکھنا ۔ سزا دینے کو ملتوی
کر دینا ، یہاں تک کہ غصہ ٹھنڈا ہو جائے
اس وقت تمہیں اختیار ہو گا کہ جو مناسب
سمجھو کرو ، مگر اپنے آپ پر قابو نہ پا سکو گے
جب تک پروردگار کی طرف واپسی کا معاملہ
تمہارے خیالات پر غالب نہ آ جائے ۔

گزری ہوئی منصف حکومتوں ، نیک .

مع حسن الثناء في العباد وجميل
الاثر في البلاد وتمام النعمه
وتضعيف الكرامة وان يختم
لي ولك بالسعادة والشهادة وانا
اليه راغبون والسلام على رسول
الله صلى الله عليه وآله وسلم
الطيبين الطاهرين وسلم
تسليماً كثيرا
والسلام

دستوروں ہمارے نبیؐ کے واقعات اور کتاب اللہ
کے فرائض ہمیشہ یاد رکھنا تاکہ اپنی حکومت
کے معاملات میں ہمارے عمل کی پیروی کر سکو
تمہیں پوری کوشش سے میری ہدایتوں
پر عمل کرنا چاہیئے، جو اپنی اس وصیت میں
لکھ چکا ہوں، میرا یہ عہد تم پر حجت ہے
اور اس کے بعد اپنے نفس کی خواہشوں کا ساتھ
دینے میں کوئی عذر نہ پیش کر سکو گے۔
میں اللہ بزرگ و برتر سے دست بدعا
ہوں جس کی رحمت وسیع اور قدرت عظیم
ہے کہ مجھے اور تمہیں اس راہ کی توفیق بخشے
جس میں اس کی رضامندی اور مخلوق کی
بھلائی ہے، ساتھ ہی بندوں میں نیک نامی
اور ملک کے لئے ہر طرح کی اچھائی ہے،
اور یہ کہ اس کی نعمت ہم پر پوری ہو۔ اس
کی عزت افزائی بڑھتی ہے، اور یہ کہ میرا
اور تمہارا خاتمہ سعادت وشہادت پر ہو
بے شک ہم اللہ کی طرف رغبت رکھتے ہیں
والسلام علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وآلہ
وسلم ـــــ والسلام[1]

---

[1] نہج البلاغہ (رقعات و توقیعات) ص ۸۰ - ۴۹۵

(۱۷۱)

ذمیوں پر زیادتی نہ ہو!

شام پر جب حضرت علیؓ نے چڑھائی کی تو عمال حکومت کے نام ایک فرمان صادر فرمایا جس میں انہیں اور فوجیوں کو تاکید کی کہ ہرگز ذمیوں کے علاقوں سے گزرتے ہوئے کسی طرح کی زیادتی اور دھاندلی نہ کی جائے تاکید فرمائی کہ اگر کوئی سپاہی ذمیوں کو ستائے تو اسے قرار واقعی سزا دی جائے، ارشاد فرماتے ہیں:۔

الی العمال الذین یطا الجیش	اللہ کے بندے علیؓ امیر المومنین کی
عملہم من عبد اللہ علی امیر	طرف سے ان تحصیلداروں جن کے علاقے
المومنین الی من مر بہ الجیش	سے فوج گذرے گی۔
من جباۃ الخراج وعمال البلاد	اما بعد! میں نے فوجیں روانہ کی ہیں
اما بعد فانی قد سیرت جنوداً ھی	یہ فوجیں انشاء اللہ تمہارے علاقوں سے
مارۃ بکم ان شاء اللہ اوصیتھم	گذریں گی، میں نے فوجیوں کو پوری تاکید
بما یجب اللہ علیہم من کف	کر دی ہے اور بتایا ہے کہ خدا نے انہیں لوگوں
الاذی وصرف الشذی وانا ابرأ	کو اذیت دینے اور شرارت کرنے سے منع
الیکم والی ذمتکم من معرۃ الجیش	فرما چکا ہے اور تم بھی سن لو کہ میں تمہارے
الا من جوعۃ المضطر لا یجد	اور ذمیوں کے معاملے میں فوج کی زیادتیوں
عنہا مذھباً الی شبعہ فنکلوا	سے بری الذمہ ہوں، لیکن ہاں سپاہی بھوک
من تناول منہم شیئاً ظلماً عن	سے مر رہے ہوں اور پیٹ بھرنے کی کوئی
ظلمہم وکفوا ایدی سفہائکم	سبیل نہ ہو تو اور بات ہے۔ ورنہ وہ
عن مضارتہم والتعرض لہم	زیادتی کریں تو انہیں سخت سزا دو۔ بدی کا
فیما استثنیناہ منہم وانا بین	انہیں بدلہ مزا چکھاؤ لیکن اپنے غنڈوں

اظهر الجيش فارفعوا الى مظالمكم وما عراكم مما يغلبكم من امرهم وما لا تطيقون دفعه الا بالله وبي فانا اغيره بمعونة الله ان شاء الله

کے ہاتھ بھی فوج کے ستانے اور حیران کرنے سے روکنا، میں تو فوج کے پیچھے موجود ہی ہوں فوج کی طرف سے کوئی ظلم زیادتی یا ایسی بات ہو جو تمہیں بے بس کر ڈالے تو مجھے خبر کرنا۔ میں خدا کی مدد سے سب کچھ ٹھیک کر دوں گا انشاء اللہ![1]

(۱۸)
ذمیوں کے لئے ایک اور فرمان

اسی مفہوم کو آپ نے سپہ سالاروں کے نام جو فرمان جاری کیا ہے، اس میں اور زیادہ واضح کر دیا ہے ارشاد ہوتا ہے۔

فوجیوں کی زیادتیوں میں بری الذمہ ہونے کا میں تمہارے سامنے اعلان کئے دیتا ہوں۔ فوجیوں کو ظلم و تعدی سے روکو اور شریروں کو سزائیں دو خبردار کوئی ایسی بات ہم سے سرزد نہ ہونے پائے جو خدا کو بری لگے اور ہماری تمہاری دعاؤں پر در اجابت بند ہو جائے، کیونکہ اللہ عزوجل شانہ، فرما چکا ہے ما يعبأ بكم لولا دعاؤكم

اور یاد رکھو خدا جس قوم کو آسمان پر ناپسند کرتا ہے۔ وہ زمین پر برباد ہو جاتی ہے، لہٰذا اپنے لئے بھلا چاہو، اپنے سپاہیوں کو اچھی سیرت پر رکھو۔ رعایا کی مدد کرتے رہو۔ دین الٰہی کو قوت پہنچاؤ اور خدا کی راہ میں جیسا کہ اس کا مطالبہ ہے پوری طرح کام آؤ، کیونکہ خدا کے ہم پر اور تم پر بے شمار احسان ہیں، جن کا

[1] نہج البلاغۃ (رقعات و توقیعات) صـ۸۱۳

شکر بجالانا واجب ہے اور یہ کہ ہم سب اپنی پوری قوت سے اس کی نصرت میں لگ جائیں۔ اگرچہ سب قوت خدا ہی کی طرف سے ہے۔ والسلام۔

(۱۹)

نیا دستور نہ رائج کرو!

محمدؓ بن ابی بکر کو جب حضرت علیؓ نے مصر کا گورنر بنایا تو ان کے نام آپ نے ایک فرمان صادر فرمایا جس میں تاکید کی کہ مصری رعایا کے ساتھ اچھا برتاؤ کیا جائے، اس فرمان میں جہاں آپ نے مسلمان فاجر پر سختی کرنے کا حکم دیا ہے وہاں غیر مسلم ذمیوں کے ساتھ انصاف کرنے کی تاکید فرمائی ہے، اور یہ حکم دیا ہے کہ ذمیوں کے پرانے دستور جوں کے توں قائم رکھے جائیں ان میں کوئی تبدیلی نہ کی جائے اور کوئی نیا دستور رائج کرنے کی کوشش نہ کی جائے۔

حکم دیا ہے ظاہر و باطن میں تقویٰ الٰہی کا اور ہر حال میں خوف خدا کا۔

اور حکم دیا ہے کہ مسلمان سے نرمی برتے اور فاجر پر سختی کرے اور ذمیوں سے انصاف کرے۔

اور حکم دیا ہے کہ مظلوم کو اس کا حق دلائے اور ظالم پر تشدد کرے۔

اور حکم دیا ہے کہ لوگوں کو معاف کیا کرے اور حتی الوسع ان سے اچھا برتاؤ کرے واللہ یجزی المحسنین (خدا اچھائی کرنے والوں کو ثواب بخشتا ہے)

اور حکم دیا ہے کہ اپنی طرف کے لوگوں کو اطاعت و جماعت کی دعوت دے کہ اسی میں ان کی بھلائی اور اتنا بڑا ثواب ہے جس کا اندازہ ہو سکتا ہے، نہ اس کی حقیقت ہی جانی جا سکتی ہے۔

اور حکم دیا ہے کہ زمین کا اسی طرح جمع کرے جس طرح پہلے سے جمع ہوتا آیا ہے۔

ـه نہج البلاغۃ ص۳۵ - ابن ابی الحدید

کسی اچھے پرانے دستور کو توڑ کر نیا دستور جاری نہ کرے اور خراج کو باشندوں پر اسی طرح تقسیم کرے، جس طرح تقسیم ہوتا رہا ہے۔

اور حکم دیا ہے کہ رعایا سے خاکساری برتے، اپنی مجلس میں اور اپنی نظر میں سب کو برابر رکھے۔ حق میں دور و نزدیک اس کے سامنے رہیں۔

اور حکم دیا ہے کہ حق و انصاف سے حکومت کرے۔ خواہش کی پیروی نہ کرے، خدا کے معاملے میں لومۃ لائم کی پروا نہ کرے، کیونکہ خدا اس کے ساتھ ہوتا ہے جو اس سے ڈرتا ہے اور اس کی اطاعت کو ماسوا پر مقدم رکھتا ہے۔

رسول اللہ کے مولیٰ عبداللہ بن ابی رافع نے لکھا ہے۔ بحکم رمضان ۳۶ھ[1]

کیا اس طرح کی مثالیں آج کی متمدن دنیا میں کہیں مل سکتی ہیں۔

(۲۰) فاتح خیبر

حضرت علیؓ کی تربیت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے آغوش شفقت میں ہوئی تھی تربیت گاہ نبوی سے آپ نے پورا پورا فیض حاصل کیا، چنانچہ آپ کی زندگی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کردار اور سیرت کی جھلک نمایاں اور واضح طور پر نظر آتی ہے۔ غیر مسلموں، مفتوحوں، اور ذمیوں کے ساتھ آنحضرت کا برتاؤ سراسر رحمت اور رافت کا تھا آپ نے حضرت علیؓ کو بھی متعدد مواقع پر یہی تلقین کی۔ چنانچہ جب آپؐ نے خیبر فتح کرنے پر حیدر کرار کو مامور فرمایا تو تلقین فرمائی۔

"اگر تمہارے ہاتھ پر ایک شخص بھی اسلام لے آئے تو یہ کام تمہاری غنیمتوں کے حاصل ہونے سے کہیں بہتر اور افضل ہوگا"

---

[1] ابن ابی الحدید

اس ہدایتِ نبوی سے اندازہ ہوتا ہے کہ جنگ اور پیکار کے موقع پر بھی آپ کی ہدایت یہی ہوتی تھی کہ اسلام کی صداقت دشمن کے دلنشیں کی جائے بجائے اس کے کہ ثمرات فتح کا خیال کیا جائے۔

اب ذیل میں اختصار کے ساتھ ہم خیبر کا واقعہ درج کرتے ہیں۔ جب کئی لوگ فتح خیبر میں ناکام رہے! —

نبی صلعم نے فرمایا۔ لاعطین (اولیاتین) الرایۃ غدا رجلا یحبہ اللہ ورسولہ یفتح اللہ علیہ۔ کل فوج کا نشان اس شخص کو دیا جائے گا۔ (یا وہ شخص نشان ہاتھ میں لے گا) جس سے خدا تعالےٰ اور رسول اللہ صلعم محبت کرتے ہیں اور خدا تعالےٰ اُسے فتح عنایت فرمائیگا۔

یہ ایسی تعریف تھی جسے سن کر فوج کے بڑے بڑے بہادر اگلے دن کی کمان ملنے کے آرزومند ہو گئے تھے۔

اس رات پاسبانی لشکر کی خدمت حضرت عمر بن الخطابؓ کے سپرد تھی۔ انہوں نے گرداوری کرتے ہوئے ایک یہودی کو گرفتار کیا اور اسی وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لائے۔ آنحضرت صلعم نماز تہجد میں تھے۔ جب فارغ ہوئے تو یہودی سے گفتگو فرمائی۔ یہودی نے کہا کہ اگر اسے اور اس کے زن و بچہ کو جو قلعہ کے اندر ہیں امان عطا ہو تو وہ بہت سے جنگی راز بتا سکتا ہے۔ یہ وعدہ اس سے کر لیا گیا۔ یہودی نے بتایا کہ نطاۃ کے یہودی آج کی رات اپنے زن و بچہ کو قلعہ شق میں بھیج رہے ہیں اور نقد و جنس قلعہ نطاۃ کے اندر دفن کر رہے ہیں۔ مجھے وہ مقام معلوم ہے جب مسلمان قلعہ نطاۃ لے لیں گے تو میں وہ جگہ بتا دونگا اس نے بتایا کہ قلعہ شق کے تہ خانوں میں قلعہ شکنی کے بہت سے آلات منجنیق

وغیرہ موجود ہیں۔ جب مسلمان قلعہ فتح کرلیں گے تو میں وہ تہ خانے بھی بتا دونگا۔

صبح ہوئی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی مرتضیٰ رضؓ کو یاد فرمایا۔ لوگوں نے عرض کیا کہ انہیں آشوب چشم ہے اور آنکھوں میں درد بھی ہوتا ہے۔ حضرت علی رضؓ آ گئے تو نبی صلعم نے لعاب مبارک جناب مرتضیٰ کی آنکھوں کو لگایا اسی وقت آنکھیں کھل گئیں۔ نہ آشوب کی سرخی باقی تھی اور نہ درد کی تکلیف۔ پھر فرمایا علی رضؓ جاؤ۔ راہ خدا میں جہاد کرو پہلے اسلام کی دعوت کرو، بعد میں جنگ۔ علی رضؓ اگر تمہارے ہاتھ پر ایک شخص بھی مسلمان ہو جائے تو یہ کام بھاری غنیمتوں کے حاصل ہو جانے سے بہتر ہوگا!"

(۲۱)

ذمیوں کے ساتھ رحم و رعایت کی تاکید

اپنے عہد اقتدار میں علی مرتضیٰ نے اس بات کا بڑی سختی کے ساتھ خیال رکھا، ذمیوں پر کسی طرح کی زیادتی نہ ہونے پائے، ایک مرتبہ اپنے ایک عامل کو جب آپ نے اسی طرح کی نصیحتیں فرمائیں تو اس نے عرض کیا کہ ان پابندیوں کے ساتھ اگر میں جزیہ وصول کرنے جاؤں گا، تو جس طرح خالی ہاتھ جا رہا ہوں اسی طرح خالی ہاتھ واپس آؤں گا۔ بیہقی سے ہم پورا قصہ ذیل میں درج کرتے ہیں ۔

"بزرگ سابور" جسے عرب "عبزرج سابور" کہتے تھے ایک ضلع تھا، حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے ایک صاحب کو وہاں کی مالگذاری کے وصول کرنے پر مقرر فرمایا۔ رخصت کرتے ہوئے ان صاحب سے حضرت علی رضؓ نے فرمایا کہ دیکھنا! ایک درہم کے وصول کرنے پر کسی کو کوڑے سے نہ مارنا

اور ہرگز ہرگز ذمی کی ان چیزوں کو بقایا میں نیلام نہ کرانا، روز کی روزی کا جو ذریعہ ہوں گرما اور سرما کے لباس اور ان کے مویشی جن سے کاشت اور باربرداری وغیرہ کا کام لیتے ہوں ان کو ہاتھ نہ لگانا۔

اس شخص نے حضرت علیؓ سے کہا کہ "امیر المومنین! پھر تو میں اسی طرح واپس ہو جاؤں گا، جیسے جا رہا ہوں یعنی کچھ وصول نہ ہوگا" مرتضیٰ علیہ السلام نے یہ سن کر فرمایا "خواہ تم اسی طرح واپس ہی کیوں نہ ہو جاؤ ——"

پھر فرمایا تجھ پر افسوس! مجھے تو یہی حکم دیا گیا ہے کہ لوگوں سے "العفو" لوں یعنی زندگی کی اصل ضرورتوں سے جو بچ جائے اسے لوں۔[1]

(۲۲)

علیؓ اور ابوسفیان

ابوسفیان نے فتح مکہ سے پہلے تک اسلام کے استیصال اور داعیٔ اسلام کی اذیت رسانی میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا، لیکن جب اسلام کا کاروان عظمت فاتحانہ شان کے ساتھ مکے کی طرف روانہ ہوا تو:-

"راہ میں ابوسفیان بن الحارث بن عبدالمطلب اور عبداللہ ابوامیہ آنحضرت صلعم سے ملاقی ہوئے۔

یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سخت ایذائیں دی تھیں اور اسلام کے مٹانے میں بڑی کوششیں کی تھیں۔ آنحضرت صلعم نے انہیں دیکھا اور اپنا رخ پھیر لیا۔ ام المومنین ام سلمہؓ نے عرض کی:-

"یا رسول اللہ- ابوسفیان آپ کے حقیقی چچا کا بیٹا ہے اور عبداللہ حقیقی

---

[1] سنن بیہقی ص۲۰۵

پھوپھی دعا کہ اکا لڑکا ہے اتنے قریبی تو مرحمت سے محروم نہ رہنا چاہئیں۔"

اس کے بعد حضرت علیؓ نے ان دونوں کو یہ ترکیب بتائی کہ جن الفاظ میں برادران یوسفؑ نے معافی کی درخواست کی تھی تم بھی آنحضرت صلعم کی خدمت میں جاکر انہی الفاظ کا استعمال کرو۔ نبی صلعم کے عفو و رحم سے امید ہے کہ ضرور کامیاب ہو جاؤ گے۔ انہوں نے نبی صلعم کے حضور میں حاضر ہو کر یہ آیت پڑھی :-

تاللہ لقد اٰثرك اللہ علینا وان كنا لخاطئین

رسول اللہؐ نے جواب میں فرمایا :-

لا تثریب علیکم الیوم یغفر اللہ لکم وھو ارحم الراحمین

گویا وہ حضرت علی ہی تھے جنہوں نے اپنی ذہانت سے ابوسفیان کو عزت اور وقار کی زندگی بسر کرنے کی ترکیب بتائی ورنہ شاید بنو امیہ کی تاریخ کچھ اور ہوتی۔

(۲۳)

غلاموں کے ساتھ حسن سلوک

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غلامی کا نظام ختم کرنے کی کوشش فرمائی، اس سلسلہ میں سب سے پہلا اقدام آپؐ نے یہ کیا کہ مالکوں کو یہ بتا دیا کہ آقا اور غلام کے مابین انسانیت کا رشتہ مشترک ہے، جو شخص اپنے غلام پر ظلم کرتا ہے اسے خدا کی رحمت کا امیدوار نہ رہنا چاہیئے۔

غلاموں پر یہ لطف و کرم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات تک محدود نہ تھا بلکہ صحابہؓ بھی آنحضرتؐ کے صحیح نمونہ تھے۔ حضرت علیؓ فرمایا کرتے

مجھے ایک ایسے شخص کو غلام خیال کرتے ہوئے شرم آتی ہے جو کہتا ہے "میرا پروردگار اللہ ہے" ایک دفعہ آپ نے اپنے غلام کو کچھ دام دیئے اور فرمایا کہ دو مختلف قیمت کے کپڑے خرید لاؤ، جب وہ خرید لایا تو آپ نے قیمتی کپڑا اسے دے دیا اور معمولی اپنے لئے رکھ لیا اور فرمایا۔ "تم جوان ہو، تمہیں زیب و زینت کی خواہش ہونا چاہیئے، میرا کیا میں اب عمر رسیدہ ہوں"[1]

(۲۴)

جزیہ وصول کرنے میں نرمی کا حکم!

ایک مرتبہ حضرت علیؓ نے اپنے عامل کو خراج اور جزیہ وصول کرنے کے لئے روانہ فرمایا، چلتے وقت آپ نے تاکید کی کہ۔

۱۔ ذمیوں کے کپڑے فروخت نہ کرنا۔

۲۔ ان کے کھانے پینے کا سامان نیلام نہ کرنا۔

۳۔ ان کے مویشی جو کھیتی باڑی کے کام آتے ہیں مت چھیننا۔

۴۔ کسی ذمی کو زدوکوب نہ کرنا۔

۵۔ کسی ذمی کو دھوپ میں کھڑا نہ رکھنا۔

ان ہدایات کے بعد آپ نے فرمایا خدا نے ہمیں ان ذمیوں کا حاکم بنایا ہے لہٰذا ہمارا فرض یہ ہے کہ ان سے نرمی کا برتاؤ کریں۔ یاد رکھو اگر تم نے میری ہدایت پر عمل نہ کیا تو میرے بجائے خدا تم سے بازپرس کرے گا اور یہ بھی یاد رکھو اگر مجھے یہ معلوم ہوا کہ تم

---

[1] عینی رشرح بخاری) ج ۳ ، ص ۲۰۲ ، احیاء العلوم ۔ غزالیؒ باب حقوق المملوک۔

نے میرے ہدایات پر عمل نہیں کیا ہے تو میں تمہیں برطرف کر دوں گا[1]

(۲۵)
بار بار نرمی کی تاکید!

حضرت علیؓ نے اپنے عامل سے جو خراج اور جزیہ کی رقم وصول کرنے جا رہا تھا فرمایا دیکھو ذمیوں کے ساتھ نرمی اور آشتی کا برتاؤ کرنا۔ یہی الفاظ آپ نے تین بار دہرائے[2]

اس واقعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ ذمیوں اور غیر مسلم متعلقوں کے ساتھ آپ کا برتاؤ کتنا زیادہ روادارانہ اور مشفقانہ تھا۔

(۲۶)
زیادہ سے زیادہ رعایت

ذمیوں کے ساتھ حضرت علیؓ کا برتاؤ زیادہ سے زیادہ رعایت اور سہولت پر مبنی تھا، چنانچہ آپ نے اپنے عمال کو تاکید کر دی تھی کہ جب وہ جزیہ وصول کرنے جائیں اور پیشہ ور ذمی نقد روپے کے بجائے اپنی مصنوعات دینا چاہیں تو قبول کر لیں، تاکہ انہیں کسی طرح کی زحمت نہ اٹھانا پڑے۔ چنانچہ آپ کے عہدِ حکومت میں عام طور پر سوئی بنوانے والے سے سوئی کنگھی بنوانے والے سے کنگھی اور رسی بٹنے والے سے رسی نقد روپیہ کے بجائے قیمت کے تناسب سے لے لی جاتی تھی[3]

---

[1] کتاب الخراج لامام ابو یوسف) [2] [3] کتاب الاموال لابو عبید)

(۲۷)

ایک واقعہ کی مزید تفصیل!

گذشتہ صفحات میں ہم نے کسی جگہ یہ واقعہ درج کیا ہے کہ ایک یہودی پر حضرت علی نے اپنے قاضی کی عدالت میں مقدمہ دائر کیا لیکن قاضی نے اُسے خارج کر دیا۔ ذیل میں اس واقعہ کی مزید تفصیل درج کرتے ہیں:۔

جب حضرت علیؓ جنگ صفین میں جانے لگے تو آپ کی زرہ کھو گئی، جب جنگ ختم ہو گئی اور آپ کوفہ واپس تشریف لائے تو آپ نے ایک یہودی کے پاس اس زرہ کو دیکھا آپ نے اس سے فرمایا یہ زرہ میری ہے۔ نہ میں نے بیع کی نہ ہبہ کی پھر تیرے پاس کیسے آئی؛ اس نے کہا کہ میری زرہ ہے اور میرے ہی قبضہ میں ہے۔ آپ نے فرمایا میں قاضی کے یہاں دعویٰ کرتا ہوں۔ چنانچہ آپ قاضی شریح کے یہاں گئے، قاضی شریح نے کہا کہ آپ کا دعویٰ کیا ہے؟ آپ نے فرمایا، یہ میری زرہ ہے نہ میں نے اس کو فروخت کیا نہ ہبہ کیا۔

قاضی شریح نے یہودی سے کہا کہ تمہارا کیا جواب ہے؟ اس نے کہا کہ زرہ میری ہے اور میرے قبضہ میں ہے۔ قاضی شریح نے کہا۔ یا امیر المومنین! آپ کا کوئی گواہ ہے؟ آپ نے اپنے غلام قنبر اور اپنے بیٹے حسنؓ کو پیش کیا۔ قاضی شریح نے کہا کہ بیٹے کی گواہی باپ کے واسطے ناجائز ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اہل جنت کی گواہی ناجائز ہے، حالانکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ حسنؓ اور حسینؓ جوانان جنت کے سردار ہیں۔ اتنے میں یہودی بولا کہ یا امیر المومنین! حالانکہ آپ

امیرالمومنین ہیں مگر آپ مجھے قاضی کے پاس لائے اور وہ قاضی آپ سے عام آدمیوں کی طرح طرح و قدح کر رہا ہے اور یہی آپ کے دین کی صداقت ہے، بیشک یہ زرہ آپ کی ہے۔ میں مسلمان ہوتا ہوں[1]

اشھد ان لا الہ الا اللہ واشھد ان محمد رسول اللہ

کیا اس طرح کی مثالیں آج کی متمدن دنیا میں کہیں مل سکتی ہیں؟

قلم کا مسافر کافی مسافت طے کر چکا اب وہ ذرا سستاتا ہے،
یعنی آگے چلیں گے دم لے کر

رئیس احمد جعفری (ندوی)
۲۰ دسمبر ۱۹۵۶ء

---

[1] تاریخ الخلفاء (سیوطی)

ضمیمہ

مذہب اور تلوار

" مذہب اور تلوار ـــــ ! ـــــ یہ بڑا ٹیڑھا اور نازک مسئلہ ہے، کوئی مذہب جب تک بے بس ہوتا ہے اس کے ماننے والوں کی فروتنی ، نرمی ، اور ملاطفت ، رواداری ، اور وسعت ظرف قابل دید ہوتی ہے ان کے اگر کوئی ایک تھپڑ مارے ، تو وہ دوسرا گال پیش کر دیتے ہیں ، کوئی کرتہ چھینے تو وہ جبہ اتار دیتے ہیں ، کوئی زیادتی کرے ، تو وہ سر جھکا دیتے ہیں ، لیکن پھر بھی پرستاران مذہب ، جب قوت اور طاقت حاصل کر لیتے ہیں ، تلوار ان کے ایک ہاتھ میں ہوتی ہے اور نیزہ دوسروں کے ہاتھ میں ، مخالفین کی گردنیں ان کے رحم وکرم پر ہوتی ہیں ، شہروں ، اور بستیوں کی آبادی اور ویرانی ان کے ایک اشارۂ چشم کی پابند ہوتی ہے ، تو دفعتہً ان کا مزاج بدل جاتا ہے ، اور نیاز و فروتنی کے یہی پتلے ہلاکو بن جاتے ہیں ، پھر یہ رحم نہیں کرتے ، ترس نہیں کھاتے ، نیازمندی اور فروتنی کا مظاہرہ نہیں کرتے ، پھر یہ خون کے دریا بہاتے ہیں ، بے گناہوں

کی گردنیں کاٹتے ہیں، اور ان کے بلند و بالا مینار ٹکڑے کر دیتے ہیں،
شروع میں ان کی خواہش ہوتی ہے کہ ان سے تعرض نہ کیا جائے، ان
کے عقائد و اعمال پر احتساب نہ کیا جائے، انہیں کم از کم اتنی آزادی
اور اجازت دی جائے کہ جس طرح چاہیں سوچیں، جس طرح کے عقائد چاہیں
اختیار کریں، اور جس طرح چاہیں ان پر عمل کریں، لیکن جب یہ خود اس پوزیشن
میں آتے ہیں کہ دوسرے ان سے اسی طرح کی اجازت طلب کریں، تو ان کی
آنکھیں خون خوار ہو جاتی ہیں، ان کے ماتھے پر شکنیں پڑ جاتی ہیں اور فرطِ غضب
سے ان کا تمتماتا ہوا چہرہ انگارہ بن جاتا ہے، ان کی آتشِ غضب مخالفوں کا
خرمنِ حیات جلا دیتی ہے، یہ خدا رحم نہیں کرتے، خدا ترس نہیں کھاتے
ذرا بھی، رواداری، وسعتِ ظرف، اور معقولیت کا ثبوت نہیں دیتے
یہ اپنے خیالات و عقائد زبردستی، دوسروں پر ٹھونستے ہیں، اور اگر وہ
نہیں مانتے، تو بغیر کسی تامل، اور جھجک کے انہیں مار ڈالتے ہیں، اور
جان بھی اس طرح نہیں لیتے کہ تلوار ماری، اور قصہ ختم ہوا، بلکہ یہ کام ایسے
لرزہ خیز طریقے پر انجام دیتے ہیں کہ ماہیانِ دریا، اور مرغانِ ہوا بھی جب
یہ منظر دیکھتے ہیں، تو سہم کر نیم جان ہو جاتے ہیں،!

دنیا کی تاریخ اسی طرح کے حادثات سے بھری پڑی ہے" ۔ اگرچہ
ان باتوں کا آخری نتیجہ یہی ہوتا ہے کہ کچھ عرصہ بعد، مذہب خود بھی اپنی
پیدا کی ہوئی طاقت کا شکار ہو جاتا ہے، بقول ایک فرنگی مفکر کے،:

"مذہب طاقت پیدا کرتا ہے اور یہ طاقت (انجام کار)
مذہب کو کھا جاتی ہے،!"

لیکن ایسا انہی مذاہب کے ساتھ ہوتا ہے، جن کی پالیسی محکومی اور

بے بسی کے عہد میں، کچھ اور ہوتی ہے، طاقت اور اقتدار و اختیار کے دور میں کچھ اور، جو شروع میں رحم و کرم کا پیکر ہوتے ہیں، اور بعد میں، قہر و جلال کی تصویر، یہی اختلاف و تضاد، گھن کی طرح مذہب کے اقدار کو، اور بالآخر، مذہب ہی کو چاٹ جاتا ہے،

ابھی چند سال پہلے کی بات ہے، ہندوستان میں ایک نیا، مذہب، پیدا ہوا، اس "مذہب" کا نام تھا، عدم تشدد، ا و در حقیقت یہ مذہب نیا نہیں تھا، ایک بہت پرانے اور نہایت قدیم مذہب کے احیا اور تجدید کی تحریک تھی، !

اس مذہب کی ماننے والی وہ قوم تھی، جو اپنی رحم دلی کے باعث انسان اور حیوان تو کجا، مچھر اور مکھی تک کا مارنا معصیت سمجھتی تھی، اور اس تحریک دینی کا روح رواں وہ شخص تھا، جو اپنی زندگی ہی میں اوتار کی طرح مانا جانے لگا، جس کی زندگی کا مقصد صرف ایک تھا، سچائی اور عدم تشدد، دوسری جنگ عظیم جب شروع ہوئی، تو اس نے، انگریزوں کا ساتھ آمرو‌ں کے مقابلہ میں اس لیے، دینے سے انکار کر دیا کہ وہ "تشدد" میں کسی کی رفاقت نہیں کر سکتا، پھر جب جاوا، سماٹرا، بورنیو، ملایا، اور سنگاپور بلکہ برما تک پر جاپان کا قبضہ ہو گیا، اور ہندوستان بالکل خطرہ کی زد میں آگیا، اور چین کے سربراہ مملکت جنرل چیانگ کائی شیک، بطور خاص، ہندوستان کو جمہوریت پسند ملکوں کا ساتھ دینے پر آمادہ کرنے کے لیے، بھارت میں تشریف لائے، تو بھی اس پیر مرد نے صاف اور واضح الفاظ میں، اعلان کر دیا کہ جاپان کی فوجیں اگر آتی ہیں تو آئیں ہم اپنے گھر کے دروازے ان کے لیے کھول دیں گے، انہیں تشدد سے نہیں روکیں گے، اور ہمارا یہ کردار دیکھ کر انہیں واپس چلا جانا

پڑے گا، بعض اہلِ نظر نے اس اعلان کو ابلا فریبی قرار دیا، کیونکہ ساتھ ہی ساتھ، یہ وعدہ بھی کیا جا رہا تھا کہ اگر ہندوستان کو آزاد کر دیا جائے، تو پھر ہم مصیبوں کے خلاف، اتحادیوں کا ساتھ دیں گے،

بہرحال حصول اختیارات سے پہلے، اس قوم کا، اس قوم کے روحانی اور دنیادی، سالار کارواں کا، اور اس سالار کارواں کے رفیقوں، اور ساتھیوں کا اصول، عدم تشدد، ہی رہا، اس حقیقت سے کون انکار کر سکتا ہے کہ اس سالار کارواں نے، اس کے ساتھیوں نے، انگریزی پولیس کے ڈنڈے، سر اور سینہ پر کھائے، جواب میں اف تو کی، لیکن ہاتھ نہ اٹھایا اور دُنیا نے اس عظیم و جلیل کارنامہ کے سامنے سرِ عقیدت جھکا دیا، اور خراجِ تحسین پیش کرنے پر مجبور ہو گئی،

لیکن اس قوم کو اور اس کے سالار کارواں کو جب آزادی کی پہلی قسط انڈیا ایکٹ کے ماتحت صوبائی، آزادی کی صورت میں ملی، اور صوبوں میں وزارتیں اس کی اشیرواد، اس کی مرضی، اور اس کی پسند کی قائم ہوئیں، تو ہر جگہ مسلمان، ہدفِ ستم بنائے جانے لگے، منظم فسادات ہوئے، اور ان فسادوں میں، کھیرے ککڑی کی طرح مسلمان ان لوگوں کے ہاتھوں کاٹ دیے گئے، جو، مچھر اور مکھی کا مارنا بھی پاپ خیال کرتے تھے، پھر جب آزادی کی دوسری قسط ملی، اور مرکز میں، التزام وزارت، اس سالار کارواں کے، معتمد ترین، رفیقوں اور ساتھیوں نے اس کی مرضی اور ہدایت سے قائم کی، تو،

ہو گیا مانندِ آب ارزاں مسلماں کا لہو،!

بہار میں، کلکتہ میں، بمبئی میں، یوپی میں، سی پی میں، مسلمانوں کی گردنیں اس طرح کاٹی جانے لگیں، جس طرح، گیہوں کی پکی فصل کسان کاٹتے ہیں، یہی

عدم تشدد کے پرستار تھے، جنہوں نے اپنے رہنماؤں اور لیڈروں کے آنکھوں دیکھتے، عورتوں کی آبروئی، لڑکیوں کو اغوا کیا، بچوں، عورتوں، بیماروں، بوڑھوں مردوں، اور عورتوں کی جان لی، اکاّ دکاّ نہیں ہزاروں کی تعداد میں، جس طرح بڑی بڑی فیکٹریوں اور کارخانوں میں، MASS PROGLUCTION ہوتا ہے، اسی طرح بھارت کی اس وسیع اور طویل و عریض کارگاہ میں انسانی MASS DISTRUCTION نہ ختم ہونے والا سلسلہ شروع ہوگیا،

پھر جب آزادی کی تیسری، اور آخری قسط ملی، تو دلی، میں، جو بھارت کا دارالحکومت تھا، اور جہاں عدم تشدد کی وزارت قائم تھی، خونِ مسلم کی ایک نئی جمنا بہ گئی، مشرقی پنجاب میں، خونِ مسلم کا ایک چھٹا دریا، ٹھاٹھیں مارنے لگا، سالار کارواں ہی کی زندگی میں اس کے مشیروں، اور ندیموں نے حکومت ھند لیکر، کشمیر پر قبضہ کرلیا، جو ناگرھ میں زبردستی، اپنی فوجیں اُتار دیں، ٹراونکور کو، جبر و جور سے الحاق پر مجبور کیا، اور دُوسرے والیانِ ریاست بھی، اپنی مرضی کے خلاف، محض دہشت کے سبب دوسرے معاصرین کا عبرتناک انجام دیکھ کر الحاق پر دستخط کرنے پر مجبور ہوگئے۔

اور یہ جو کچھ ہوا، عدم تشدد کی بڑی لعنتی تھی، اصول و عقائد سے زبردست انحراف تھا، اپنے بنیادی مقصد سے، ناقابل انکار قرار تھا لیکن ستمبر ۱۹۴۸ء میں، یعنی حصول آزادی کے صرف ایک سال بعد حیدر آباد پر جس طرح - پولیس ایکشن کرکے قبضہ کیا گیا، اور پھر بعد میں نظام سے کیے ہوئے تمام وعدے، ایک ایک کرکے توڑ دیئے، اور حد یہ ہے کہ حیدر آباد کا وجود ملک ختم کردیا گیا، اور وہ ریاست، جو رقبہ، اور آبادی کے اعتبار سے، یورپ کی کئی آزاد اور خود مختار، ریاستوں سے

بسی تھی، مال غنیمت کی طرح، مختلف صوبوں میں تقسیم کر دی گئی، اور کل کا "ہزاگزالٹڈ ہائی نس" آج کا ایک معمولی شہری بن گیا، اپنی قوم سے "غداری" بھی اس کے کام نہ آئی، وہ سالار کارواں کے جانشین، اور بھارت کے وزیر اعظم سے کہہ سکتا ہے،

کیا وہ نمرود کی خدائی تھی
بندگی میں مرا بھلا نہ ہوا

آزادی سے قبل، ہندوستان کی سرکاری زبان سالار کارواں نے اور اس کے رفیقوں نے اردو تسلیم کی تھی بایں اعلان کہ اس زبان کے دو سرکاری رسم الخط ہوں گے، فارسی اور دیوناگری، لیکن سالار کارواں کی زندگی میں اس عہد کی خلاف ورزی کی گئی، سب سے پہلے یوپی سے اسے جلاوطن کیا گیا، اردو کا نام اسٹیشنوں تک سے کھرچ ڈالا گیا، پھر دوسرے صوبوں نے اس کار خیر کی تقلید کی، اور آخر میں مرکز ——— دہلی ——— نے بھی، اس اسوہ پر عمل کیا، ہندی، ——— جو اب تک زیر تشکیل زبان ہے ——— سرکاری زبان بن گئی، اور اردو کسمپرسی کی نذر ہو گئی، حد یہ ہے کہ حیدرآباد کی یونیورسٹی ——— عثمانیہ یونیورسٹی ——— جس کا ذریعہ تعلیم اردو تھا، اور جس کے گریجوٹوں نے، یورپ کی دانش گاہوں سے بڑی بڑی ڈگریاں امتیاز اور اختصاص کے ساتھ حاصل کی تھیں، بیک فرمان خسروی، ہندی یونیورسٹی بنا دی گئی، اور کوئی اف بھی نہ کر سکا، مسلمانوں کے تہذیبی ادارے بند کیے، ثقافتی سرگرمیوں پر پابندیاں عائد کی گئیں، سکولوں میں انہیں پار تھنا میں شریک کیا گیا، سرکاری ملازمتوں کے دروازے ان پر بند کر دیئے گئے، ذرا ذرا سی بات پر انہیں ہدف ستم بنایا گیا، بار بار

ان سے وفاداری کا ثبوت طلب کیا گیا، ان کی جائدادیں چھین لی گئیں، نیلام کردی گئیں، جن لوگوں نے پاکستان میں قدم ہی نہیں رکھا تھا، انہیں ایک نئی خوفناک اصطلاح "عازم تخلیہ" کے ماتحت، ہر املاک سے محروم کر دیا گیا اور یہ سب کچھ، اس سالار کارواں کی قوم، اور اس کے مشیروں، ندیموں رفیقوں، اور جان نثاروں نے کیا، جو آج بھی اس کے نعرے لگاتے، اور اس کی وفاداری کا دم بھرتے ہیں،

غرض، ماضی اور حال. ہر قدر کا تجزیہ کیجئے تو آپ ایک ہی نتیجہ پر پہونچیں گے کہ چھوٹی طاقت، بڑی طاقت سے الجھتے ہوئے ہچکچاتی ہے، ڈرتی ہے، خائف ہوتی ہے، لیکن یہی چھوٹی طاقت، جب بڑی طاقت بن جاتی ہے، تو پھر، یہ، ظالم اور غل خوار ہوجاتی ہے، اور چھوٹی قوتوں کو بڑی آسانی سے ہضم کرنے لگتی ہے،

ماضی اور حال کے ان واقعات و حوادث کی روشنی میں، اسلام پر ایک نظر ڈالیے کیا اس نے بھی، عدم تشدد کو اپنا عقیدہ نہ بنانے کے باوجود اور ضرورت کے وقت تلوار اٹھانے کی اجازت دینے کے باوجود بھی اپنے محکوموں کے ساتھ ایسا سلوک کیا؟ کبھی ان کے مال و متاع پر ڈاکہ ڈالا؟ کبھی ان کی تہذیب و ثقافت پر چھاپہ مارا؟ کبھی ان کی زبان، معاشرت اور، رسم و رواج پر حملہ کیا؟ کبھی ان سے کئے ہوئے وعدے توڑے؟ کبھی ان کی بے بسی، مجبوری، اور لاچاری سے ناجائز فائدہ اٹھایا؟ کبھی ان پر زندگی کے دروازے بند کیے؟

وہ لوگ، جو اسلام کے بدترین دشمن ہیں، جنہوں نے اپنی تاریخ نگاری کا جز صرف اسی کام میں صرف کیا ہے کہ، مسلمانوں کو ملعون کریں، اور

ان کے دین کے بارے میں طرح طرح کی غلط فہمیاں پیدا کریں، جنہوں نے اپنی زبان میں قرآن کے غلط ترجمے کیے، حدیث کا غلط مفہوم لیا، فقہ اسلامی کو توڑ مروڑ کر پیش کیا، یہ اعتراف کرنے پر مجبور ہو گئے کہ اپنے دورِ حکومت میں کبھی بھی مسلمانوں نے، غیر مسلموں کے ساتھ نا رواداری کا برتاؤ نہیں کیا،

اپنی کتاب کے دونوں حصوں میں اس موضوع پر ہم کافی مواد پیش کر چکے ہیں، پھر بھی مسلم دورِ حکومت سے متعلق رواداران واقعات وحقائق کا ایک دفتر ہمارے پاس موجود ہے، جو اپنے وقت پر، کتابی صورت اختیار کرے گا، لیکن اس کتاب کو ختم کرنے سے پہلے مشہور مورّخ مولانا اکبر شاہ خاں نجیب آبادی مرحوم ومغفور کے ایک طویل مقالہ کا، ایک حصہ ضروری تلخیص کے بعد پیش کرتے ہیں، اس سے ایک سرسری اندازہ ہو سکے گا، مسلمانوں کی رواداری عالی ظرفی اور سیر چشمی کا،

(رئیس احمد جعفری)

مذہب کی اشاعت کرنے والے اور دوسروں کے مذاہب تبدیل کرنے والے لوگ دو قسم کے ہوتے ہیں، اوّل وہ جو ڈرا دھمکا کر اور لالچ دے کر اپنا کام نکالتے ہیں، دوم وہ جو دلائل وبراہین سے کام لیتے ہیں۔

ان میں پہلی قسم کے لوگوں کے پاس دلائل وبراہین نہیں ہوتے اسی لیے ڈرانے اور لالچ دینے کو کام میں لانا پڑتا ہے۔ یہ لوگ اپنا کام صرف اسی وقت کر سکتے ہیں، جب کہ انکو طاقت حکومت اور مال و دولت حاصل ہو، دوسری قسم کے لوگ ہر حالت میں اپنا کام کرتے ہیں۔ دولت وحکومت کی حالت میں بھی اور افلاس ومحکومی کے عالم میں بھی،

باغ عالم کا پتہ پتہ اور میدان کائنات کا ہر ذرہ شہادت پیش کر رہا ہے۔ کہ زندگی یا حیات نام ہے۔ جنگ اور زور آزمائی کا۔ انسان کا جسم خود عناصر کا ایک میدان کارزار ہے۔ عناصر کی اس جنگ کے موقوف ہو جانے ہی کا نام موت ہے۔ ہواؤں کا چلنا۔ بادلوں کا آنا۔ اور برسنا۔ بجلی کا چمکنا۔ رعد کا گرجنا۔ نباتات کی روئیدگی حیوانات کا بقا و قیام سب نتیجہ ہیں۔ ایک کشمکش اور جنگ و پیکار کا جہاں حیات یا زندگی زیادہ نمایاں ہے اور نشو و نما کا زیادہ اثر پایا جاتا ہے وہاں یہ جنگ بھی زیادہ نمایاں اور زیادہ جوش و خروش سے جاری نظر آتی ہے، جمادات کی نسبت نباتات میں اور نباتات کی نسبت حیوانات میں یہ سلسلہ جنگ اور تنازع للبقا زیادہ پایا جاتا ہے۔ حیوانات میں انسان چونکہ اشرف ہے۔ اور اس کو قوت ارادی بھی عطا کی گئی ہے۔ لہٰذا اس "تنازع للبقا" میں بھی انسان اس طرح ذمہ وار ہے۔ جس طرح اپنے تمام کاموں میں دوسرے حیوانات کی نسبت اس کی ذمہ داری بڑھی ہوئی ہے۔ ایک شیر جس کو قدرت نے مضبوط جسم۔ زبردست دانت اور تیز پنجے عطا کئے ہیں۔ جب اپنا پیٹ بھرنے اور اپنی ہستی قائم رکھنے کے لیے جنگل میں ایک بارہ سنگھے کا شکار کرتا ہے تو اس پر اس فعل کی کوئی ذمہ داری عائد نہیں ہو سکتی۔ اور اس کو مجرموں کی فہرست میں شامل نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن انسان جب دوسرے انسان یا حیوان کے ساتھ اس قسم کا برتاؤ کرتا ہے۔ تو چونکہ اس کا یہ کام اس کے ارادی اور اختیاری افعال کے ایک سلسلہ کا نتیجہ ہوتا ہے۔ لہٰذا کبھی وہ گنہگار قرار دیا جاتا ہے۔ اور کبھی بے گناہ۔ مگر یہ غیر ممکن ہے کہ انسان کے افعال و اعمال میں سے اس کشمکش حیات یا تنازع البقا کو بالکل نکال ڈالا جائے۔ اگر ایسا ممکن ہو۔

تو پھر انسان اپنے اوج و کمال سے گزر کر اس انتہائی پستی میں پہنچ جاتے ۔ جہاں اس کو جمادات سے بھی نیچے کے درجہ پر جگہ مل سکے گی ۔ کوئی ایک قوم بھی کسی زمانہ اور کسی ملک میں ایسی نظر نہیں آتی ۔ جس کو اپنی حیات اور بقا کے لیے ہتھیاروں کے استعمال اور دوسروں سے زور آزمائی کا اتفاق نہ ہوا ہو ۔ ہم تاریخی زمانہ سے لیکر آج تک ہر قوم میں دوسروں کو قتل کرنے والے اور میدان جنگ میں کام آنے والے ہتھیار ہی زیادہ قیمتی اور قابل توجہ چیزیں نظر آتی ہیں ۔ ارجن کی تیر کمان ۔ کرشن جی کا چکرہ رام چندر جی کا ترسول رستم کا گرز گاؤ سر ۔ افراسیاب کی کمند عدو بند ۔ داؤد علیہ السلام کی زرہ وغیرہ آلات حرب اگر نیم تاریخی زمانہ کی چیزیں ہیں ۔ تو سکندر کی زرہ بکتر و مغفر، بہرام چوبیں کا نیزہ ۔ خالد کی تلوار، ہرقل کا خود، پرتھوی راج کا کھانڈہ ، کھانڈے راے کی سپر ، اور قطب الدین کا تیر وغیرہ آلات جنگ تاریخی زمانہ کے سامان ہیں اور ہمارے زمانہ کی بندوقوں، توپوں ۔ ہوائی جہازوں ۔ آبدوز کشتیوں تارپیڈوں ۔ آہن پوش جہازوں ، قلعوں ۔ دمدموں ۔ خندقی مورچوں وغیرہ سے تو کون ہے جو واقف نہیں ۔

اب اس کے بعد کہنے کی بات صرف اس قدر ہے ۔ کہ تلوار کے استعمال کو کسی قوم کے لیے جرم قرار دینا سراسر ابلہی اور بے وقوفی کی بات ہے ۔ ہاں دیکھنا یہ ہے کہ تلوار بے موقعہ استعمال ہوئی یا با موقع ؟

جس طرح تلوار کا ظالمانہ طریقہ پر استعمال کرنا ایک جرم ہے ۔ اسی طرح ظالموں کو ظلم سے روکنے کے لیے استعمال نہ کرنا بھی ایک جرم ہے ۔

جبری تبدیل مذہب

(۱) تاریخی یا نیم تاریخی روایات جو مذہب کے حالات بتلاتی ہیں :-

اُن میں سب سے پہلے مذہب موسوی زیر توجہ آتا ہے۔ حضرت موسے علیہ السلام نے فرعون اور فرعونیوں کو دلائل و براہین سے راہ راست پر لانا چاہا۔ لیکن کوئی اثر مرتب نہ ہوا۔ چونکہ اُن کی شرارتوں اور اُن کے ضمیر کے مردہ پن کی انتہاء ہو چکی تھی۔ لہٰذا خدائے تعالےٰ نے غیب سے سامان مہیا فرما کر فرعون اور فرعونیوں کو ہلاک کیا۔ اور اپنے نیک و پاک بندوں کو بچایا فرعونیوں کے مانند ہی مردہ فطرت اور ظالم لوگ فلسطین اور شام میں موجود تھے جہاں پیروان موسیٰ علیہ اسلام یعنی حضرت یوشع بن نون کی رہبری و سرداری کے ماتحت بنی اسرائیل کے ذریعہ سزا دی گئی اور شام کے ہر شہر و قریہ کو ظالموں سے پاک کرنے کے لیے قدم قدم پر حضرت یوشع بن نون کو خون بہانا اور تلوار کو استعمال کرنا پڑا۔ یہ قتل و غارت جس میں شریروں کو قرار واقعی سزائیں دی گئیں۔ عقل و انصاف کی عدالت میں جائز ہے۔

پارسی مذہب اور تلوار

(۲) زرتشت نے جس مذہب کی بنیاد رکھی تھی۔ شروع ہی سے تلوار کی نوک اور برچھی کی انی نے اس کو سہارا دیا۔ بوڑھا سپہ سالار رستم اول درجہ کا شاہ پرست تھا۔ گشتاسپ کے ساتھ اس نے دین زردشتی اختیار کیا اور دوسروں کو بھی زبردستی دین زردشتی میں شامل کیا۔ نوجوان شہزادہ اسفندیار نے پنجاب و کشمیر میں اُن لوگوں کے سروں کو جنہوں نے آتش پرستی سے انکار کیا اپنے گرز گراں سے چور چور کر کے خاک و خون میں ملا دیا۔ اور بجبر و تعدی زرتشت کی پیغمبری کا کلمہ پڑھوایا۔ کیوانیوں کا نصف آخر اور ساسانیوں کا پورا زمانہ آتش پرستی کی حمایت میں گذرا۔ اس حقیقت سے کون انکار کر سکتا ہے۔ کہ جہاں تک شاہی تلوار کی آنچ پہنچ سکتی تھی، وہیں وہاں تک آتش خانے گرم

تھے جس ملک اور قوم کے سر سے مجوسیوں کی تلوار کا سایہ دور ہوا - اُسی ملک اور اُسی قوم سے آتش پرستی کا نور بھی کافور ہوا -

بدھ مذہب کی اشاعت

(۳) بدھ مذہب کا حال جہاں تک تاریخوں سے معلوم ہو سکا ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے - کہ اس مذہب کو اپنی اشاعت میں تلوار سے بہت کم کام لینا پڑا ہے - اشوک و کنشک کے زمانہ میں علمی مجالس کا تو حال معلوم ہوتا ہے - لیکن تلواروں کی چمک صفحاتِ تاریخ پر بہت ہی کم نظر آتی ہے - ہاں چندر گپت کی سلطنت کا عظیم الشان ایوان تیار کرنے میں انسانوں کا خون بجائے پانی کے ضرور استعمال کیا گیا ہے، مگر چندر گپت کی سلطنت بدھ مذہب کی سلطنت نہ تھی - چندر گپت کو بادشاہ بنانے اور بدھ مذہب کے مذہبی بادشاہ ممانند کے خاندان کو تباہ کرنے کا باعث برہمن ہی تھے - اس لیے چندر گپت کے زمانہ میں بدھ مذہب بڑی آسانی سے جاری ہو سکا - جبکہ ہندوستان سے جلا وطن کیے ہوئے بدھ لوگوں نے ان ملکوں میں پہنچ کر اپنے مذہب کی اشاعت شروع کی

آریوں کا برتاؤ غیر آریوں سے

(۴) آریوں نے غیر آریوں اور اُن کے مذہب کے ساتھ جو سلوک کیا - اس کا اندازہ بڑی آسانی سے اس طرح ہو سکتا ہے - کہ غیر آریوں نے جو قتل ہونے سے بچ سکے - اپنے آپ کو بچانے کے لیے سر سبز میدان اور شاداب وادیوں کو چھوڑ کر جنگلوں اور پہاڑوں کی گھاٹیوں اور ریگستانوں میں پناہ لی تھی - چنانچہ آج تک ایسے ہی مقامات میں غیر آریوں کی نسلیں پائی جاتی ہیں - بھیل گونڈ - کول - سنتال - وغیرہ ---- آریوں کی سفاکانہ کارروائی کی -

زبردست اور زندہ شہادت پیش کر رہے ہیں آریوں نے غیر آریوں پر کیسے کیسے مظالم روا رکھے۔ اور کس طرح ان کو ذلیل و حقیر ٹھہرا کر انسانوں کے گروہ سے خارج کر کے چوپاؤں کے مرتبہ پر پہنچانے کی کوشش کا وش کا ثبوت ویدوں اور منوسمرتی وغیرہ میں بھی بخوبی موجود ہے۔

آریوں کی حکومت و دولت جب کمزور ہو کر معرض خطر میں آگئی۔ اور غیر مذہب والوں پر تشدد لیے جا روا رکھنے کے قابل نہ رہے۔ تو مریدانِ گوتم بدھ کے وعظ و پند سے متاثر ہو کر لوگ ہندو یا آریا مذہب کو چھوڑنے اور بدھ مذہب کو اختیار کرنے لگے۔ حتیٰ کہ قریباً تمام ملک ہندوستان ہندوؤں کے مذہب کو خیر باد کہہ کر بدھ مذہب کا پیرو بن گیا۔ بدھ مذہب کی انصاف پسندی اور درگذر کا نتیجہ تھا۔ کہ جہاں جہاں تھوڑے بہت آریہ مذہب کے ماننے والے رہ گئے۔ بدھوں نے اُن کے حال اور جان و مال سے کوئی تعرض نہ کیا۔ اور اُن کو تمدنی و معاشرتی حقوق حاصل رہے۔ جب بدھوں کی سلطنت کمزور ہو گئی۔ اور آریہ یا ویدک مذہب برہمنی مذہب کی شکل میں پھر برسر اقتدار ہوا۔ اور بعض راجاؤں کی حمایت اُس کو حاصل ہو گئی۔ تو حکومت و سلطنت کے ذریعہ اس مذہب نے بدھوں پر اپنا وہی عمل شروع کیا۔ جو غیر آریوں کے ساتھ کام میں لایا گیا تھا۔ بدھوں میں سے کچھ لوگ برہمنی مذہب میں پھر جذب ہو گئے۔ کچھ تلوار کے گھاٹ اتار دیئے گئے۔ کچھ آریہ ورت (ہندوستان) سے جلا وطن ہونے پر مجبور کئے گئے۔ چنانچہ آج اس عظیم الشان[1] مذہب کا جو ہندوستان میں پیدا ہوا۔ کوئی پیرو ہندوستان میں نظر نہیں آتا۔

---

(۱) یہ کہنا تو غلط ہے کہ ہندوستان میں بدھ مت کا ایک بھی پیرو نہیں ہے، لیکن یہ واقعہ ہے کہ وہاں بدھ مت کے پیرو نہ ہونے کے برابر ہیں۔ اتنے قلیل التعداد کہ انگلیوں پر گن لیں۔
(رئیس احمد جعفری)

حالانکہ چین و جاپان و برما وغیرہ میں ایک بڑی تعداد موجود ہے۔ اس ملک میں کسی بدھ مذہب کے پیرو کا وجود نہ ہوتا اس بات کا تصور آسانی سے کرا دیتا ہے۔ کہ وہ قتل و جلاوطنی کے نظارے کتنے عظیم الشان ہوں گے۔ جبکہ شنکر اچاریہ کے حامی راجاؤں کی افواج وغیرہ کے واقعات۔ اس زمانہ میں رونما ہو کر راسخ العقیدت اور بہادر بدھوں کے قتل و جلاوطنی کا تصور کرنے میں بہت کچھ مدد دے سکتے ہیں ؎

رسید مژدۂ منقار ہما بر استخواں غالب
پس از عمرے بیادم داد رسم و راہ پیکاں را

عیسائی مذہب کا جبر و جور

(۵) عیسائی مذہب جس ملک میں پیدا ہوا۔ وہاں بذریعہ دلائل و براہین اس کو کوئی کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔ حضرت عیسےٰ علیہ السلام چند معمولی طبقہ کے آدمیوں کے سوا کسی کو اپنا پیرو نہ بنا سکے اس کے بعد جب تک رومن امپائر کے مشرقی حصے کا فرمانروا عیسائیت کا حامی نہ بنا۔ اور یونانی رومی دیوتاؤں کے پرستاروں کا خون آب شمشیر سے آمیختہ نہ ہوا۔ عیسائیت کی اشاعت نہ ہو سکی۔ مصر و یونان و اٹلی وغیرہ میں عیسوی مذہب کو بت پرستی کا مقابلہ کرنا پڑا۔ اور ظاہر ہے کہ دلائل و براہین سے مقابلہ کیا جاتے۔ تو بت پرستی کی ایسے مذہب کے مقابلے میں جو اپنے اندر کچھ نہ کچھ روحانی اور اخلاقی نظام رکھتا ہو۔ ہرگز دیر تک نہیں ٹھہر سکتی۔ اور اسی لیے عیسائیت کا ان ممالک میں اشاعت پانا یقینی تھا۔ تاہم عیسائیت شاہی علم کے نیچے اور تلواروں کے سایہ میں راستہ طے کرتی ہوئی ان میں پھیلی۔ حیرت ہوتی ہے کہ یورپ کے وسطی اور شمالی ملکوں میں بھی عیسائیت کے آگے خون کا سیلاب

رہبری کرتا ہوا نظر آتا ہے۔ افریقہ اور یورپ میں عیسائیت کو بت پرستی
سے واسطہ پڑا۔ اور وہ کامیاب ہوئی، لیکن آتش پرستی پر وہ کوئی اثر نہ
ڈال سکی۔ تلوار کے ذریعہ ایک مرتبہ ساسانی دارالسلطنت تک عیسائی پہنچے
لیکن ایران میں کسی کو عیسائی نہ بنا سکے۔ شام اور اسپین میں عیسائیوں نے
اسلام کو تلوار کے ذریعہ اپنا معمول بنانا چاہا۔ تلوار کے بادلوں سے خون
کی موسلا دھار بارشیں ہوئیں۔ لیکن دونوں جگہ عیسائی ناکام رہے۔ یعنی
اسپین میں مسلمانوں کا اکثر حصہ قتل ہوا۔ بقیۃ السیف جلا وطن ہو گئے
مگر دین عیسوی میں داخل نہ ہوئے۔ ملک شام میں عیسائیوں کا سیلاب
مسلمانوں سے ٹکرا کر اس طرح واپس ہوا۔ جیسے کسی پہاڑ سے ٹکرا کر دریا کی موج
واپس ہوتی ہے۔ مسلمانوں کے مشہور بہادر کا نام ساری دنیا جانتی ہے۔ کہ
صلاح الدین ایوبی تھا جس کے مقابل بڑے بڑے شیر دل بے بس ہو کر رہ
گئے۔ اسپین و شام دونوں جگہ اسلام کو عیسائیت اپنا معمول نہ بنا سکی۔
موجودہ زمانہ میں عیسائیوں نے لالچ کو زیادہ تر آلۂ کار بنا رکھا ہے۔ مثلاً
ہندوستان ہی میں دیکھ لو۔ چمار۔ بھنگی۔ نٹ وغیرہ ادنیٰ طبقہ کی قوموں
میں عیسائیت زیادہ سرایت کر سکی ہے۔ ہندو اور مسلمان شرفاء میں عیسائیت
کے باوجود اس قدر سخت اور باقاعدہ کوششوں کے کوئی نمایاں اثر محسوس
نہیں ہوا۔ شریف و بہادر راجپوت صحیح النسب اور صاحب عزت
سیدوں۔ پٹھانوں اور مغلوں کے خاندان باوجود افلاس و تنگ دستی کے
عیسائیت کی طرف متوجہ نہیں ہوتے۔

جبری تبدیلِ مذہب کی کوششوں کے نتائج

کیخسرو نے بابلیوں کی ضد سے یہودیوں کو آزاد کرانے میں مدد دی۔

لیکن ایرانی اپنے مذہب میں جذب نہ کر سکے۔ بخت نصر کی سفاکیوں نے یہودیوں کو مشرک بنانے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا۔ اور قتل اور جلا وطنی کے بڑے بڑے مہیب و زہرہ گداز مناظر دنیا میں ظہور پذیر ہوتے۔ لیکن یہودیوں کے مذہب و عقیدہ کو کوئی نقصان نہ پہنچ سکا۔ عیسائیت نے بھی اپنی پوری کوشش دلائل و براہین اور شمشیر و تیر کے ذریعہ یہودیوں کو اپنا معمول بنانے میں صرف کی۔ لیکن یہودیت متاثر نہ ہو سکی۔ بالآخر اسلام نے یہودیوں کے اکثر حصہ کو جو عرب و شام وغیرہ میں تھے اپنے اندر جذب کر لیا۔ وہ مذہب جو ایرانیوں۔ بابلیوں اور عیسائیوں کی بے پناہ تلواروں کے مقابلہ میں اپنی استقامت و استواری کامیابی کے ساتھ قائم رکھ سکا تھا۔ اسلام کے مقابلہ میں اس کو خود بخود گردن جھکا دینی پڑی اور بہت سے یہودی خود بخود اسلام میں داخل ہو گئے۔ جو باقی رہے اُن کو مسلمانوں نے کبھی نہ چاہا۔ کہ تلوار کا مزہ چکھا کر اسلام کی لذت سے آشنا کریں۔ افغانستان و بلوچستان و کشمیر میں سکونت رکھنے والے یہودیوں کو مسلمان بنانے کے لیے بھی قطعاً کوئی تلوار میان سے نہیں نکالنی پڑی۔ اسلام کی دلربا خوبیوں نے ان سب یہودیوں کو اسلام کا خادم اور حلقہ بگوش بنا دیا۔ جہاں جہاں اسلام اور یہودیت کا عاملانہ اور معمولانہ حیثیت سے تعلق ہوا یہودیت اسلامی روشنی سے متاثر ہوتے۔ بدون نہ رہ سکی۔ لیکن اس کے خلاف عیسائیت ناکام نظر آتی ہے، عیسائیوں نے یہودیوں کو مجبور کرنے میں کمی نہیں کی۔ اس زمانہ میں بھی یورپ کے اکثر عیسائی حکومتوں نے یہودیوں کو جلا وطنی کے مصائب میں مبتلا رکھنا جائز رکھا۔ اور اُن کے ساتھ عموماً غیر رواداری طرزِ عمل اختیار کیا گیا۔ مگر یہودیوں

نے سب کچھ سہا۔ لیکن عیسائیت میں جذب نہ ہو سکے۔

آتش پرستوں پر اُن کے مذہب کی بڑھتی ہوئی طاقت کو مستعمل کرنے کے لیے سب سے پہلے خاقان چین کا حملہ ہوا جس میں بوڑھا عزلت گزیں بادشاہ لہرا سپ مارا گیا۔ اور خود بانی مذہب وخشور زردتشت کو بھی سفر آخرت پیش آیا۔ مگر یہ ایک بگولہ تھا۔ کہ آیا اور گذر گیا۔ دین زردتشتی کو اس سے کوئی نقصان نہ پہنچا۔ پھر یونانی آندھی آئی اور اپنے ساتھ خون کی گھنگھور گھٹا لائی۔ جو مصر و ایشیائے کوچک سے لے کر ہندوستان تک چھا گئی۔ اس آندھی نے دارائے کیانی کے تخت کو دنیا کے تختہ سے اٹھا دیا۔ اور اس شمشیر نے ایران کے آتش خانوں پر اس طرح خون کا مینہ برسایا کہ سکندر کے بعد جب ساسانیوں کو سانس آیا تو اُنھوں نے ژند و آستا کے صرف چند خون آلود اور دریدہ اوراق کے سوا آتش پرستی کا کوئی سامان نہ پایا۔ مگر دنیا حیران ہے کہ سکندری ابر تیرہ سے مطلع صاف ہوتے ہی سرزمین ایران پر یونانیوں کا کوئی نشان نام کو بھی نظر نہ آیا۔ تھی تو وہی آتش پرستی اور تھا تو وہی مذہب زردتشتی۔

مسلمانوں کا داخلہ غیر مسلم شہروں میں

اس کے بعد سعد بن وقاص کے زیر قیادت اسلامی لشکر حدود ایران پر آیا۔ اور توحید کا جھنڈا دارالسلطنت ایران پر لہرایا۔ حدود ایران کے اندر مسلمانوں نے اختلاف مذہب کی وجہ سے مغلوب مجوسیوں کے خون کا کوئی قطرہ نہیں بہایا۔ بلکہ رفق و مدارات، اسلامی شائستگی اور شفقت و رافت کا وہ نمونہ دکھایا۔ کہ آتش پرستی خود بخود خدا پرستی میں جذب ہو گئی۔ اور آج اگر مجوسیوں کی اولاد آتش پرستوں کی طرف نسبت دی جائے تو وہ

اسے گالی سے بدتر تصوّر کریں گے۔ اور اسلام کے نام پر اپنی جانیں قربان کرنے پر آمادہ نظر آئینگے۔

(۳) بدھ مذہب کو برہمنی مذہب نے اپنا معمول بنانا چاہا۔ اور اس نے خوف و لالچ، دلائل براھین دونوں سے کام لیا۔ جس کا نتیجہ یہ یہ ہوا۔ کہ بودھوں کا ایک حصہ برہمنی مذہب میں داخل ہوا۔ اور دوسرا حصہ جو دلائل و براھین سے تسکین نہ پا سکا۔ اور خوف و لالچ سے متاثر نہیں ہو سکا۔ یا قتل ہوا یا جلاوطن ہو کر چین و جاپان و سیام و برما۔ و تبت وغیرہ میں پہنچ کر اپنے مذہب کی اشاعت میں کامیاب ہوا۔ انہیں بودھوں پر جب اسلام کی ایک ہلکی سی کرن پڑی۔ یعنی چین و سیام اور جزائر کے بودھوں میں چند اسلامی داعی پہنچے۔ تو وہاں کے بودھوں نے بخوشی اسلام کے سامنے اپنی گردنیں جھکا دیں۔ جس کا نتیجہ یہ ہے۔ کہ ہم آج چین میں تقریباً اتنی ہی تعداد دیکھتے ہیں۔ جس قدر کہ[1] ہندوستان میں موجود ہیں۔ جزیرہ نما ملایا۔ جاوا۔ سماٹرا۔ فلپائن وغیرہ جزائر کے تمام بدھ بھی بلا جبر و اکراہ اسلام میں داخل ہو گئے۔"

آریہ اور بدھ

(۴) آریہ ہندو مذہب کا جب بدھ مذہب سے دلائل و براھین کے ذریعہ مقابلہ ہوا۔ تو وہ ہرگز قائم نہ رہ سکا۔ اور بدھ مذہب میں بڑی آسانی سے جذب ہو گیا۔ یونانی اصنام پر تلوار لے کر ہندوستان

---

[1] یہی نہیں بلکہ سارا سندھ بدھ تھا، مسلمان ہو گیا، سارا صوبہ سرحد بدھ تھا آج مسلمان ہے، افغانستان بدھ تھا مگر اسلام کا پاسبان ہے۔ (رئیس احمد جعفری)

میں آتے۔ اور آدھی کی مانند آگ بگولے کی طرح نکل گئے لیکن اُن کی اصنام پرستی کا اثر اس مذہب نے قبول کیا۔ ایرانیوں کی آتش پرستی بایں، استفسار۔ گشت سپ کے ذریعہ آئی اور اس مذہب کا جزو بن گئی۔ ستارہ پرستی کا اثر بھی اس مذہب میں آتش پرستی کے اثر سے آباد ایرانیوں کی ذریعہ سے داخل ہوچکا تھا۔ نوشیرواں کے زمانہ میں ایرانی ہندوستان میں فاتحانہ داخل ہوئے۔ اور ہندوؤں کا مذہب اس مرتبہ بھی ان فاتحین کا اثر قبول کرنے کے بدون نہ رہا چنانچہ نوشیرواں کے مرشد یعنی مزدک کے مسلک کا اثر آج بھی ہندوستان کے ہندوؤں میں موجود ہے۔

ہندوستان میں تبلیغ اسلام

جب مسلمانوں کی حکومت ہندوستان میں قائم ہوئی، تو شریعت اسلام کی اشاعت کرنے والوں کو اس ملک میں بھی تبلیغ اسلام کا موقع ملا۔ اور یہ ایک ثابت شدہ حقیقت ہے کہ مسلمانوں نے حکومت کا خوف دلا کر اور مال و دولت کا لالچ دے کر ہندوؤں کو مسلمان نہیں بنایا۔ تاریخ کا کوئی صفحہ اس بات کی شہادت پیش نہیں کر سکتا۔ کہ کسی مسلمان بادشاہ نے اس لیے قتل یا قید کیا ہو۔ کہ وہ مذہب اسلام قبول کرنے سے انکار کرتا تھا۔ سلطنت اسلامی کی طرف سے ہندوستان میں کسی وقت بھی قطعاً کوئی کوشش ہندوؤں کو مسلمان بنانے کے لیے نہیں کی گئی۔ ہاں مسلمانوں کے علماء اور صوفی لوگ اپنے وعظ و تبلیغ سے ہندوؤں کو اسلام سے آشنا کرتے رہے اور اپنے ضمیر کے موافق کام کرنے والے زندہ دل اور بہادر ہندو اسلام میں داخل ہوتے۔ چنانچہ آج جس کا جی چاہے تمام نو مسلم خاندانوں کے تاریخی حالات کی تحقیق کرے۔ ہر خاندان کی نسبت یہی ثابت ہو گا کہ اس کا مورث فلاں

درویش فلاں صوفی یا فلاں عالم کے فیض صحبت سے مسلمان ہوا تھا۔ ایسا کوئی نومسلم خاندان نہیں ملے گا۔ جس کی نسبت ثابت کیا جا سکے۔ کہ اس کے مورث کو کسی مسلمان بادشاہ نے جبراً مسلمان بنا لیا۔ مسلمان بادشاہوں نے تبلیغ اسلام کی طرف سے ایسی بے پروائی برتی۔ کہ اُنھوں نے معنوی رنگ میں بھی کسی ہندو کو اسلام کی طرف بُلانا نہ چاہا۔ یا ہندوستان کے مسلمان بادشاہوں نے اپنے ہندو مصاحب یا ہندو اہلکار کو اسلام میں داخل ہونے کی ترغیب دی ہو۔ ہندوستان میں جس قدر ہندو مسلمان ہوئے وہ بخود اسلام کی خوبیوں سے واقف ہو کر مسلمان ہوئے۔ یا مسلمان درویشوں نے اُن کو اسلام کی طرف توجہ دلا کر مسلمان کیا۔ یہ بات بھی قابل لحاظ ہے کہ نومسلموں میں سب سے زیادہ ہندوؤں کی بہادر قومیں مثلاً راجپوت وغیرہ پائے جاتے ہیں۔ برہمن۔ بنیے اور اسی قسم کی غیر جنگ جو قومیں بہت ہی کم مسلمان ہوئیں۔ آخر اس کی بھی کوئی وجہ تلاش کرنی چاہیئے کہ ہندوستان کی بہادر اور قوت دار قومیں ہی سب سے زیادہ اسلام میں کیوں داخل ہوئیں؟

راجپوت کیوں مسلمان ہوئے؟

بات یہ ہے۔ کہ ایک بہادر انسان پر جب حق بات منکشف ہو جاتی ہے تو وہ اس حق کی حمایت اور اس کے تسلیم کرنے کے لیے فوراً آمادہ ہو جاتا ہے۔ اور کسی رسم و رواج اور برادری کی مطلق پروا نہیں کرتا۔ لیکن ضعیف القلب سے یہ توقع ہرگز نہیں ہو سکتی کہ وہ حق کے لیے برادری کی مخالفت کرے گا۔ وہ قومیں جو بہادر نہ تھیں۔ یا دُنیا پرستی کے لیے شہرت رکھتی تھیں اسلام میں بہت ہی کم داخل ہوئیں۔ یہ ظاہر ہے کہ اگر اسلام کی اشاعت اس ملک میں تلوار اور مال کے ذریعہ کی جاتی۔ تو نتیجہ بالکل برعکس ہوتا۔ یعنی راجپوت

نومسلم بہت کم نظر آتے اور دوسری قوموں کے نومسلم زیادہ ہوتے ۔ غرضیکہ ہندوستان کی آب و ہوانے جس طرح ہمیشہ دوسری قوموں کے سامنے ہندوؤں کی گردنیں جھکائی ہیں، اسی طرح دوسرے مذاہب کا اثر بھی ہندو مذہب پر غالب آتا رہا ہے۔ مسلمانوں نے ہندوستان میں اپنے مذہب کی اشاعت کے لیے کبھی تلوار استعمال نہیں کی جیسا کہ دوسرے ملکوں میں بھی اُنھوں نے اختلاف مذہب کے سبب کسی کو نہیں ستایا۔ لیکن سب سے زیادہ حیرت انگیز بات یہ ہے۔ کہ اُنھوں نے ہندوستان میں دلائل و براہین کے ذریعہ بھی اپنے مذہب کے شائع ہونے کی ویسی خواہش نہیں کی۔ جیسی کہ اُن کو ہونی چاہیے تھی، بلکہ اُنھوں نے ہندوؤں کے مذہب کو خود بخود اسلام میں جذب اور فنا ہوتے ہوئے دیکھ کر اس کے بچانے اور باقی رکھنے کی کوششیں شروع کر دیں۔ اور انہیں کی احمقانہ کوششوں کا وجود دور مغلیہ میں بڑے زور شور سے جاری ہوئیں۔ یہ نتیجہ ہے کہ آج ہندوستان میں اتنی بڑی تعداد ہندوؤں کی موجود ہے۔ اور وہ خود اسلام میں اس طرح جذب اور فنا نہیں ہو سکے۔ جس طرح یہودی و قبطی و مجوسی و عیسائی وغیرہ عرب و مصر و ایران و شام میں اسلام کے اندر جذب و فنا ہو گئے ۔

عیسائی مذہب کے بانی عیسیٰ علیہ السلام پر یہودیوں نے جو ظلم و ستم روا رکھا وہ عالم آشکارا ہے۔ اگرچہ خود حواریین میں سے ایک صاحب کو لالچ سے اور دوسرے کو خوف سے متاثر ہونا پڑا۔ لیکن یہودی مذہب بحیثیت مجموعی عیسائیت کو اپنا معمول نہیں بنا سکا۔ روما اور یونان والوں کی بت پرستی نے بھی عیسائی مذہب کو اپنا معمول بنانے میں چہرہ دستی دکھائی لیکن عیسائیت کے مقابلہ میں انجام کار وہ خود ہی مغلوب معمول بن گئی۔ لیکن جب عیسائیت کو شام و مصر وغیرہ میں اسلام سے واسطہ پڑا۔ تو وہ اسلام کے مقابلہ میں

قائم نہ رہ سکی۔ جس جگہ اسلامی اثر پہنچا۔ عیسائیت گھلتی ہوئی نظر آئی۔ جیسے پانی میں نمک گھلتا ہے۔ چنانچہ عرب۔ فلسطین۔ شام۔ ایشیائے کوچک۔ مصر طرابلس۔ وغیرہ ممالک میں اسلام کی یک لخت [1] قبولیت اس کی شاہد ہے۔

اسلام کی عالمانہ حالت

جب کہ دُنیا میں نسل انسانی کبھی ارتقائی منزلیں طے کرتی اور جہالت و وحشت کے تاریک پردوں کو چاک کرتی۔ خاک و خون میں لتھڑتی گرتی پڑتی۔ اُٹھتی سنبھلتی۔ کمانیں کھینچے۔ تلواریں نکالے۔ نیزے تولے۔ شراب کے پیالے چڑھاتے۔ پتھروں کی مورتیوں کی بغل میں دبائے کبھی واحد و لاشریک کی حمد و ثنا میں مست و سرشار اور اُسی سے لو لگاتے کبھی دریاؤں۔ پہاڑوں۔ درختوں۔ چوپاؤں۔ اور سانپوں تک کو معبود بنائے اور ان سب کے آگے گردنیں جھکائے۔ کبھی شجاعت میں شیروں کو مات کرتی۔ اور کبھی گیدڑوں سے ڈرتی۔ اور چوہوں سے کان کترواتی ہوئی۔ اس مقام تک پہنچ گئی۔ جہاں سے آگے چلنے اور انتہائی عروج و ترقی کی منزلیں طے کرنے میں ضرورت تھی۔ کہ آفتاب کی روشنی اس کی بصارت کو حقیقت اشیاء کے مشاہدہ کا موقع دے۔ اور ایک ایسی شاہراہ مل جائے۔ جس میں ٹھوکریں کھانے۔ ڈاکوؤں کے ہاتھ لٹنے اور راہ روی و دوری منزل کے مصائب سے نجات پاتے اور انسان اپنے مقصد اعظم یعنی طہارت و خدا دانی اور راحت جاودانی کے حصول میں بآسانی کامیاب ہو سکے۔ تو خدائے برتر و توانا نے نسل انسانی کے اس استحقاق

---

(۱) "یک لخت قبولیت" کا سب سے بڑا شاہکار انڈونیشیا ہے، جس کی آبادی پاکستان سے زائد ہے، اور جو سارا کا سارا بدھ مت کا پیرو تھا، لیکن اب وہاں اسلام کا پرچم لہرا رہا ہے۔ حالانکہ وہاں کوئی اسلام کا سپاہی نہیں پہنچا۔ (رئیس احمد جعفری)

کا لحاظ فرماکر ملک عرب میں جو کہ نسل انسانی کے تمام گذشتہ منزلوں اور انسانی فطرت کی تمام لذتوں کے نمونے اپنے اندر رکھتا تھا۔ ایک چشمہ نور و ہدایت پیدا اور ایک آفتاب رسالت طلوع کیا۔ تاکہ وہ انسانی کمزوری کی اصلاح اور فطرت انسانی کی پستی و ذلت اور ہر ایک ـــــ گمراہی کا علاج ہو کر کامل ہادی۔ کامل مصلح، کامل استاد، کامل معالج، بن سکے۔ اور نسلِ انسانی کو وہ شاہراہ مستقیم مل سکے۔ جس پر گامزن ہو کر وہ خطرات راہ سے محفوظ و مامون اپنی منزل پر بآسانی پہنچے۔ اور فلاح تمام حاصل کر سکے۔ اس آفتاب رسالت اور اس ہادی کامل کا نام حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ و آلہ و اصحابہ وسلم۔ اور قرآن کریم نام ہے اس کامل ہدایت نامہ اس کامل دستور العمل اس کامل نور روشنی کا جسے یہ رسول رب العالمین رحمۃ للعالمین خدائے تعالیٰ کی طرف سے لے کر آیا۔ جس میں کوئی فریب نہیں اس سرمدِ الٰہی اور رسول مجتبیٰ نے لوگوں کو بتایا۔ کہ تم انسان اور اشرف المخلوقات ہو۔ جمادات، نباتات، حیوانات، اور اجرام سماوی سب تمہارے خدمت گار۔ بھلا۔ پھر بھلا پتھر۔ درخت۔ دریا۔ آگ۔ پانی۔ چوپائے۔ چاند۔ سورج، اور ستارے تمہارے مخدوم اور معبود کیسے بن سکتے ہیں۔ اس نے انسان کو اس ذلت اور رذالت سے کہ وہ بادشاہ ہو کر اپنے غلاموں کے آگے سجدہ کرتا تھا بچایا۔ اور معبود حقیقی تک پہنچنے کا راستہ بتا کر بہائم صفت انسانوں کو انسان بنایا۔ اور اخلاق و تہذیب کا ایک ایک گر سکھایا۔ اور خود اپنا نمونہ دکھا کر تحت الثریٰ کی ذلت میں گرے ہوئے انسانوں کو اوج عزت و کمال پر پہنچایا۔ ایک نادان بچہ اپنے استاد و مربی کو اپنا دشمن سمجھتا ہے۔ اور ایک احمق مریض اپنے معالج ڈاکٹر کے نشتر کو دشمن کا خنجر یقین کرتا ہے۔

لیکن ماں باپ اُستاد اور شفیق جراح اپنے کام سے باز نہیں رہ سکتے۔ کیونکہ نادان بچے اور بے وقوف مریض کی فلاح و بہبود زجر و توبیخ اور نشتر کے استعمال ہی میں مضمر ہوتی ہے۔ عرب کے جہالت پناہ لوگوں نے جو ہر قسم کے اخلاق فاضلہ سے عاری تھے۔ نوع انسانی کے اس کامل ہمدرد کی مخالفت میں ایڑی سے چوٹی تک اپنا زور لگا دیا۔ تیرہ۱۳ سال تک اس رحمۃ العالمینؐ اور اس کے فیض صحبت سے اثر یافتہ مسلمانوں کی قلیل جماعت نے وہ وہ صعوبتیں اُن وحشی درندوں کے ہاتھ سے سہیں کہ جن کے تصور سے جسموں کے رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں۔ اور دل بیٹھے جاتے ہیں۔ وہ کیسے ظالم لوگ تھے۔ کہ جن کے مظالم کی حکایات پڑھنے سے آج پتھر کے دل بھی آب آب ہوتے جاتے اور سنگ دلوں کے کلیجے بھی منہ کو آتے ہیں مگر ان ستم گروں کے لیے یہ تمام ظلم و ستم دل لگی کا سامان اور خوش ہو ہو کر دیکھنے کا تماشا تھا۔ آج کسی بڑے سے بڑے مردم کش مجرم کو کسی میدان میں اس طرح سزا دو۔ کہ اس کی ایک ٹانگ ایک اونٹ کے پاؤں سے باندھو۔ دوسری ٹانگ دوسرے اونٹ کے پاؤں سے باندھو۔ پھر دونوں اونٹوں کو مخالف سمتوں میں دوڑا دو۔ کہ اس مجرم کے بیچ سے شق ہو کر دو ٹکڑے ہو جائیں۔ اس نظارہ کو دیکھنے کے لیے بڑے بڑے قوی القلب لوگوں کو جمع کر دو پھر دیکھو کہ وہ اس تماشے کو دیکھنے کی تاب لا سکتے ہیں یا نہیں؟ میرا خیال ہے۔ کہ سوائے اُن لوگوں کے جنہوں نے شاہ آباد اور کرتار پور میں اپنے ہاتھوں سے معصوم بچوں اور بے گناہ عورتوں کو اُن کی آہ و زاری پر التفات کے بدوں قتل کیا۔ اور بے کس اور ضعیف بوڑھوں۔ عورتوں۔ اور بچوں کو جلتی ہوئی آگ میں دھکیل دھکیل کر ڈالا۔ اور اُن کو اپنے سامنے آگ میں تڑپتے، اُن کے گوشت و پوست اور چربی کو جلتے اور اُن کی ہڈیوں کو مشعل کی طرح

جل کر کوئلہ ہوتے ہوئے خوش ہو ہو کر دیکھا۔ اور کوئی شخص دیکھنے کی تاب نہ لاسکے گا۔ عرب کے درندہ خوبیت پرستوں نے ضعیف مسلمانوں کو یہ اور اس سے بڑھ کر وحشیانہ سزائیں صرف اس لیے دیں۔ کہ مسلمان اس واحد لاشریک خدا کی پرستش کیوں کرتے تھے۔ جو سب کا خالق، مالک، رازق۔ اور معبود ہے اور پتھر کی مورتیوں کے آگے سر جھکا کر انسانی شرافت کے ماتھے پر رذالت کا ٹیکہ کیوں نہیں لگاتے تھے معصوم بچوں کا صرف اس لیے چور نگ اڑا دیا گیا کہ اُن کے ماں باپ نے خدا کی وحدانیت کو تسلیم کیا۔ گالیاں دینا۔ پتھر مار کر لہولہان کر دینا۔ جلتی ہوئی ریت پر لٹانا۔ سینے پر بھاری پتھر رکھ کر تمام دن گرم زمین پر دھوپ میں ڈالے رکھنا۔ نکیل ڈال کر دن بھر ساری بستی میں تشہیر کرنا۔ کوڑوں سے جسم کی کھال ادھیڑنا۔ اُن ظالموں کی معمولی باتیں اور روزمرہ کے دلچسپ تماشے تھے۔ جو بے کس مسلمانوں کے ساتھ کیے جاتے تھے۔ ان روح فرسا اور جاں گداز مظالم و مصائب کو مسلمانوں کی بے گناہ پاک اور قلیل جماعت نے جس صبر و استقامت اور تحمل کے ساتھ تیرہ سو برس تک برداشت کیا۔ اس کی نظیر دنیا میں کوئی شخص ہرگز ہرگز پیش نہیں کر سکتا۔ جب کہ ظالموں نے اپنے ان ہلاکت آفریں اور ستم پرور تماشوں سے خود ہی تھک کر یہ مصمم ارادہ کر لیا۔ کہ اس چشمہ نور و ہدایت کو بالکل معدوم اور مشعل خدا پرستی و خدا شناسی کو گل کر دیا جائے۔ تو مجبوراً رحمت عالم صلے اللہ علیہ وسلم و آلہ واصحابہ نے مکہ سے نکل ایک ایسے شہر پناہ میں اپنا اور اپنی جماعت کا قیام مناسب سمجھا۔ جہاں خدا کا نام لینے والوں کی جانیں محفوظ

---

(۱) ۱۹۴۷ء میں مشرقی پنجاب، اور اس سے پہلے بہار، گڑھ مکتیشر وغیرہ میں مسلمانوں پر جو گذری اس کے سامنے شاہ آباد کنارپور کے واقعات ہیچ ہیں۔ (رئیس احمد جعفری)

تھیں۔ لیکن ان پتھروں کے پجاریوں اور بتوں کے آگے ڈنڈوت کرنے والوں نے مدینہ میں بھی چین سے نہ بیٹھنے دیا۔ اور بار بار بڑی بڑی بت پرست فوجوں نے ان مسلمانوں کو صفحۂ ہستی سے ناپید کرنے کے لیے چڑھائیاں کیں۔ جن کا جرم سوائے اس کے اور کچھ نہ تھا۔ کہ وہ خدا کی بندگی بجا لاتے۔ اور معبودان باطلہ سے بیزاری کا اظہار کرتے تھے۔ عقل و دانائی کے دعویدارو۔! اور تھوڑا سا بھی عدل و انصاف کا مادہ رکھنے والو۔ اگر تم صحیح العقل اور منصف مزاج انسان ہو۔ اور وہ حیوان ہو۔ جس کو ناطق کہا جاتا ہے۔ کہ عفو و درگذر اور صبر و تحمل کے امتحان کی بھی اور ضرورت بھی باقی رہ گئی تھی؟ اور کیا اس کے بعد بھی ان درندوں کو جو اسلام کی تعلیم لوگوں کے کانوں تک پہنچنے میں حارج تھے راستہ سے ہٹانے اور اپنی جان کے بچانے میں تلوار کا استعمال کرنا کوئی جرم تھا؟ ان درندوں کی زد سے دور ہوتے ہی کلمہ حق کی آواز بآسانی لوگوں کے کانوں تک پہنچی اور یک لخت تمام عرب جو مجموعہ رذائل بنا ہوا تھا۔ اس آواز کو لبیک کہنے کے بعد یکایک منبع فضائل بن گیا صرف چند ہی روز کے اندر تمام براعظم عرب کا ایک سرے سے دوسرے سرے تک اسلام کا حلقہ بگوش بن جانا دنیا کی تاریخ کا عدیم النظیر عدیم المثال واقعہ ہے۔ عرب کے آزاد منش اور جنگ جو لوگوں کے دلوں کو اسلام کا حیرت انگیز طور پر مسحور کر دینا۔ اور اس میں کسی جبر و اکراہ کا دخل نہ ہونا۔ اس طرح بھی ثابت ہے۔ کہ وہی باشندگان عرب جو اسلام کی روشنی حاصل کرنے سے پہلے مسلمانوں کے جانی دشمن تھے۔ دوسرے وقت اسلام کی حفاظت میں اپنی جانیں قربان کرتے اور اپنی گردنیں کٹواتے ہوتے نظر آتے ہیں۔

اسلام کا مقابلہ رُوم و ایران سے

اسلام ایک ہدایت و رحمت اور نور کا چشمہ تھا۔ جب اس چشمہ سے خارق عادت طور پر تمام عرب یکایک منور و سیراب ہو گیا۔ تو اس زمانہ کی دونوں سب سے بڑی سلطنتوں یعنی ایران و روم نے جو شمال و مشرق اور شمال مغرب میں عرب کی سرحد تک پھیلی ہوئی تھیں اپنی بے بصیرتی اور کور چشمی سے اسلام کے نور کو نار اور اسلام کی رحمت کو اپنے لیے زحمت سمجھا۔

ہرقل نے اپنے شامی وائسرائے کے ذریعہ شام و عرب کی سرحد پر فوجیں جمع کرنی شروع کیں۔ کہ مسلمانوں کا استیصال کیا جائے۔ اُدھر کسرائے ایران نے عراق عرب کی طرف اپنا لشکر بڑھایا۔ کہ مسلمانوں کا نام و نشان مٹا دیا جائے کیا اس حالت میں کہ دُنیا کی دو سب سے بڑی سلطنتیں اپنی پوری پوری طاقتوں کے ساتھ بے سانو سامان اور مفلس عربوں کو پیس ڈالنے پر آمادہ تھیں۔ کسی صاحب عقل کا یہ مشورہ ہو سکتا تھا یا بصیرت و دانائی یہ حکم دے سکتی تھی کہ دنیا میں توحید کا عَلَم بلند کرنے والی صرف ایک ہی قوم جو دنیا کو شرک و بت پرستی سے آزاد کر کے نسلِ انسانی کو اس کے اعلیٰ مقام شرافت تک پہنچانے کا واحد ذریعہ تھی چکی کے ان دونوں پاٹوں کے درمیان پس جائے یعنی ایرانی اور رومی فوجوں کے ہاتھوں خوشی کے ساتھ قتل ہو جائے؟ اور اپنی حفاظت کے لیے کہ اسی میں دُنیا بھر کے انسانوں کی اخلاقی و روحانی زندگی مضمر تھی۔ مطلق ہاتھ نہ ہلائے۔ ظاہر ہے کہ کسی عقل اور کسی عدل سے یہ فیصلہ صادر نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ عربوں نے اپنی حفاظت کو ضروری سمجھا۔ اور انھوں نے اپنے ملک کی سرحدوں پر پہنچ کر عیسائیوں اور آتش پرستوں کے سیلابوں کو روکا۔ یہ

خدائے تعالیٰ کی مدد اور ایمان کی قوت کا اثر تھا کہ رومی اور ایرانی ساز و سامان سے آراستہ فوجیں اور لوہے میں غرق سوار و پیادے ان بے سر و سامان عربوں کے سامنے نہ ٹھہر سکے۔ جس کا جی چاہے خاک یرموک کے ایک ایک ذرہ سے اس اجمال کی تفصیل سن لے۔ کہ صرف چند ہزار مسلمانوں نے ساٹھ ہزار دشمنوں کا کس طرح کامیاب مقابلہ کیا تھا۔ کوئی سیاست کوئی پالیٹیکس۔ یہ تجویز نہیں کر سکتی۔ کہ اپنے خون کے پیاسے دشمن کو صرف اپنی سرحد پر جنگ آزما ہو کر ایک دفعہ روک دینے سے امن و اطمینان حاصل ہو سکتا ہے۔ بلکہ اس کی طاقت کو توڑنے اور اس کے سر جھکائے بدوں نہیں ہو سکتا۔ بڑے بڑے فلاسفروں کی زبان سے ہم یہ سن رہے ہیں کہ امن و امان کا خطبہ صرف توپ اور بندوقوں کے دہن سے سنایا جا سکتا ہے پس مسلمان مجبور تھے۔ کہ اپنی ہستی قائم رکھنے کے لیے ان طاقتور دشمنوں کی طاقت کو اسی طرح توڑیں۔ جس طرح کہ ہم نے یورپ کی سلطنتوں کو دیکھا۔ کہ وہ ایک دوسرے کے فوجی نظام کو درہم برہم کیے بدوں امن و امان کو موہوم سمجھتی ہیں۔ حالانکہ اُن کی آپس کی مخالفتوں کو اس عداوت و دشمنی سے کوئی نسبت ہی نہیں جو رومیوں اور ایرانیوں کو مسلمانوں سے تھی۔ لہٰذا مسلمانوں نے چند ہی روز میں ان دونوں زبردست دشمنوں کو نیچا دکھایا اور خدا تعالےٰ کے وعدوں کو سچا پایا۔ اب خالی الذہن ہو کر تاریخوں کا مطالعہ کرو۔ اور دیکھو۔ کہ مسلمانوں نے کسی ایک شخص کو بھی رومی اور ایرانی ملکوں میں داخل ہو کر صرف اس لیے قتل کیا۔ کہ وہ اپنا مانا مذہب تبدیل نہیں کرنا چاہتا تھا؟ یا میدانِ جنگ میں مقابلہ پر آکر ہتھیار استعمال کرنے والوں کے سوا کسی بستی کو جلایا۔ اور کسی گاؤں یا قصبہ یا شہر کی غیر مسلم آبادی یعنی غیر مسلم رعایا میں سے کسی کا خون بہایا۔ بلکہ جو جو شہر مسلمانوں کے زیر حکومت آتے۔ اس کے غیر مسلم باشندوں نے مسلمانوں کے طرز عمل اور مسلمانوں

کے اخلاق کو دیکھ کر علی الاعلان اعتراف کیا۔ کہ ہم دوزخ سے نکل کر جنت میں آگئے۔ اور بھیڑیوں کے پنجوں سے چھوٹ کر نجات پا گئے۔ مسلمانوں نے ان غیر مسلموں کو امن و امان کے ساتھ رکھنے اور ہر قسم کے اطمینان و راحت کی زندگی بسر کرنے یعنی ظالم دشمنوں کے حملوں کو روکنے کے لیے خود اپنی جانیں قربان کیں۔ لیکن ان غیر مسلموں کو اپنی فوج میں بھرتی ہونے اور میدان جنگ میں حریف کا مقابلہ کرنے کی تکلیف نہیں دی۔ اس امن و امان کے قائم رکھنے اور قیمتی جانیں قربان کرنے کے صلے میں نہایت ہی خفیف سی مالی امداد چاہی جو آج کل کی مساوات و عدل کی دعویدار سلطنتوں کے بھاری بھاری ٹیکسوں اور محصولوں کے مقابلہ میں بہت بے حقیقت سی چیز تھی۔ اور یہ مالی امداد جن کا نام جزیہ تھا۔ غیر مسلموں سے ہی نہیں لی جاتی تھی۔ بلکہ یہی مالی امداد و زکوٰۃ کے نام سے مسلمانوں کو بھی ادا کرنی پڑتی تھی۔ غیر مسلموں کو تو جزیہ خاص خاص حالتوں میں معاف بھی ہو جاتا تھا۔ لیکن زکوٰۃ کا ادا کرنا فرض قرار دیا گیا۔ اور کسی مالدار مسلمان کو قطعاً چون و چرا کا موقع نہیں مل سکا۔ یہ غیر مسلم محکوم اپنے مسلمان حاکموں سے واقف ہو کر ان کے اخلاق و عادات اور ان کے عقاید و عبادات مشاہدہ کرنے کے بعد اسلام میں داخل ہوتے بدوں نہ رہ سکے۔ اور مسلمان ہو ہو کر اسلام کے ان دشمنوں سے جو دو دن پہلے ان کے ہم قوم۔ ہم مذہب، ہم خیال اور عزیز تھے۔ مارنے مرنے کو تیار ہو گئے۔ بس اسی طرح ایران و شام و مصر وغیرہ ممالک کے اندر چند روز کے عرصہ میں اسلام پھیل گیا۔ یعنی ان ملکوں کے تمام باشندے مسلمان ہو گئے۔ ایک سوچنے والا سوچے اور عقل سے کام لینے والا غور کرے۔ کہ ایران سے آتش پرستی اور مصر و شام سے عیسائیت وغیرہ کے ختم ہونے میں اسلام کی خطا اس کے سوا اور کیا قرار دی جا سکتی ہے

کہ وہ ایسا اچھا۔ پاکیزہ۔ اور فطرتِ انسانی کے عین موافق اور دلربا۔ مذہب کیوں ہے۔ اور دوسرے مذاہب کے مقابلہ میں وہ کیوں پختہ اور کامل اصول رکھتا اور انسان کو اس کی معراج کمال تک پہنچاتا ہے۔

اسلام کس طرح پھیلا؟

۵۰ھ میں اسلام مصر سے افغانستان تک اور آرمینیا سے عدن تک کامل طور پر شائع ہوچکا تھا۔ دُنیا کی کوئی تاریخ ایسی نہیں جو پچیس سال کے عرصہ میں کسی مذہب کے اس طرح شائع ہونے کی مثال پیش کرسکے۔ اس کے بعد اسلام بتدریج اپنا دائرہ وسیع کرتا رہا۔ بنی امیہ کے زمانہ میں مسلمان تاجروں نے ایشیا کے مشرقی جمع الجزائر۔ جاوا۔ سماٹرا۔ بورنیو۔ ملایا۔ قلپاتن۔ نیوگنی۔ وغیرہ کو مسلمان بنا دیا۔ کل شمالی افریقہ بحر اٹلانٹک کے ساحل تک نورِ اسلام سے منور ہوگیا ہے تک مسلمانوں نے اُن بادشاہوں کی فوجوں کو شکستیں دیں۔ جو بت پرستی اور شرک کے حامی۔ مخلوق خدا پر ہر قسم کے ظلم و ستم کو روا رکھنے والے ہر قسم کی بداعمالیوں اور شرارتوں کے امام اور مسلمانوں کے جانی دشمن تھے۔ لیکن محکوم رعایا اور تلوار نہ اُٹھانے والوں کو کبھی کوئی آزار اس بات کے لیے نہیں پہنچایا۔ کہ اُنھوں نے اسلام کیوں قبول نہیں کیا۔ بلکہ یہ ایک عجیب بات ہے کہ مسلمان غیر مسلموں کو اپنے زیر نگرانی لے کر مسلمانوں سے بڑھ کر راحت و اطمینان کی زندگی بسر کرنے کا موقع اور مذہبی آزادی عطا کرتے تھے۔ اور وہ اسلام میں داخل ہوکر اپنے فاتحین سے زیادہ اسلام کی اشاعت اور مسلمانوں کے دشمنوں کو زیر کرنے میں اپنی جانفشانی دکھاتے تھے۔ ۱۰۰ھ میں اسلام فرانس و اسپین و مراکو سے لے کر سندھ و پنجاب و افغانستان تک اور کوہ قاف سے بحر الکاہل و بحر ہند کے جزیروں تک پھیل چکا تھا۔ یعنی اس زمانہ کی

قریباً تمام متمدن دُنیا اسلام کے زیر سایہ آ چکی تھی۔ اگر سلام میں خود کوئی جذب خوبی، اور دلفریبی نہ تھی۔ جو دلوں کو مسحور کر سکتی۔ تو بتاؤ کہ تنہا ایک شخص حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یا زیادہ سے زیادہ مہاجرین و انصار کی مختصر سی جماعت ساری دنیا کو کس طرح محکوم و مسخر کر سکی؟

مسلمان جبر کر سکتے تھے

مسلمان اس حالت میں کہ وہ ساری دُنیا میں سب سے بڑی طاقت تھے۔ اگر چاہتے۔ اور اسلام صرف ملک گیری کی ہوس دلاتا۔ تو دُنیا کی چھوٹی چھوٹی غیر مسلم سلطنتوں کو (جو مسلمانوں پر حملہ آوری کی جرأت نہیں کر سکتی تھیں اور اس لیے باقی رہنے دی گئی تھیں) بڑی آسانی سے فتح کر کے اپنی سلطنت میں شامل کر سکتے تھے۔ لیکن چونکہ اُن سلطنتوں نے اسلام کی سیادت کو تسلیم کر لیا ہوا۔ لہٰذا اُن سے کوئی تعرض نہیں کیا گیا۔ افریقہ میں حبش میں۔ عیسائی بادشاہت کو۔ ایشیا میں چین کی بدھ مت سلطنت کو۔ شمالی یورپ کی عیسائی حکومتوں کو مسلمانوں نے دانستہ کوئی نقصان نہیں پہنچایا کیونکہ یہ عنادی کافر یعنی اسلام اور مسلمانوں کے جانی دشمن نہ تھے۔

اسلام چین میں

چین کے بادشاہ نے اپنے ملک کی بغاوت فرو کرانے کے لیے یا افواج اسلامی کے حملوں کا احتمال رفع کرنے کے لیے خلیفۃ المسلمین کی خدمت میں نیاز مندانہ درخواست بھیج کر التجا کی کہ اسلامی فوج کا ایک دستہ میرے پاس بھیج دیں تاکہ میں اس کی مدد سے اپنے ملک کے باغیوں کو قرار واقعی سزا دے امن وامان قائم رکھ سکوں۔ چنانچہ سرحد خراسان کی افواج میں سے تھوڑے سے عربوں کو دارالسلطنت چین کی طرف جانے کا حکم ہوا۔ اس عربی دستہ کو کوہ ہمالیہ

کی دشوار گزار دیوار پر کشمیر سے آسام تک اس لیے سفر کرنا پڑتا۔ کہ تبت اور ہندوستان دونوں ملکوں میں اس کی مزاحمت یقینی تھی۔ چین میں پہنچ کر ان مسلمانوں نے جو جو کام کیے۔ ان کا یہ اثر کہ چین کے بادشاہ اور چین کی رعایا نے جس طرح ممکن ہوا اُن کو واپس نہ آنے دیا۔ اور نہایت عزت و احترام کے ساتھ اپنے گوشِ مشفقت میں اس طرح جگہ دی۔ کہ وہ چین ہی کے ہو رہے۔ انہیں مسلمانوں کی تبلیغی کوشش کا نتیجہ ہے۔ کہ آج چین میں مسلمانوں کی اس قدر تعداد موجود ہے کہ یورپ کے کسی بڑے سے ملک کی آبادی اس کے برابر نہ ہوگی۔ اور یہی مسلمان ہیں۔ جو باشندگان چین کا بہترین حصہ سمجھے جاتے ہیں ؎

شدیم خاک و لیکن ببوئے تربیتِ ما
تواں شناخت کزیں بوئے مردمی خیزد

خلاصۂ کلام یہ کہ چین میں اشاعت اسلام کے لیے کسی شخص کی نکسیر تک بھی نہیں پھوٹی۔ بلکہ اسلام نے اپنی ذاتی خوبی اور اعلیٰ اصولوں کی وجہ سے بدمذہب والوں کو باسانی اپنا معمول بنایا۔ پہلے بیان ہو چکا ہے۔ کہ بحرالکاہل اور بحر ہند کے کثیر التعداد جزائر سب کے سب مسلمان تاجروں اور مسلمان ملاحوں کے ذریعہ مسلمان ہوئے۔ اور آج تک ان جزائر کے باشندے عیسائی مشینریوں کی سینکڑوں برس کی مسلسل کوششوں کے باوجود مسلمان ہی چلے آتے ہیں۔ ان جزائر میں بھی مسلمانوں کا کوئی جنگی جہاز نہیں پہنچا۔ کسی شخص کے چہرے پر کوئی تلوار نہیں کھینچی گئی۔ اسلام کی ذاتی خوبی نے خود بخود اُن کو مسلمان ہونے پر مجبور کر دیا۔

افغانستان میں اسلام کا ورود

افغانستان کے اسرائیل لوگ قیس عبدالرشید کے اسلام لانے کے بعد اسلام سے واقف ہوکر خود بخود مسلمان ہو گئے۔ اس جنگ جو قوم سے مسلمانوں کو مذہب کے لیے قطعاً کوئی لڑائی نہیں لڑنی پڑی۔ اسلام جس کے دلربا ظاہری و باطنی حسن و جمال نے سارے جنگ جو عرب کو اسلام کا شیدائی بنا دیا۔ اُسی دلکش خوبی نے اس جنگ جُو افغانستان کو یک لخت اسلام کا فدائی بنا لیا۔ اور ایسا فدائی بنایا ۔ کہ اج کسی کی ہمت نہیں۔ کہ اُن کو اسلام سے روگرداں کرنے کے لیے دھوکا دینے کی جرأت کر سکے ۔ سوچنے اور سمجھنے والے کے لیے افغانستان کا مسلمان ہونا ۔ بھی اس بات کی کافی دلیل ہے۔ کہ اسلام کی اشاعت دُنیا میں خوف اور لالچ کے ذریعہ ہرگز نہیں ہوئی۔

ترک اور مغل کیونکر مسلمان ہوئے؟

ترکوں اور مغلوں نے مسلمانوں کی دنیاوی طاقت کے کمزور ہونے اور مرکزی اسلامی طاقت کے ضعیف ہو جانے سے زور پکڑا ۔ اور بغداد میں مسلمانوں کے خون سے دجلہ کا پانی سُرخ کر دیا۔ لیکن ان چیرہ دست اور فاتح کفار نے مغلوب و مفتوح و مجبور مسلمانوں کے اخلاق و مذہب سے واقف ہوکر فوراً اسلام کے آگے اپنی گردیں جھکا دیں کیا تاریخ عالم میں کوئی ایسی مثال دستیاب ہو سکتی ہے۔ کہ کوئی فاتح قوم اپنی مفتوح قوم کے مذہب کی اس طرح مفتوح ہوگئی ہو۔ ایسی مثالیں اگر ملیں گی۔ تو اسلامی تاریخ میں ہی ملیں گی ۔ سارا یورپ متفق و متحد ہو کر ملک شام پر حملہ آور ہوا۔ اور بار بار ناکام و نامراد واپس گیا۔ اس سلسلہ کروسیڈ میں یورپ کے عیسائیوں کو اپنے مبغوض مسلمانوں کے اعلیٰ اخلاق سے کماحقہ واقف ہونے کا موقع ملا۔ مسلمانوں کے اعلیٰ

اخلاق فاضلہ کے نمونے کا اثر تھا۔ کہ تاریک یورپ میں علم و اخلاق کی روشنی کا ظہور شروع ہوا۔

اسلام کی معمولانہ حالت

مغلوں اور ترکوں کا حال سن چکے ہو۔ کہ اُن کی تلواروں نے بغداد میں لاکھوں مسلمانوں کا خون پانی کی طرح بہا دیا۔ لیکن وہ اسلام کو اپنے مذہب سے بجائے متاثر کرنے۔ خود ہی اسلام کے خادم بن گئے ؎

شد غلامے کہ آب جو آرد
آب جو آمد و غلام ببرد

یورپ کے عیسائیوں نے مذہبی جوش میں دیوانہ ہو کر اسلام کو مٹانے اور فنا کرنے کے لیے تین سو برس تک مذہبی لڑائیوں کا بازار گرم رکھا۔ لیکن کیا کہا جا سکتا ہے کہ وہ اس تین سو برس کی کوشش میں تین مسلمانوں کو بھی اسلام سے برگشتہ کر کے عیسائیت میں داخل کر سکے۔ اسپین میں مسلمانوں نے اس طرح حکومت کی کہ اسپین کو امن و راحت کا گہوارہ بنا کر نمونہ جنت بنا دیا۔ اور علم و فن کے دریا بہا دیئے۔ لیکن عیسائی زور پکڑ کر جب اسپین کے مسلمانوں پر چیرہ دست ہوئے۔ تو سوائے اس کے کہ مسلمانوں کو تہ تیغ کریں یا اُن کو آبنائے جزائر کے پار مراقش میں جلا وطن ہونے پر مجبور کریں۔ اور اُن کے بعض بھرے ہوئے جہازوں کو سمندر میں ڈبو دیں۔ اور کچھ نہ کر سکے اس دل خراش داستان کو تفصیلی طور پر سننے کے لئے ضرورت کہ انسان اپنے پہلو میں۔ پتھر کا دل مہیا کرے۔ پھر بھی اندیشہ ہے کہ وہ پتھر پگھل کر اور پانی بن کر آنکھوں کے راستے نہ بہنے لگے۔ سسلی یعنی جزیرہ صقلیہ میں بھی مسلمانوں کی یہی حالت ہوئی جو اسپین میں ہوئی تھی۔ سوائے عیسائیت کے اور

کسی مذہب کو جرأت ہی نہ ہوئی۔ کہ وہ اسلام کو معمول بنانے کا خیال بھی دل میں لاسکے۔ عیسائیوں نے دولت وحکومت سے قوت پاکر اسلام کو اپنا معمول بنانے کی کوششوں کو آج تک برابر جاری رکھا ہے۔ لیکن اُس کی بے بسی قابلِ رحم ہے۔ کہ عیسائیوں کو اپنی ہر قسم کی انتہائی کوششوں کے بعد بھی کوئی قابل تذکرہ کامیابی حاصل نہیں ہوئی مال و دولت۔ جاہ و مرتبہ۔ حسن و جمال۔ سائنس وفلسفہ، حکومت و سرداری نشے اور کھیل تماشے غرضیکہ ہر قسم کا لالچ اور ہر قسم کی کوششیں اپنا کام کر رہی ہیں۔ لیکن اسلام کے مقابلہ میں سب سامان بے اثر اور بلا نتیجہ نظر آتے ہیں۔ اسلامی سلطنتیں بھی یکے بعد دیگرے مٹتی جا رہی ہیں۔ اور اسلامی حکومتوں کے ایوان اس طرح دھڑام دھڑام گر رہے ہیں کہ کان پڑی آواز سنائی نہیں دیتی۔ مگر اسلام کو پھر بھی انشاء اللہ کوئی نقصان نہیں پہنچ سکتا۔ انا لہ لحافظون کا وعدہ خداوندی آج تک پورا ہوتا رہا ہے۔ اور آئندہ بھی یقیناً پورا ہوگا۔

صداقت اسلام کا ثبوت

اسلام کی صداقت کا یہ بھی بڑا ثبوت ہے۔ کہ عیسائی سلطنتیں اسلامی سلطنتوں پر قابض ہوتی جا رہی ہیں۔ مگر اسلام اُن کے مذہب کو ہر میدان میں شکست پر شکست دے رہا ہے۔ اور اسلام کی صداقتوں کا کبھی زبان سے اور کبھی زبانِ حال سے اسلام کے دشمنوں کو اقرار کرنا پڑ رہا ہے۔ غرضیکہ کوئی مذہب بھی آج تک اسلام کو اپنا معمول نہیں بنا سکا۔ گو مسلمانوں کو اپنا مغلوب بظاہر بنا سکا ہو۔

اسلام ہندوستان میں

ہندوستان ایک ایسا خوش آب و ہوا ملک ہے۔ کہ ابتدائے آفرینش

سے اس ملک میں نسل انسانی کی فراوانی و آبادانی کو عقل سلیم تسلیم کرتی ہو، لیکن نہایت افسوس اور بے انتہا حسرت کے ساتھ یہ حقیقت زبان تک آتی ہے۔ کہ ہندوؤں کے بے پرواہ مزاجی۔ افسانہ نگاری۔ غلط نویسی اور عجوبہ پرستی کے ہاتھوں اس ملک کی قدیم تاریخ کا اکثر حصہ تاریکی میں مدفون ہوکر فنا ہو چکا ہے۔ ہمارے ہاتھوں تک جو کچھ پہنچا ہے۔ وہ غیر ملک کے واقعہ نگاروں کی تحریروں اور موجودہ زمانہ کے فرنگستانی محققین کی پامردی کا نتیجہ ہے جس کو بہت غنیمت سمجھ کر مشعلِ راہ بنایا۔ اور دلیل کارواں ٹھہرایا جاتا ہے۔

موجودہ قابل تذکرہ ہندو اقوام کے بزرگ ایران سے آکر اس ملک میں آباد ہوتے۔ تاریخی زمانہ میں وہی اس ملک کے باشندے سمجھے گئے۔ اور ہندو کہلائے۔ انہیں کے مذہب کو ہندو مذہب اور انہیں کی قوم کو ہندو قوم کہا جاتا ہے۔ شاہنامہ کی روایت کے بموجب ایران کے کیانی شہنشاہ کیکاؤس کے عہد میں ہندوستان کے اندر ہندوؤں کی مستقل حکومتیں جو سب کی سب ایرانیوں کی باجگذار یا کم از کم ایرانیوں کی سیادت کو تسلیم کرتی تھیں۔ زال اور اس کا بیٹا رستم دونوں قنوج آئے۔ اور قنوج کے راجہ کی بیٹی سے رستم کی شادی ہوئی، جو رستم کے بیٹے فرامرز کی ماں بنی۔ پنجاب و کشمیر کے راجاؤں کا ان دونوں باپ بیٹوں کی خدمت میں نذریں اور تحائف پیش کرنا بھی مذکور ہے۔ فرنگستانی مورخوں کی تحقیق بتاتی ہے۔ کہ بحیرہ خضر کے قریب رہنے والی قومیں رھیاتے جیحوں کے اس طرف رہنے والی ترک و مغل بحیرہ روم کے مشہور جزیرہ نما کی یونانی۔ وسط ایشیا کی پارتھیں۔ ہن وغیرہ اقوام نے ایرانیوں یعنی آریوں کے اس ملک میں آباد ہو چکنے کے بعد باری باری ہند

پر حملے کیے۔ اور ان حملہ آوروں نے کامیاب ہوکر و ظفر مند ہوکر ہندوستان میں حکومت کے مزے اٹھاتے۔ اور سلطنت کے لطف اٹھاتے۔

محمد بن قاسم

مذکورہ بالا قوموں کی فاتحانہ آمد کے بعد وہ زمانہ آیا جب کہ سندھ کے راجہ نے مسلمانوں کے خلاف نہاوند و مکران کے معرکوں میں آتش پرستوں کی امداد کے لیے اپنی فوجیں بھیجیں۔ تو مسلمانوں نے ایرانی اور سندھی فوجوں کو شکست دینے کے بعد سندھیوں کا تعاقب کیا۔ اور فوراً واپس چلے گئے۔ سندھیوں نے دوبارہ سرحد اسلام پر فساد برپا کیا۔ خود مسلمانوں نے اس مرتبہ سندھیوں کو سزا دے کر ایک معقول حصہ پر قبضہ کر لیا یہ عہد عثمانی کا واقعہ ہے۔ اس زمانہ میں سندھی اسلام میں داخل ہونا شروع ہوتے۔ اس علاقہ سندھ میں مسلمانوں نے ہندوؤں پر اختلاف مذہب کی وجہ سے کوئی تشدد نہیں کیا بلکہ اُن کو بڑی آزادی سے کے ساتھ انتظام ملک میں اپنا شریک کار بنایا۔ امیر معاویہؓ کے زمانہ میں ہندوؤں نے سندھ کے مسلمانوں پر خروج کیا۔ ۴۴ھ میں مہلب بن ابی صفرہ نے حملہ کر کے ملتان تک کا علاقہ فتح کر لیا۔ امیر معاویہ کے بعد مسلمان اپنا سیاسی اقتدار سندھ میں قائم نہ رکھ سکے۔ لیکن اسلام کا اثر باقی قائم رہا۔ جب راجہ داہر کی گورنمنٹ نے مسلمانوں کے قتل و غارت کو جائز قرار دیا اور مسلمانوں کے غیر معافی اور تجارتی جہازوں کو ساحل سندھ پر لوٹ لیا گیا۔ عورتوں اور بچوں کو قتل کیا گیا۔ تو خلیفہ اسلام کی طرف سے راجہ داہر کو اس نالائق حرکت کی طرف توجہ دلائی گئی۔ مگر راجہ کی طرف سے تلافی مافات اور عذر خواہی کے لیے مطلق التفات نہ کیا گیا۔

اسلامی حکومت جو دنیا کی سب سے بڑی اور سب سے زبردست سلطنت تھی۔ اس بے عزتی کو کیسے گوارا کر سکتی تھی۔ چنانچہ محمد بن قاسم گورنر فارس کو ۹۳ھ میں

حجاج بن یوسف ثقفی کے ارشاد کے موافق سندھ پر حملہ کرنا پڑا - اور راجہ داہر کو اس کی ناخدا ترسی اور ظالمانہ طرزِ عمل کا مزہ چکھایا گیا - محمد بن قاسم نے اس حملہ میں مقابلہ کرنے والے اور میدانِ جنگ میں لڑنے والے ہندوؤں کے سوا عام ہندو رعایا کی دلبری اور دلداری کو یہاں تک ملحوظ رکھا گیا - کہ مسلمانوں نے سامان رسد کے لیے یہاں کی رعایا کو تکلیف نہیں دی - اپنے ہی ملک سے تمام ضروری سامان منگانے کا نہایت زبردست اور معقول انتظام کیا گیا تھا - فوج کے لیے سرکہ کی ضرورت پیش آئی - تو وہ بھی اس ملک میں تلاش نہیں کیا گیا - بلکہ شام کے ملک سے منگایا گیا - سوئی دھاگہ تک بھی مسلمان سپاہی فارس ہی سے لے کر آئے تھے - اس حملہ کا سبب چونکہ راجہ داہر کا ضعیف و بے کس مسلمانوں پر ظلم روا رکھنا تھا - لہٰذا محمدؐ بن قاسم نے ایک طرف تو طاقت کا اظہار کیا - کہ راجہ داہر کی کثیر التعداد اور زبردست فوجوں کو سرِ میدان شکست پر شکست دی، دوسری طرف ہندو رعایا پر لطف و مہربانی کا اعلےٰ سے اعلےٰ نمونہ دکھا کر دُنیا کو بتایا - کہ قابو پا کر اور حکمران ہو کر غیر مہذب مفتوحوں سے کس طرح سلوک کرنا چاہیئے - راجہ داہر کے کل مقبوضہ ممالک کشمیر و پنجاب و سندھ وغیرہ پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا - محمد بن قاسم کی حکومت کے متعلق اس زمانہ کے ایک تعلیم یافتہ اور تاریخ دان مسٹر چونی لال آنند ایم - اے - ایل - ایل - بی بیرسٹر لا کے الفاظ جو بعض اخباروں میں شائع ہو چکے ہیں - اس جگہ نقل کر دینے کافی ہیں - جن کے بعد کسی تفصیل کی ضرورت باقی نہیں رہتی - مسٹر چونی لال آنند صاحب فرماتے ہیں :-

" دوسرے مقامات کی طرح ہندوستان میں بھی عربی حکومت کے ماتحت اقوام پر کوئی مذہبی جبر و تشدد نہیں کیا جاتا تھا -

محمد بن قاسم ہندوؤں کی سوشل اور مذہبی رسومات و اعتقادات کی عزت کرتا تھا۔ ہندوؤں کو قانون کی ویسی ہی پناہ حاصل تھی جیسی کہ مسلمانوں کو تھی۔ ہندوؤں کی سوشل اور مذہبی انسٹیٹیوشنز میں کوئی مداخلت نہ کی جاتی تھی۔ وہ اپنے بتوں کی پرستش کرتے تھے اور اُن کے ایما پر اُن کے ذات پات کے قواعد کو بھی قانون کا درجہ دیا گیا تھا۔ توسیع سلطنت کے ساتھ ساتھ ہندوؤں کے لیے تمام سرکاری دفاتر کھول دیتے گئے تھے۔ برہمنوں کو مال گذاری اور کلکٹری کے کاموں پر متعین کیا گیا تھا۔ اور قاسم نے وزارت کا اعلیٰ ترین عہدہ اپنے وقت کے ایک مشہور فلاسفر مسمی کاک کو عطا کیا تھا۔ عربوں کے ماتحت سندھ مذہبی آزادی کی سرزمین تھی۔

محمود غزنوی

۹۶۲ء کے قریب ایک زبردست سردار الپتگین نے غزنی میں اپنی علیحدہ خود مختار ریاست قائم کی۔ الپتگین کے سپہ سالار سبکتگین نے غزنی کی حدود ریاست کو وسیع کرنا شروع کیا۔ سبکتگین افغانستان کے اسلامی قبائل ہی کو اپنے زیر اثر لا رہا تھا۔ کسی ہندو راجہ کے علاقہ پر اُس نے ہاتھ نہیں ڈالا تھا۔ لیکن سبکتگین کی روز افزوں ترقی اور شہرت نے لاہور و اجمیر وغیرہ کے ہندو راجاؤں کو متوہم کیا۔ چنانچہ لاہور و بھاطنہ کے راجاؤں کے مشورہ کے موافق ملتان سے سلسلہ کوہ سلیمان تک کا علاقہ پھر مسلمانوں کو دے کر ایک باأثر افغان شیخ حمید لودی کو اس علاقہ یعنی ریاست ملتان کا فرمانروا ہندو راجاؤں نے تسلیم کر لیا۔ مدعا اس سے یہ تھا کہ ملتان کے مسلمانوں اور افغانستان

کے بہت سے جنگ جو مسلمان قبائل کی ہمدردی سبکتگین کی مخالفت میں حاصل کی جائے ۔ الپتگین کی وفات کے بعد جب ۹۷۶ء میں سبکتگین غزنی کا مستقل بادشاہ بن گیا۔ تو لاہور کے راجہ جے پال نے بڑی سرگرمی سے فوجی تیاریاں شروع کر دیں ۔ جے پال جب اپنی فوجی تیاریاں مکمل کر چکا تو کثیر التعداد لشکر کے ساتھ خود سبکتگین کے ملک پر حملہ آور ہوا ۔ جے پال کے اس حملہ آوری کا سبب سبکتگین یا کسی مسلمان کی کوئی حرکت ہرگز قرار نہیں دی جا سکتی بجز اس کے کہ جے پال کے دل میں خود ہی اُن مسلمانوں کو تباہ و برباد کرنے کا خیال پیدا ہوا ۔ جو افغانستان میں راجہ جے پال کو کوئی نقصان پہنچائے بغیر امن و امان کی زندگی بسر کر رہے تھے ۔ سنہ ۹۸۰ء میں جے پال نے سبکتگین کے ملک میں داخل ہو کر جب کہ سبکتگین اپنی بڑی فوج کے ساتھ بخارا کی طرف متوجہ تھا ۔ اُس کے ایک سرحدی دستہ فوج کو قتل کر ڈالا ۔ سبکتگین جے پال کی فوجوں کو اس طرح اپنے ملک میں بڑھتے ہوئے دیکھ کر مدافعت پر آمادہ ہو ۔ یعنی اُدھر کو لوٹ کر جے پال کے مقابل صف آرائی کی ۔ اور خونریز لڑائی ہوئی جس کا نتیجہ یہ ہوا ۔ کہ جے پال شکست کھا کر اس طرح مسلمانوں کے پنجہ میں گرفتار ہوا ۔ کہ تاوان جنگ اور خراج ادا کرنے کا اقرار کر کے واپس آ سکا ۔ شرط یہ ٹھیری ۔ کہ سبکتگین کے کچھ معتمد سردار راجہ کے ساتھ لاہور آئیں ۔ اور راجہ تمام موجودہ زر نقد اور ہاتھی گھوڑے وغیرہ سامان اُن کے ہمراہ سبکتگین کی خدمت میں لاہور سے روانہ کر دے گا ۔ سبکتگین نے جے پال کے قول و قرار پر اعتبار کیا ۔ اپنے معتمد آدمی بھی اُس کے ساتھ بھیج دیئے اور خود غزنی کو واپس چلا گیا ۔ جے پال نے لاہور آ کر سبکتگین کے آدمیوں کو بجائے اس کے کہ تاوان جنگ اور موعودہ نذرانہ دے کر رخصت کرتا

تلوار کے گھاٹ اُتار کر اس جہان فانی سے عالم جاودانی کی طرف رخصت کر دیا۔ اس رذالت آمیز بدعہدی اور نامردانہ ظلم و درندگی کا حال سن کر امیر سبکتگین نے جے پال کو سزا دینے کا ارادہ کیا لیکن جے پال نے پہلے ہی کافی تیاری کر لی تھی۔ اس نے لاہور آتے ہی قنوج کے راجہ کور، میرٹھ کے راجہ و ہرم دست متھرا اور مہامن کے راجہ کلیان چند۔ کالنجر کے راجہ باجی راؤ۔ مالوہ کے راجہ - اور اجمیر و گجرات و گوالیار کے راجاؤں کو خطوط لکھے۔ کہ مسلمانوں کا استیصال نہایت ضروری ہے ۔ اور ہماری سب کی خیر اسی میں ہے۔ کہ سب مل کر حدود پنجاب سے باہر ہی سبکتگین کو کچل دیں۔ اگر وہ پنجاب میں داخل ہو گیا - تو پھر اس کا روکنا دشوار ہو گا اس آواز پر سب نے لبیک کی آواز بلند کی سبکتگین ابھی ملتان تک پہنچا ہی تھا ۔ کہ جے پال اپنی اور تمام مذکورہ بالا راجاؤں کی ٹڈی دل لے کر دریائے اٹک عبور کرنے کے بعد سبکتگین کے مقابل جا پہنچا۔ سبکتگین اس بے شمار فوج کو دیکھ کر حیران رہ گیا۔ مگر ہمت اور حوصلہ کو کام میں لا کر اس شجاعت اور خوبی کے ساتھ اپنی مٹھی بھر فوج سے دشمن کے لاتعداد لشکر کا مقابلہ کیا کہ ہندوؤں کو شکست فاش ہوئی۔ راجہ جے پال اس مرتبہ پھر گرفتار ہوا۔ اب سبکتگین کا حق تھا کہ راجہ کو قتل کر دیتا۔ مگر اس عفو و درگزر کے پتلے نے راجہ کے الحاح و عاجزی اور طلب معافی پر پھر اُس کو چھوڑ دیا۔ اور اس ساز و سامان کو جو ہندوؤں کی شکست خوردہ فوج میدان میں چھوڑ کر بھاگ گئی تھی۔ کافی تاوانِ جنگ سمجھا۔ اور صرف پندرہ ہندو قیدی بطور یرغمال اپنے ہمراہ لے کر غزنی کو لوٹ گیا۔ جے پال کو باجگذاری اور فرمانبرداری کا عہد لے کر لاہور کی طرف رخصت کر دیا۔ سبکتگین غزنی تک نہ پہنچا تھا کہ راستہ ہی میں فوت ہو کر بہشت بریں میں پہنچ گیا۔ اس لڑائی کا ایک قابل ذکر نتیجہ یہ بھی تھا۔ کہ

پشاور تک کا علاقہ سلطنت غزنی میں شامل ہوگیا۔ یہ لڑائی ۹۹۷ء میں ہوئی۔ جے پال نے لاہور آکر پھر بدعہدی کی۔ اور سبکتگین کے بیٹے اور جانشین محمود کی خدمت میں مقررہ موعودہ خراج بھیجنے کی بجائے لڑائی کی تیاری میں مصروف ہوگیا۔ ہندوستان کے راجاؤں کی فوجیں پھر اپنی مدد کے لیے بلوائیں۔ اور گذشتہ شکستوں کے تجربہ سے فائدہ اُٹھاکر اس مرتبہ پہلے سے بھی زیادہ انتظام اور مضبوطی کے ساتھ بارہ ہزار سوار تیس ہزار پیدل لے کر ۱۰۰۱ء میں پشاور پر حملہ آور ہوا۔ محمود صرف دس ہزار فوج کے ساتھ مقابلہ پر آیا۔ پشاور کے قریب لڑائی ہوئی، اور عجیب اتفاق ہے۔ کہ اس مرتبہ بھی بیالیس ہزار ہندوؤں نے دس ہزار مسلمانوں سے شکست کھائی۔ راجہ جے پال۔ تیسری مرتبہ پھر مسلمانوں کے ہاتھ گرفتار ہوا۔ اس مرتبہ بھی راجہ نے اطاعت و فرمانبرداری کا اقرار کیا۔ اور خراج دینے کا وعدہ کرکے جان بخشی کی درخواست کی۔ محمود نے اپنے باپ کی سنت پر عمل کرکے اور اس درخواست کو منظور فرماکر راجہ کو چھوڑ دیا۔ اب کی مرتبہ راجہ کو کچھ ایسی غیرت آئی۔ کہ لاہور واپس آتے ہی آگ میں گر کر اپنے آپ کو جلا دیا۔ اس کی جگہ اس کا بیٹا آنند پال راج گدی پر بیٹھا۔ انند پال نے کچھ دنوں محمود کو اپنے باپ کے اقرار کے موافق خراج ادا کیا۔ محمود بھی انند پال یا اس کی ریاست سے مطلق معترض نہ ہوا۔ انند پال نے دو برس تک ادھر محمود کو اپنی ہواخواہی کا یقین دلاکر مطمئن رکھا۔ ادھر ہندوستان کے تمام راجاؤں کو خط و کتابت اور سفارت کے ذریعہ اپنا شریک و معاون بناکر محمود کے مقابلہ کے لیے جنگ کی تیاری کرتا رہا۔ بڑے بڑے پنڈتوں اور ویدکوں نے ملک کا دورہ کرکے اپنے ویاکھانوں سے تمام ہندوستان کو مشتعل کر دیا۔ یہاں تک

ماؤں نے اپنے بیٹوں اور بیویوں نے اپنے شوہروں کو ترغیب دے دے کر لڑائی کے لیے بھیجا عورتوں نے اپنے تمام زیور اُتار اتار کر ضروریات جنگ کے لیے پیش کر دیئے۔ اور سوت کات کات کر روپیہ فراہم کرنے اور فوجی خزانہ کو مدد پہنچانے میں تامل نہیں کیا۔ انند پال کی کوششوں سے تمام ہندوستان مسلمانوں کے خلاف جہاد پر آمادہ ہو گیا۔ مورخ اس بات پر متفق ہیں کہ انند پال نے محمود کے خلاف جنگ کو مذہبی جنگ قرار دیا اور محمود کا باجگذار ہونے کی حالت میں باغی بن کر خطرناک اور زبردست تیاریاں کیں۔ اور ہندوستان کی تمام فوجی طاقت کو ایک مرکز پر جمع کیا۔ کہ اس کے ذریعہ نہ صرف محمود بلکہ افغانستان کے پہاڑوں تک کو پیس کر سرمہ کیا جانا۔ ممکن نظر آتا تھا۔ ملک کا مال و دولت اور عورتوں کے طلائی و نقرئی زیورات کا انبار انند پال کے پاس فراہم ہو گیا۔ جنگ جو لوگوں کا ٹڈی دل بھی اس کے جھنڈے کے نیچے جمع ہو گیا۔ پنجاب کی عظیم الشان فوجوں کے علاوہ دہلی۔ گوالیار کالنجر۔ قنوج۔ اجمیر۔ کشمیر۔ کانگڑہ۔ گجرات۔ مالوہ وغیرہ کی افواج بھی مع ساز و سامان انند پال کی خدمت میں پہنچ گئیں ۱۰۰۸ء میں فوجی سمندر موجیں مارتا ہوا۔ پشاور کی طرف بڑھا۔ ادھر محمود نے بھی اس چڑھائی کی خبر سن کر لڑائی کے لیے تیاری کی۔ اور پشاور کے قریب ہندوؤں کے لشکر کا استقبال کیا۔ دونوں فوجیں چالیس روز تک ایک دوسرے کے مقابل خیمہ زن رہیں۔ بالآخر ہندوؤں نے محمود کے لشکر پر حملہ کی ابتدا کی۔ اور محمودی لشکر کے کیمپ میں گھس کر ہنگامہ جنگ گرم کیا۔ طرفین سے کوششوں میں کمی نہیں ہوئی۔ اس کو اتفاقی امر سمجھ یا مسلمانوں کی بہادری کہو۔ کہ ہندوستان کو اس مرتبہ بھی مٹھی بھر مسلمانوں کے ہاتھوں شکست و ناکامی کی ذلت حاصل ہوئی۔ انند پال نے پھر اپنے باپ کی سنت

پر عمل کیا۔ یعنی معافی کا خواستگار ہوا۔ محمود نے اس سے فرمانبرداری اور باجگذاری کا اقرار لے کر رہا کر دیا۔ اس جگہ ایک منصف مزاج، درعقل مند شخص کو سوچنا چاہیے کہ ابھی تک محمود دریائے اٹک کے اس طرف نہیں اترا۔ پنجاب کے راجہ اور ہندوستان کے تمام راجاؤں نے مل کر چار مرتبہ مسلمانوں پر چڑھائیاں کیں۔ اور کیسی کیسی بد عہدی بے وفائی اور دشمنی کا ثبوت دیا۔ مسلمانوں نے اپنے ملک کی حدود سے باہر ابھی تک قدم نہیں رکھا۔ اپنے ہی ملک میں حملہ آور ہندوؤں کو شکست دے دے کر لوٹایا۔ مسلمانوں کی طرف سے کس قدر عفو و درگزر ہوتے اور مراعات کا برتاؤ ظہور میں آیا۔ تمام واقعات جو مذکور ہوئے۔ تمام مستند[1] تاریخوں میں مسطور و موجود ہیں۔ مگر کس قدر حیرت کا مقام ہے، آج محمود کے حملوں کی تعداد بڑھانے کے لیے اس کی ہر ایک مدافعانہ لڑائی کو ایک حملہ قرار دیا جاتا ہے ؎

تا مرد زمن گناہ وشرمندہ اسم زتو
بر قتل چشم داری وہیچت بہانہ نیست

محمود نے متھرا پر کیوں حملہ کیا؟

محمود نے پنجاب کی حدود سے آگے بڑھ کر متھرا کے راجہ کو جے پال و انند پال کے ساتھ مل کر سلطنت غزنی پر چڑھائی کرنے کی قرار واقعی سزا دی۔ درحقیقت اسی کو پہلا حملہ کہا جا سکتا ہے۔ جو اس نے متھرا کے راجہ پر جا کیا۔ یہ بھی یاد رکھنے کی بات ہے کہ متھرا ہی کے اپدیشک تھے۔ جنہوں نے تمام ہندوستان کو محمود کے خلاف بھڑکانے میں سب سے بڑھ کر حصہ لیا تھا۔

---

[1] تاریخ یمینی و تاریخ فرشتہ سے لیکر راجہ شیو پرشاد ستارہ ہند کی تاریخ تک شہادت حاصل کی جا سکتی ہے۔

قنوج کے راجہ کے ساتھ محمود کا حسن سلوک

اس کے بعد قنوج کے راجہ کا نمبر تھا۔ چنانچہ جب محمود قنوج پہنچا۔ تو قنوج کا راجہ اپنے گلے میں دو پٹہ ڈال کر اور مجرموں کی صورت بناکر محمود کے سامنے آکھڑا ہوا۔ محمود اور اس کے باپ سبکتگین کی عفو ودرگزر تمام ہندوستان میں مشہور ہوچکی تھی۔ جے پال اور انند پال کے ساتھ جو سلوک ہوا تھا۔ اس سے قنوج کا راجہ بخوبی واقف تھا۔ چنانچہ راجہ کا خیال صحیح ثابت ہوا۔ محمود نے اس کے ساتھ نہایت شریفانہ اور دوستانہ سلوک کیا۔ اس کے ملک و مال اور کسی چیز سے تعرض نہیں کیا۔ آٹھ دن تک راجہ کا مہمان رہا۔ اور اُس کو اپنے اخلاق کا گرویدہ بناکر آٹھویں دن رخصت ہوکر واپس چلا آیا۔ اگر محمود ظالم ہوتا تو وہ قنوج کے راجہ سے ایسی شفقت اور محبت کا برتاؤ ہرگز ہرگز نہ کرتا۔ اور قنوج کے مندروں کو مسمار کردیتا ۔ اور قنوج کے لوگوں کو لونڈی غلام بناکر ہمراہ لیے بغیر ہرگز نہ لوٹتا۔

محمود غزنوی کا ہندو راجہ پر احسان

اس کے بعد محمود کو ایک مرتبہ اور مشرق کی طرف سفر کرنا پڑا۔ اور اس کا یہ سفر بظاہر اغراض کے لیے نہ تھا بلکہ بشرط شرافت اور اخلاقی بنا پر تھا یعنی کالنجر کے راجہ نے محمود کے دوست راجہ قنوج پر حملہ کیا۔ اور محمود اپنے دوست کی حمایت کے لیے غزنی سے دو منزلہ اور سہ منزلہ یلغار کرتا ہوا روانہ ہوا۔ راستہ میں سنا۔ کہ قنوج کا راجہ کالنجر کے راجہ سے لڑکر مارا گیا۔ محمود کو اب دو سبب سے کالنجر پر حملہ آور ہونا ضروری ہوا۔ اوّل تو قنوج کے راجہ کا انتقام لینا۔ اور دوسرے کالنجر کے راجہ کا وہ قرضہ اتارنا۔ کہ وہ سلطنت غزنی پر جے پال اور انند پال کے ہمراہ فوجیں لے کر چڑھا تھا۔ اگر

محمود اس مرتبہ کالنجر پر حملہ آور نہ ہوتا۔ تو کالنجر کے راجہ کا قنوج کے راجہ کو محمود کی دوستی کی وجہ سے قتل کر دینا وہ اثر پیدا کر چکا تھا۔ کہ تمام ہندو کالنجر کے راجہ کو اپنا سپہ سالار اعظم بنا کر ضرور پنجاب پر حملہ آور ہوتے۔ لیکن محمود جب کالنجر پہنچا۔ تو کالنجر کے راجہ کو وُہی کام کرنا پڑا۔ جو قنوج کے راجہ نے کیا تھا۔ چنانچہ محمود — اس کی جان بخشی اور ملک بخشی کر کے واپس چلا آیا۔ اگر کسی کے سر میں دماغ ہے۔ اور دماغ میں عقل بھی ہے۔ تو وہ سوچے اور سمجھے اور غور کرے۔ کہ کیا یہی اس لٹیرے محمود کے وہ حملے ہیں۔ جن کو ڈاکہ زنی اور مذہبی جنون کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اور لوٹ مار کے شوق کا نتیجہ ٹھہرایا جاتا ہے۔

محمود کو مشرقی جانب سے بالکل اطمینان ہو گیا تھا۔ لہٰذا اس نے پھر کبھی بھول کر بھی پنجاب سے مشرق کی جانب قدم نہیں رکھا۔ اب صرف جنوب کی طرف سے اجمیر و مالوہ کے راجاؤں کا خطرہ باقی تھا۔ نیز اُن کا وہ قرضہ بھی ادا کرنا رہ گیا تھا۔ کہ تین مرتبہ جے پال اور آنند پال کے ہمراہ اس پر چڑھائی کر چکے تھے۔ ادھر جے پال ثانی نے بھی اجمیر کے راجہ کو اپنے ہاں پناہ دی تھی۔ چنانچہ محمود نے اوّل اجمیر پر حملہ کیا۔ اجمیر سے فارغ ہونے کے بعد صرف مالوہ و گجرات کی طاقت باقی تھی۔ جس سے سندھ و ملتان کے محمودی علاقے کو سخت خطرہ تھا۔ اس نے پٹن سومنات کو اپنے حملہ کے لیے اس واسطے انتخاب کیا۔ کہ طاقت کا اصل مرکز وہی مقام تھا۔ اور وہاں حملہ کرنے سے تمام گجرات و مالوہ جسد بے روح بن سکتا تھا۔ چنانچہ محمود کا خیال صحیح ثابت ہوا۔ جب وہ سومنات پہنچا ہے۔ تو وہاں راجپوتوں کی اتنی بڑی اور زبردست جمعیتہ موجود تھی۔ کہ محمود کو اُن کا مقابلہ کرنا دشوار ہو گیا۔ مالوہ کا راجہ بھی معہ

اپنی زبردست فوج کے آموجود ہوا۔ اگر محمود اوّل اجین پر حملہ کرتا۔ تو سومنات کی مرکزی طاقت کی موجودگی میں اجین کا فتح کرلینا۔ اصل خطرہ تو ہرگز رفع نہیں کرسکتا تھا۔ لیکن سومنات کی فتح کے بعد تمام مخالف طاقتوں کا یک لخت خاتمہ ہو گیا۔ اور ہندوؤں کے پنڈتوں کی جو محمود کے خلاف لوگوں کو آمادہ جنگ بنانے کی کوشش کرتے تھے۔ زبانیں بند ہوگئیں ان صاف اور سیدھی باتوں کو یار لوگوں نے جس رنگ آمیزی کے ساتھ بیان کیا ہے اور بت شکنی کے متعلق جو جو عجیب و غریب داستانیں گھڑی ہیں اُن کو پڑھ کر بڑی حیرت ہوتی ہے۔ اگر یہی واقعہ نگاری ہے تو کیوں نہ داستان امیر حمزہ۔ اور فسانہ عجائب کو بھی تاریخی کتابوں کی فہرست میں داخل کیا جائے؟ اور کیوں نہ مثنوی بدر منیر کو ہندوستان کی تاریخ کا ایک جزو قرار دیا جائے۔ وہ لوگ جو مستند سے مستند اور کسی سے زبردست سے زبردست روایت کو بھی جب تک کہ درایت سے اس کی تائید نہ ہو ماننے کو تیار نہیں محمود کے معاملہ میں حیرت انگیز طور پر اعلےٰ درجہ کے سادہ لوح روایت پرست بن جاتے ہیں۔ اور اپنی ابلہی یا ابلہ فریبی پر ذرا نہیں شرماتے۔ مگر وہ بڑے زور شور سے یہ روایت تو نقل کرتے ہیں کہ محمود نے اس پانچ گزی مورت کے سر پر اس زور سے گرز مارا۔ کہ اس کے چار ٹکڑے ہوگئے اور اس کے اندر سے بے شمار جواہرات نکل پڑے۔ اُن چار ٹکڑوں میں ایک ٹکڑا مکہ معظمہ اور ایک ٹکڑا مدینہ منورہ پہنچایا گیا جہاں وہ ٹکڑے دروازوں کی سیڑھیوں میں نصب کئے گئے۔ لیکن ان امور پر غور فرمانے کی تکلیف گوارا نہیں فرماتے۔ کہ

(۱) شیو یعنی چاند کے مندر میں کوئی انسانی مورت ہوا کرتی تھی یا نہیں؟

(۲) شیو کے مندر میں شیو کا بت کھو کھلا ہو سکتا ہے۔ یا اس کا ٹھوس

ہونا ضروری ہے۔

(۳) سومنات کے اُن ٹکڑوں کو مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ میں کسی نے دیکھا اور کسی مصنف یا سیاح زائر نے کبھی اُن کا وہاں موجود ہونا بیان کیا۔

(۴) آج وہاں وُہ ٹکڑے موجود ہیں یا نہیں؟ اگر موجود نہیں تو ایسی تاریخی اور قابلِ تذکرہ چیز کے وہاں سے جدا ہونے کا حال ضرور معلوم ہونا چاہیئے۔ کہ کس نے کس زمانہ میں اُن کو وہاں سے جدا کیا۔ اور کہاں لے گیا۔ اور کیا کیا؟ وغیرہ۔

سومنات سے فارغ ہو کر اور اس نواح کے کئی راجاؤں کو اپنا مطیع وفرمانبردار بنا کر سومنات کی حکومت راجپوتوں کے ایک سردار و ابشلیم کے سپرد کر کے راستہ میں سرکش قوموں کو سزا دیتا ہوا غزنی چلا گیا۔ اور اس کے بعد جلدی رہ گیرائے عالم جاودانی ہوا۔ محمود نے قریباً تیس سال کے عرصہ میں ہندوستان کے اُن راجاؤں کو جو بلا وجہ اس کے ملک پر چڑھ چڑھ کر جاتے اور اس کی تباہی و تخریب کے درپے رہتے تھے بالکل خاموش اور سید ھا کر دیا۔ پنجاب و ملتان کا علاقہ سلطنت غزنی میں شامل کیا۔ اپنے ملک میں امن و امان قائم رکھنے کے لیے بہتر سے بہتر اور اعلیٰ سے اعلیٰ تدابیر کو کام میں لایا سرکشوں اور ستم گروں کو مناسب سزائیں دیں۔ واقعہ پسند لوگوں کو گرفتار کر کے لے گیا۔ تاکہ اس کے ملک کے امن و امان کو امادہ نہ کر سکیں۔ چنانچہ پونے دو سو برس تک پنجاب اس کی اولاد کے زیر حکومت رہا۔ اور کسی ہندو کو قطعاً جرأت نہ ہوئی۔ کہ پنجاب کی طرف ترچھی ترچھی نظروں سے دیکھ سکے۔ حتیٰ کہ غزنی کا ملک جو اصلی ملک تھا۔ اس کی اولاد کے قبضہ پہلے سے نکلا۔ لیکن پنجاب آخر تک انہی کے قبضہ میں رہا۔ یہ سب کچھ نتیجہ تھا۔ محمود کی اُن عاقلانہ

تدابیر کا جو اس نے اپنے مفتوحہ ملک پنجاب کو محفوظ رکھنے کے لیے برتیں۔ محمود کو ملکوں کے فتح کرنے کا ہرگز شوق نہ تھا۔ اس نے بلا وجہ کسی کو نہیں ستایا اور یہ ہو کیسے سکتا تھا۔ کہ ایک طرف وہ اعلیٰ درجہ کا علم دوست۔ عاقل منصف مزاج۔ خوش خلق۔ اور بہادر۔ اور دوسری طرف اس سے وہ حرکات سرزد ہوں جو عقل و اسلام کے برخلاف ہوں۔ اس نے کبھی کسی ہندو مجرم کو سزا دینا جائز نہ سمجھا۔ اس کے برعکس مسلمان مجرم کو سزا دینے کے لیے ہر وقت آمادہ مستعد نظر آتا تھا۔ ہندو مجرموں کے ساتھ اس نے جس قدر رعایت کی ہے۔ مسلمان مجرموں کو وہ رعایت حاصل نہیں ہو سکتی۔ اگر ہندوؤں کا قتل کرنا ہی اس کا مقصد اعظم تھا۔ تو اس کو کیا ضرورت تھی۔ کہ قنوج، کالنجر و سومنات کے دور دراز خطرناک سفر اختیار کرے۔ پنجاب میں تھوڑے ہندو تھے جو ہر طرح اس کے زیر حکومت اور تحت و تصرف میں تھے۔ اول انہیں کے بے خطر قتل سے اپنا دل بہلاتا۔ اور جب پنجابی ہندو ختم ہو جاتے تب آگے بڑھتا۔ اور دوسروں کی خبر لیتا۔ مگر کیا کوئی ثبوت پیش کر سکتا ہے۔ کہ محمود نے کسی ہندو کو پنجاب میں مسلمان ہونے کے لیے مجبور کیا اور کیا محمود اور اس کی اولاد نے پونے دو سو برس میں پنجاب کے پونے دو ہندو خاندانوں پر بھی مذہب تبدیل کرنے کے لیے زور دیا۔ ہاں اس میں شک نہیں کہ جب پنجاب میں مسلمانوں کی باقاعدہ حکومت قائم ہو گئی۔ تو مسلمانوں کی آمد و رفت اس ملک میں شروع ہوئی ملتان و سندھ کے علاقوں میں اسلام پہلے ہی سے پھیل رہا تھا۔

پنجاب کے نومسلم خاندان

اب پنجاب میں بھی اسلامی مشن تبلیغی شروع ہوئی پنجاب کے ہزارہا

نومسلم خاندان کی اگر تحقیق کی جائے۔ تو ایسا ایک بھی نہ نکلے گا جس کو محمود غزنوی یا اس کے جانشین بادشاہوں میں سے کسی نے مسلمان بنایا ہو۔ قریباً سب کے سب ایسے ہوں گے جن میں کوئی حضرت مخدوم علی الہجویری المعروف داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کے فیض صحبت سے مسلمان ہوا کسی کو حضرت بابا فرید شکر گنج رحمۃ اللہ علیہ نے مسلمان کیا۔ کسی کو کسی اور درویش یا عالم نے خداشناسی کا طریقہ بتایا چنانچہ پنجاب کے ٹوانوں کا ایک مشہور معروف راجپوت خاندان حضرت بابا فرید شکر گنج رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھ مسلمان ہوا۔ اسی طرح سیالوں اور کھرڑوں وغیرہ کے بہادر معزز قبیلوں کی حالت ہے۔ محمود کے زمانہ میں ہندو مسلمان کے درمیان سیاسی اغراض کی بنا پر کتنی ہی مخالفت ہو لیکن مذہبی منافرت جیسی آج موجود ہے۔ اس زمانہ میں غالباً نہ تھی۔ اور منافرت کی اس کمی کا باعث ہندوؤں کی خوش اخلاقی نہ تھی۔ بلکہ مسلمانوں کی سیر چشمی اور رواداری تھی۔ فاتح مسلمان کو مفتوح ہندوؤں کی یہاں تک رعایت منظور تھی۔ کہ وہ اُن کو ہر قسم کے اعلیٰ سے اعلیٰ عہدے دیتے اور اُن کے ساتھ دوستانہ و شریفانہ برتاؤ کرنے پر آمادہ رہتے۔ حیرت ہوتی ہے کہ اس محمود کی فوج میں جس کو ہندوؤں کے قتل کا شوقین بتایا جاتا ہے۔ بڑے بڑے فوجی سردار ہندو نظر آتے ہیں۔ اُن ہندوؤں کو جو آج کسی مسلمان عہدہ دار کو موجودہ گورنمنٹ کے کسی محکمہ میں دیکھنا پسند نہیں کرتے۔ یہ معلوم کر کے شرم آنی چاہیے کہ اکبر و جہانگیر و شاہ جہاں وغیرہ سلاطین مغلیہ اور لودی و سوری و تغلق و خلجی وغیرہ خاندانوں کے سلاطین افغانیہ کے بے شمار ہندو اعلیٰ عہدہ داروں کے علاوہ اسی محمود کی فوج میں جس کو ہندوؤں سے بے حد متنفر اور ہندوؤں کے قتل کا بے حد شائق بتایا جاتا

ہے۔ راجہ تلک سپہ سالاری کا عہدہ رکھتا تھا۔ اور جس کو بعد میں سلطان
مسعود نے امیرالامرا کا خطاب بھی دے دیا تھا۔ سلطان محمد بن سلطان محمود
کے خلاف جب چند مسلمان امیروں نے خروج کیا۔ تو سیوند رائے اپنے
آقا کا حق نمک ادا کرتا ہوا مارا گیا۔ سلطان مسعود کے زمانہ میں احمد بن ینگین
نے پنجاب میں بغاوت کی۔ تو ناتھ نامی ایک ہندو جرنیل معقول جمعیت
کے ساتھ مارا گیا۔ تو راجہ تلک عکو پر جسے سنگھ بھیجا گیا اور احمد بن ینگین اس
کے مقابلہ میں مارا گیا۔ اور محمود کے زمانہ میں ایک اور ہندو سپہ سالار بجے رائے
تھا جو بارگاہ محمود میں رتبہ اعلیٰ رکھتا تھا۔ اور اپنے آقا کے پاس سے کشمیر چلا آیا
سلطان محمود نے اپنے زمانہ میں اس کو کشمیر سے بلوایا۔ اور بڑی تکریم و قدر
دانی کے ساتھ پیش آیا۔ یہ اور ان کے علاوہ اور بہت سے ہندو تھے۔ جو
سلطان محمود کے جاں نثار اور اس کی وفادار ہے محمود اور محمود کے جانشینوں
کی طرف سے ہمیشہ ہندوؤں پر مہربانی شفقت کی بارشیں ہوتی رہیں۔ آج اس
حقیقت کو دروغ گوئی اور غلط فہمیوں کے غبار میں پوشیدہ کیا جاتا اور اس
کے خلاف یقین دلایا جاتا ہے۔ وہی محمود جس کو ہندوؤں سے اور ہندوؤں
کی ہر ایک بات سے بلا وجہ عداوت رکھنے والا بتایا جاتا ہے۔ اس کے
مسلمان مصاحب اور مسلمان ملازم ہندوؤں کے علوم و فنون اور ہندوؤں کے
تمدن و معاشرت کی تحقیق میں اپنی عمر کے بڑے بڑے حصے صرف کر دیتے
تھے۔ چنانچہ علاوہ ابوریحان البیرونی نے ہندوستان میں سولہ سترہ برس
رہ کر برہمنوں کے ہاتھ سے انواع و اقسام کی مصیبتیں سہ کر اور بھیس بدل بدل کر
سنسکرت زبان پڑھی، ہندوؤں کی کتابوں کا مطالعہ کیا۔ اور ہندوؤں کے
تمدن، اخلاق، فلسفہ، اور معاشرت وغیرہ پر ایک نہایت قیمتی اور بے نظیر

کتاب بہ کتاب الہند کے نام سے لکھی۔ جس کا انگریزی میں ترجمہ ہو چکا
ہے۔ پھر لطف کی بات یہ ہے۔ کہ البیرونی کی تحریر سے معلوم ہوتا ہے۔
کہ وہ ہندوستان کی بے حد طرفداری کرتا ہے۔ آج ہندوؤں کے ہاتھ
میں اپنی بہت سے حقیقی یا زعمی فضیلتوں کے ثبوت میں البیرونی کی کتاب الہند
سے بڑھ کر دوسرا سامان موجود نہیں۔ خلاصہ کلام یہ کہ محمود کو ہندوؤں کی بے حد
رعایت مد نظر تھی محمود ہندوؤں کا جس قدر ہمدرد۔ ہوا خواہ۔ اور مربی تھا
اکبر بھی اس درجہ کو نہیں پہنچ سکا۔ اکبر نے اپنی غرض کے لیے۔ یعنی ہندوستان
کے طاقتور مسلمانوں پٹھانوں کے خطرہ سے اپنے خاندان کو بچانے کی غرض
ہندوؤں کے حال پر مہربانیاں مبذول فرما کر اُن کو اپنا ہوا خواہ بنایا۔ اور
جب موقع پایا۔ تو مارواڑ کی ریاست کو زیر و زبر کرنے سے دریغ نہیں کیا۔ اکبر
نے اپنے خاندان میں حکومت کو پائیدار بنانے کے لیے۔ اپنے ہم مذہب مسلمانوں
کے دوسرے خاندانوں کو تباہ کرنے میں تامل نہیں کیا اور اپنی اس ذاتی غرض
کو پورا کرنے کے لیے اپنے مذہب کے خلاف منافقانہ طریق اختیار کر کے
ہندوانہ طور وطریق اختیار کیا۔ لیکن محمود نے ہندوؤں پر جو مہربانیاں کیں۔
اس سے اپنے ضمیر کے خلاف منافقت سے کوئی کام نہیں کیا۔ اس نے
جے پال و آنند پال کے بیٹے کو پنجاب کی حکومت سپرد کی۔ اس نے قنوج کے
راجہ پر احسان کیا اور اس سے دوستانہ تعلقات قائم کیے۔ پھر اُن تعلقات کو
اعلیٰ سے اعلیٰ شرافت کے ساتھ نباہا۔ کہ اس کی امداد وحمایت کے لیے
غزنی سے چلا اور کالنجر تک پہنچا۔ اس نے کالنجر کے راجہ کو نیچا دکھا کر اپنی عالی
حوصلگی کا نمونہ دکھایا۔ کہ اس کا ملک اسی کو دے دیا۔ اس نے سومنات کو اپنی
جان پر کھیل کر فتح کیا۔ اور پھر وہاں کی حکومت راجپوتوں کو جو جوناگڑھ یا گرنار کے

حکمران تھے دیدی اس نے مالوہ - اجمیر - متھرا - کشمیر - کانگڑہ - بھیرہ وغیرہ کے راجپوتوں کو شکستیں دیں - لیکن سزا دہی کے بعد پھر اُن کے ممالک کو بحال کر دیا - اس نے ہندوؤں کو سپہ سالاریاں اور اعلیٰ عہدے دیئے - اس نے ہندوؤں کے علوم و فنون اور تمدن و اخلاق و معاشرت کی بے عزتی نہیں کی - اس نے مسلمانوں سے زیادہ ہندوؤں پر مہربانیاں کیں - لیکن ان تمام کاموں میں وہ ایک سچا مسلمان تھا - اس نے کبھی کوئی منافقانہ حرکت نہیں کی - نہ کبھی ہندوؤں کو کوئی فریب دینا چاہا -

شہاب الدین غوری

اب محمود کے بعد شہاب الدین محمد بن سام غوری کا نمبر آتا ہے - محمود کا ہندو راجاؤں پر رعب طاری ہو چکا تھا - کہ اس کے بعد باوجودیکہ سلطنت غزنی دم بدم کمزور بھی ہوتی گئی - مگر کسی ہندو راجہ کو اتنی جرأت نہ ہو سکی - کہ اس کے جانشینوں سے پنجاب کے ملک کو چھین لینے کا قصد کر سکے - اطراف و جوانب کے ہندو راجہ سلاطین غزنی اور حکام پنجاب کے ساتھ نیازمندی اور دوستی کے تعلقات رکھتے تھے - اجمیر کے راجہ محمود ہی کے زمانہ سے سلطنت غزنی کے دوست چلے آتے تھے - اس طرح ریاست قنوج کی وفاداری تو مسلّم ہی تھی پنجاب اس پونے دو سو برس کے عرصہ میں ہر طرح اسلامی ملک بن چکا تھا - اسلامی اثر اور اسلام کی قبولیت کا یہ عالم تھا - کہ متھرا - قنوج - بنارس - اجمیر - اور ہنسی کے بڑے بڑے معزز اور شریف راجپوت خاندان پنجاب میں آکر مسلمان ہو چکے تھے - اور یہ سلسلہ برابر جاری تھا - قنوج و اجمیر کی ریاستوں کے تجارتی اور سفارتی تعلقات پنجاب کے ملک اور لاہور کے اسلامی دربار سے بہت گہرے اور قوی تھے - راجپوتوں کی پلٹنیں اور رسالے اسلامی لشکر میں

موجود تھے۔ اور یہی وجہ تھی۔ کہ ہندوؤں کی زبان تک بھی اسلامی اثر سے
متاثر ہوئے بغیر نہ رہی تھی۔ چنانچہ شمس العلما مولوی محمد حسین صاحب آزاد
نے اپنی کتاب آب حیات میں اس بات پر حیرت کا اظہار کیا۔ کہ پرتھی راج
کے مشہور شاعر کی ۱۱۹۳ء کے قریب کی لکھی ہوئی ہندی نظم ہے۔ اس میں
سلام، پروردگار، پیغام، سلطان، دیوان، خلق، فرمان، حضرت وغیرہ الفاظ شامل
ہوتے ہیں۔ میں کہتا ہوں۔ کہ اس میں تو حیرت کی کوئی بات نہیں جبکہ ہندو مسلمان
پورے دو سو برس تک ایک دوسرے سے مذکورہ بالا قوی تعلقات رکھ چکے
تھے۔ تو مسلمانوں کی زبان کے الفاظ کیوں نہ ہندوؤں کی زبان میں داخل ہوتے؟

سلاطین غزنی کے ہندوؤں کے ساتھ ہمیشہ خصوصی تعلقات رہے ۔
جب غوریوں نے زور پکڑ کر غزنویوں کو دبایا۔ تو غزنی کے آخری بادشاہ نے
بجائے غزنی کے لاہور کو اپنا دارالسلطنت بنایا۔ ۱۱[illegible]ء کے قریب علاؤالدین
غوری اور شہاب الدین غوری نے خسرو پر زبردست حملے کیے۔ اور بڑی
بڑی لڑائیاں ہوئی۔ ان لڑائیوں میں گکھڑوں کے قبائل نے جو ابھی مسلمان نہیں
ہوئے تھے۔ خسرو کی طرف سے خوب خوب داد شجاعت دی۔ انجام کار
سلاطین غزنی کے تمام مقبوضات پر غوریوں کا تسلط ہو گیا۔ خاندان غزنی کے
آخری سلطان یعنی خسرو کے عہد میں غوریوں کے ہنگامہ کی وجہ سے پنجاب کے
بعض سرحدی علاقوں کے قبائل خود مختار ہو گئے تھے۔ ملتان کا عامل علی کرماج
بھی خود مختار ہو گیا تھا۔ اسی طرح ہانسی اور سونی پت کا علاقہ جو محمود کی وفات
کے بعد ۱۰۴۳ء میں حکومت پنجاب میں شامل ہوا تھا۔ اس پر دہلی
کے راجہ نے مناسب موقع پا کر قبضہ کر لیا۔ شہاب الدین غوری نے
سلطان خسرو کی شکست و گرفتاری کے بعد نہ صرف پنجاب کے

اُس علاقہ پر قبضہ کیا جو خسرو کے تصرف سے رہ گیا تھا۔ بلکہ تمام اس علاقہ کو اپنا حق سمجھا۔ جو قدیم سے سلاطین غزنی کے زیر حکومت چلا آتا تھا۔ چنانچہ ملتان کے عامل علی کرماج کو بھی ملتان کا علاقہ شہاب الدین غوری کی نذر کرنا پڑا شہاب الدین غوری نے علی کرماج کی قابلیتوں پر نظر فرما کر اس کو ملک پنجاب کا نائب السلطنت تو بنا دیا۔ مگر ملتان کے علاقہ کو پنجاب کی حکومت غوری سے جدا رکھنا گوارا نہ کیا۔ دہلی کے راجہ سے بھی وہ علاقہ طلب کیا گیا۔ جو اس نے خسرو کے آخری زمانہ میں سلطنت پنجاب میں سے کتر لیا تھا۔ نیز اُس سے خواہش کی گئی۔ کہ وہ سلطان غوری کا اُسی طرح ہواخواہ فرمان پذیر رہے جیسا کہ دہلی و اجمیر و قنوج کے راجہ سلاطین کے ہمدرد و باجگذار رہا کرتے تھے۔ چونکہ اب اجمیر و دہلی دونوں ریاستوں کا ملک دہلی کے ایک ہی راجہ کے زیر فرمان تھا۔ اور اس کی طاقت بہت بڑھ گئی تھی۔ لہٰذا اس نے شہاب الدین غوری کے پیغام کو حیرت کی نظر سے دیکھا اور مقابلہ کی تیاری شروع کر دی۔ غوری خاندان بھی غزنویوں کو بآسانی برباد کر چکا تھا۔ غزنویوں کے مقابلہ میں دہلی کا راجہ بے حقیقت سمجھا جاتا تھا۔ لہٰذا شہاب الدین غوری نے دہلی کے راجہ کی موجودہ طاقت اور تیاری کا اندازہ کیے بغیر اس کی سزا دہی کو ایک معمولی سی بات سمجھ کر دہلی کی طرف بڑھا۔ لیکن اس کو حیرت ہوئی کہ پرتھی راج دہلی سے چل کر بڑی زبردست جمعیت اور شاہانہ ساز و سامان کے ساتھ تراوڑی کے مقام پر مقابلہ کے لیے آ ڈٹا۔ بڑے زور شور کی لڑائی ہوئی۔ شہاب الدین اپنے جوش مجنونانہ میں سپہ سالاری کے فرائض کو فراموش کر کے ایک جانباز سپاہی کی طرح لڑنے لگا۔ اور حریف کے صفوں کو کائی کی طرح چاک کرتا ہوا۔ قلب دشمن تک جا پہنچا۔ اور ایسا زخمی ہوا۔ کہ بے ہوش ہو کر گھوڑے سے گرا ہی چاہتا تھا۔ کہ

ایک بہادر اور چالاک غلام نے فوراً گھوڑے پر اس کے پیچھے سوار ہوکر
اپنے آقا کو گولی بھر کر گرنے سے روک لیا۔ اور گھوڑے کی باگ موڑ کر اس کو ایسا
بھیڑ کیا۔ کہ صاف نکال کر لے گیا۔ فوج نے اپنے سردار کو موجود نہ پا کر کشتہ تصور
کیا۔ اور لڑائی میں جان نہ لڑائی اس طرح اتفاقی طور پر پرتھی راج نے فتح پائی۔
ساڑھے پانچ سو سال کا عرصہ گذر چکا تھا۔ ہندوؤں کو اب تک کوئی بھی قابل
تمغہ فتح مسلمانوں کے مقابلہ میں نہیں ہوئی تھی۔ یہ پہلا موقع تھا کہ اسلامی لشکر
کو ہندوؤں کے مقابلہ میں ہزیمت حاصل ہوئی۔ اس لڑائی سے شہاب الدین
کو غیر معمولی ندامت ہوئی۔ پرتھی راج کو فخر کرنے کا موقع ملا۔ تمام ہندوستان
میں پرتھی راج کی دھوم مچ گئی۔ اب تک قنوج کی ریاست بوجہ اپنی قدامت
اور عظمت کے تمام ہندو ریاستوں میں سربرآوردہ ریاست تھی۔ دہلی کی
ریاست کا قنوج کی ریاست سے کبھی ہمسری کا دعوےٰ نہیں ہوا تھا۔ اس
فتح کے بعد پرتھی راج اپنے آپ کو سب سے بڑا راجہ سمجھنے لگا۔ اور ہندو
خود بخود اس کی طرف متوجہ ہو گئے۔ دو سال کے بعد شہاب الدین غوری پرتھی
راج کی مزاج پرسی کے لیے آیا۔ پرتھی راج کا کام تمام کر کے اس کی ریاست کو اپنی
حکومت میں شامل کیا۔ اس طرح آئے دن کا قصہ ہی چکا دیا۔

شہاب الدین کو جو پہلی مرتبہ شکست ہوئی۔ اس کی وجہ سے مسلمانوں کا وہ
رعب جو ہندوؤں کے دلوں پر سینکڑوں برس سے چھایا ہوا تھا۔ مفقود ہو گیا تھا۔
اور قنوج کا راجہ شہاب الدین کو جو ایک مرتبہ پرتھی راج سے ہزیمت بھی
اُٹھا چکا تھا۔ مقابلہ میں شکست دینا ممکن سمجھنے لگا۔ اسی لیے وہ شہاب الدین
کی اطاعت پر رضا مند نہ ہوا۔ بلکہ اپنی اس فضیلت و برتری کو جو اس کو
دہلی کی ریاست پر حاصل تھی۔ قائم رکھنے کے لیے مقابلہ کی زبردست تیاری میں

مصروف ہوگیا۔ ادھر شہاب الدین بغیر اس کی طاقت کا اظہار کئے اور قنوج کے راجہ کو مقابلہ میں شکست دیئے کسی طرح اپنے مفتوحہ و مقبوضہ ملک میں امن و امان رکھ کر ہندو راجاؤں کے حملوں سے مطمئن نہیں رہ سکتا تھا۔ جیسا کہ محمود غزنوی کو بھی پنجاب میں امن و امان قائم رکھنے کے لیے یہی تدبیر مجبوراً عمل میں لانی پڑی تھی۔ چنانچہ شہاب الدین قنوج پر بڑھا۔ ادھر سے قنوج کا راجہ جے چند بھی پوری طاقت سے مقابلہ پر آیا۔ اور میدان جنگ میں قطب الدین ایبک کی تیر سے مارا گیا۔ شہاب الدین کو اب آگے بڑھنے کی ضرورت نہ تھی۔ کیونکہ ہندوؤں کی بڑی طاقت فتح قنوج کے بعد زائل ہو چکی تھی۔ شہاب الدین کو ضرورت نہ تھی اور عقل کا بھی اقتضا نہ تھا۔ کہ وہ اب اتنے تجربوں کے بعد بھی قنوج و دہلی کی ہندو ریاستوں کو پھر ہندوؤں کے اسی طرح سپرد کرتا۔ جیسا کہ محمود غزنوی نے انند پال کو شکست دینے کے بعد پنجاب کی ریاست اس کے بیٹے کو دے دی تھی شہاب الدین غوری غزنوی خاندان کے علاقے اور غزنویوں کے تمام حقوق کو اپنا حق سمجھ کر حاصل کرنا چاہتا تھا۔ اس نے دہلی اور قنوج سے صرف اسی قدر خواہش کی تھی۔ کہ انہیں تعلقات اور اسی طرز عمل کا مطالبہ کیا تھا۔ جو وہ غزنویوں کے ساتھ رکھتے تھے۔ اور اس کا یہ مطالبہ ہرگز بے جا نہ تھا۔ کیونکہ غوریوں کی سلطنت ہندوستان میں ہر طرح غزنویوں کی قائم مقام تھی۔ مگر ان راجاؤں نے اس کے مقابلہ کو حقارت کی نظر سے دیکھا، اور اس کی پاداش میں اپنی جانوں اور اپنی ریاستوں کو اپنے ہاتھوں خود ضائع کر کے سلطنت اسلامی کی حدود کو پنجاب تک محدود نہ رہنے دیا۔ اس طرح ہندوستان میں ایک مستقل وسیع سلطنت مسلمانوں کی قائم ہوگئی۔

اب ایک سوچنے والا سوچے اور غور کرنے والا غور کرے۔ کہ ہندوستان میں مسلمانوں کے آنے اور اسلامی حکومت اس ملک میں قائم ہونے کے حالات جو مذکور ہوتے۔ اس میں مسلمانوں کی کس قدر قدردانی اور کون کون سی غلطیاں تھیں۔ اور مذہب اسلام پر کیا اعتراض وارد ہو سکتا ہے۔ ؎

طعنہ بر فیضی مزن زاہد بہ پرس از گلرخاں
پاک دامانی رندان گریباں چاک را

ہندوؤں کی حکومت برطرف ہو کر مسلمانوں کی حکومت ہونے کے اسباب سب کے سب بے ساختہ اور یکے بعد دیگرے پیش آنے والے واقعات کا ایک سلسلہ ہے۔ اس سلسلہ میں کہیں یہ نظر نہیں آتا کہ ہندوؤں کو صرف اس لیے ذبح کیا جا رہا ہو۔ کہ وہ ہندو کیوں ہیں۔ مسلمان محض اس لیے ہندوؤں پر فوج لے کر چڑھا ہو۔ کہ وہ اسلام میں کیوں داخل نہیں ہوتے۔ مسلمانوں کی کوئی بھی چڑھائی اور ایک بھی لڑائی ایسی نہیں ہوئی۔ جس کا کوئی نہ کوئی معقول سبب نہ ہو۔